

اسلام

ایک نجات دہندہ تحریک

www.KitaboSunnat.com

مولانا سلطان احمد اصلاحی



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

اسلام

ایک نجات دہندہ تحریک

مولانا سلطان احمد اصلاحی

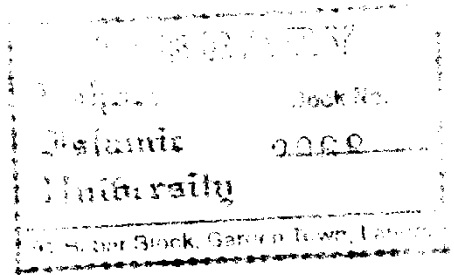
www.KitaboSunnat.com



مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۱۱۸۰
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	اسلام ایک نجات دہندہ تحریک
مصنف	:	مولانا سلطان احمد اسلاہی
صفحات	:	۲۱۵
اشاعت	:	اگست ۲۰۱۱ء
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	۹۰/- روپے
ناشر	:	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
		ڈی-۳۰، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
		فون: ۲۶۹۵۳۳۴۱، ۲۶۹۵۳۳۴۲، ۲۶۹۵۳۳۴۳
		فیکس: ۲۶۹۵۳۳۴۴
		E-mail : mmipublishers@gmail.com
		Website : www.mmipublishers.net
مطبوعہ	:	بھارت آفسیٹ، دہلی-۶



ISLAM EIK NIJAT DAHINDA TAHREEK (Urdu)

By : *Maulana Sultan Ahmad Islahi*

Pages: 215

Price : Rs.90.00

ترتیب

۷	◉ دیباچہ
۹	باب اول: معاشی بحران
۹	ہمارے ملک کا معاشی بحران
۱۶	زبوں حال سیاست
۲۲	جنگی جنون
۲۳	ماحولیات کے مسائل
۲۷	حقوق انسانی کی صورت حال
۲۷	اقلیتوں کے مسائل
۲۸	ظہر الفساد فی البر والبحر
۲۹	نجات دہندہ تحریک کے لوازم
۳۱	باب دوم: معاشی تحفظ
۳۲	ضروریات زندگی کی وسیع تعیین
۳۳	روٹی، کپڑا اور مکان
۳۳	روٹی اور اس کے متعلقات
۴۱	لباس اور اس کے لوازم
۵۲	مکان
۵۷	سواری
۶۱	اسلحہ
۶۳	شادی

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

۶۷	دیگر ضروریات زندگی
۶۸	دوا، علاج اور تعلیم
۷۴	انفرادی جدوجہد
۷۹	اصلاح معاش
۸۰	معاشرہ کی حصہ داری
۸۱	ریاست کا تعاون
۸۶	خط افلاس
۹۰	زمینوں کی تقسیم اور دیگر انقلابی اقدامات
۹۳	باب سوم: سیاست عادلہ
۹۳	امیر و مامور کا اعتماد
۱۰۴	امانت کا تصور
۱۱۲	اتباع ہوئی سے گریز
۱۱۸	خدا ترسی و خیر پسندی
۱۲۰	عہدے اور مناصب سے دوری
۱۲۵	عدل و انصاف
۱۳۴	بدعہدی اور خیانت سے اجتناب
۱۳۴	باب چہارم: امن کا فروغ
۱۴۴	ظلم و سرکشی سے گریز
۱۴۸	عفو و اعراض کی تلقین
۱۴۹	اہل کتاب یہود و نصاریٰ
۱۵۲	کفار و مشرکین
۱۵۳	جنگ کا آخری انتخاب اور اس کا محدود ترین دائرہ
۱۵۵	باب پنجم: ماحولیات
۱۵۶	پانی کا مسئلہ
۱۵۸	پلاسٹک کا استعمال

۱۵۹	صنعتی فضلات اور گاڑیوں کا دھواں
۱۶۳	آلودگی صوت
۱۷۰	شجر کاری
۱۷۳	اوزون پرت
۱۷۵	باب ششم: صالح حکمرانی
۱۷۵	سیاست کی ترقی
۱۷۶	عالم اسلام کی پس ماندگی
۱۷۷	طرز حکومت سے زیادہ روح حکمرانی کی اہمیت
۱۷۸	امریکہ اور یورپ کے ممالک
۱۸۰	غیر منقسم ہندوستان پر برطانیہ کا دو سو سالہ تسلط
۱۸۲	ہندوستان کے باشندوں پر برطانوی اقتدار کے مظالم
۱۸۲	ہندوستانی عوام پر انگریزوں کے بالواسطہ مظالم
۱۸۳	معاشی استحصال
۱۸۵	امریکہ کے کارنامے
۱۸۹	ہندوستان کی صورت حال
۱۸۹	فرقہ وارانہ فسادات
۱۹۱	دیگر طبقات پر مظالم
۱۹۳	انسانی تاریخ میں جمہوریت کا عہد زریں
۱۹۸	بادشاہت اور وزارت کے چند نمونے
۱۹۹	حضرت داؤد و حضرت سلیمان
۲۰۳	حضرت یوسف علیہ السلام
۲۰۵	ایک ضروری وضاحت
۲۰۷	حرف آخر
۲۰۹	کتابیات

انتساب

تحریک اسلامی ہند کے دو بزرگوں
مولانا محمد شفیع مونس اور مولانا محمد فاروق خاں
کے نام
جن سے میں نے اپنی علمی اور تحریکی زندگی میں بہت کچھ سیکھا ہے اور
بہت کچھ سیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔
اطال اللہ عمرہما و متعنا بطول حیاتہما۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الامين

وعلى آله وصحبه اجمعين الى يوم الدين اما بعد:

محترم قارئین!

’اسلام- ایک نجات دہندہ تحریک، آپ کے ہاتھ میں ہے۔ معاصر دنیا کے حالات کے پس منظر میں ہم نے اس کتاب میں اسلام کا جامع تعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ وسائل سے مالا مال آج کی ترقی یافتہ دنیا میں زندگی بڑی آرام دہ اور پرکشش ہو گئی ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی ہر نئے دن اس کے وسائل اور آرام میں اضافہ کر رہی ہے۔ دنیا کو برتنے اور چلانے کے سلسلے میں بھی انسانی ذہن اسی طرح آگے بڑھ رہا اور ترقی کے زینے پر زینے طے کر رہا ہے۔ اور انسانیت اس کے ثمرات و تجربات سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ لیکن ان تمام تر ترقیات اور پیش رفتوں کے باوجود ہر ایک کو احساس ہے کہ کہیں کچھ چھوٹ رہا ہے اور کہیں کچھ کمی ہے جو اس دور کی بے نظیر ترقی کے باوجود دنیا حقیقی امن و اطمینان سے محروم ہے۔ انسان کے دل کا سکون چھنا ہوا ہے اور ہر وقت وہ اپنے کو حالت اضطراب میں دیکھتا ہے۔ دنیا چلانے کے لیے معاشرت، معیشت اور سیاست میں جو تجربات کیے گئے ہیں وہ بھی اپنا واقعی نتیجہ دکھانے سے قاصر ہیں۔ آنے والے صفحات میں دنیا اور انسانیت کے اسی دکھ کا مداوا پیش کیا گیا ہے اور معاصر انسان کو اس کے مسائل کے حل کی اس کڑی کو پکڑانے کی کوشش کی گئی ہے، جو بد قسمتی سے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے یا یہ کہ وہ جان بوجھ کر اسے چھوڑے رکھنے پر تلا ہوا ہے۔ اور اس کے سلسلے میں اپنی ضد کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہی اسلام کی نجات دہندہ تحریک ہے جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی گئی ہے۔ ہمارا ایمان دارانہ اور دیانت دارانہ تجزیہ ہے کہ آج انسانیت عقیدے سے لے کر سیاست اور فرد سے لے کر ریاست تک جن بے شمار مسائل میں گھری ہوئی ہے، اس سے اُس کو نجات صرف اور صرف اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے ذریعہ ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر اسلام کے سلسلے میں اس غلط فہمی کا رافع ہونا ضروری ہے کہ وہ مذاہب عالم کی پھیلی ہوئی فہرست کا ایک عام ممبر ہے جو انہی کی طرح حیات و کائنات کے مسائل میں اپنا خاص

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ اسلام کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے انسان اور ابتداء انسانیت سے خالق کائنات کا عطا کردہ ایک ہی مذہب اور ضابطہ حیات ہے۔ اور اسی کی مخلصانہ پیروی سے انسان دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے۔ کتاب میں اسی اسلام کی نمائندگی کی گئی ہے، جو قرآن اور محمد عربی ﷺ کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ انسان کو آخرت کی نجات اسی اسلام کی پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور دنیا کے اندر وہ جن مسائل سے گھرا ہوا ہے، اُس سے اس کو نجات بھی صحیح معنوں میں اس پر عمل درآمد کے ذریعہ نصیب ہو سکتی ہے۔

ابتداء میں اپنے ملک اور دنیا کے حوالے سے اُن مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے، جن کے حل کے لیے بے چینی عام ہے۔ اس سلسلے میں اردو اور انگریزی اخبارات کے تفصیلی اور وسیع مطالعہ سے تازہ ترین اعداد و شمار فراہم کیے گئے ہیں۔ پرنٹ میڈیا کے ساتھ حسب ضرورت الیکٹرانک میڈیا سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ ان موضوعات سے متعلق یہ معلومات یکجا شاید کہیں اور نہ مل سکیں۔ اس کے بعد اسی پس منظر میں ان مسائل کا حل تجویز کیا گیا ہے۔ ناظرین دیکھیں گے کہ اس گفتگو میں غیر مسلم انسانیت کو اسلام کی دعوت کے ساتھ مسلمانوں کو بھی اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ عالمی سطح پر مسلمان معاشرے میں جو خامیاں ہیں ایمان داری کے ساتھ ان کو سامنے لایا گیا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اگر غیر مسلم انسانیت کے لیے رحمت کا پیغام ہے، تو اس سے مسلمان معاشرے کی ذمہ داری کم نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کی روشنی میں وہ اپنی اصلاح کرے اور اس کے آئینے میں اپنے چہرے کو درست کرنے کی کوشش کرے۔ زیر نظر گفتگو کے بعض موضوعات پر راقم السطور پہلے بھی لکھ چکا ہے۔ یہاں اس کو دہرانے کے بجائے بحث کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ موضوع کی نئی جہتوں کو سامنے لایا گیا ہے اور نئے اطراف و جوانب کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ متعلق موضوعات کا حق کس حد تک ادا کیا جاسکا ہے، اس کا فیصلہ ناظرین ہی کر سکیں گے۔ اتنا شاید کہا جاسکتا ہے کہ اپنی محدود صلاحیت کی حد تک جتنی محنت کی جاسکتی تھی اس میں کمی نہیں رہنے دی گئی ہے۔

آخر میں رفقاء کار مولانا ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی اور مولانا محمد جبریں کریمی کا شکریہ ادا کرنا اخلاقی فریضہ ہے، جن کے مستعد علمی تعاون سے راہ کی مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور عمل میں اضافہ کریں جن سے یہ بڑے علمی کام انجام دے سکیں۔

احقر العباد

سلطان احمد اصلاحی

۶ ربوی الحجہ ۱۴۲۵ھ

مطابق ۱۷ جنوری ۲۰۰۵ء

باب اول

معاشی بحران

ہمارے ملک کا معاشی بحران

ظاہر ہے جس ملک کی پچاس فی صد سے زائد آبادی خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہو، معاشی لحاظ سے اس کے اتر حالت میں ہونے کے لیے کسی اور دلیل کیا ضرورت ہے۔ اور یہ خط افلاس (Poverty Line) بھی نئی دنیا کا ایک تماشہ ہے۔ جس میں عوام و خواص ہر ایک کو اصطلاحات کے کھلونوں سے بہلایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس کو دو وقت کی روٹی، بدن پر کپڑا اور سر کے اوپر چھت کی سہولت میسر ہو وہ خط غربت سے اوپر زندگی بسر کر رہا ہے۔ جس کو زندگی کی یہ بنیادی ضرورتیں فراہم نہ ہوں وہ اس خط کے نیچے جی رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر زندگی کی یہی ضرورتیں ہیں تو انسان ہی پر کیا موقوف ہے، یہ تو جانوروں کو بھی فراہم ہیں۔ لباس کی ان کو احتیاج نہیں ہے اور خوراک اور چھت سے وہ بھی محروم نہیں ہیں۔ شائستہ انسان کی ضرورتیں اس سے بہت زیادہ ہیں اور جب تک ان کی فراہمی کا اہتمام نہ ہو، صرف روٹی، کپڑے اور مکان پر انھیں قانع کر دینے سے بڑھ کر انسانیت کی دوسری توہین نہیں ہے۔ یہ تفصیل ہم اس لیے بیان کر رہے ہیں کہ سمجھ دار لوگ اس اصطلاح سے دھوکہ نہ کھائیں اور روٹی، کپڑا اور مکان پا کر اگر وہ خط افلاس سے اوپر اٹھ گئے ہوں تو وہ مطمئن ہو کر بیٹھ نہ جائیں۔ خیر، سر دست اس خط کو ہی معیار مان لیجیے جب بھی، ہمارے وطن عزیز کا حال اچھا نہیں ہے۔ قریب ایک ارب کی آبادی والے اس ملک میں کتنے لوگ خط غربت (गरीबी रेखा) سے اوپر زندگی گزار رہے ہیں اور کتنے اس سے نیچے ہیں۔ اس کے بارے میں اندازے اور جائزے ایک رائے نہیں ہیں۔ ایک

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

جائزے کے مطابق ہمارے ملک کی ۳۲۰ ملین یعنی تیس کروڑ سے اوپر آبادی خط افلاس سے نیچے زندگی گزار رہی ہے^(۱) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ جائزہ درست نہیں ہے۔ یہ تعداد اس کے بجائے پچاس فی صد بلکہ اس سے بھی اوپر ہے، جیسا کہ دوسرے صاحب نظر کے یہاں اس کا ایسا ہی اعتراف ہے^(۲) یہ صحیح ہے کہ آزادی کے بعد ملک نے معاشی لحاظ سے بھی بہت کچھ ترقی کی ہے۔ اور غریب اور کمزور طبقے کے لیے حکومت کی طرف سے بھی بہت کچھ کیا گیا ہے۔ لیکن ابھی ان کے لیے بہت کچھ اور کیا جانا باقی ہے۔ اس سلسلے میں بھی جنوب کے مقابلے شمالی ہندستان کا حال زیادہ خراب ہے جس کے چند صوبے یوپی، بہار، بنگال، مدھیہ پردیش اور راجستھان ہی ملکی آبادی کا نصف حصہ تشکیل دیتے ہیں۔ سب سے تکلیف دہ بات محروم طبقہ انسانیت کے تئیں خوش حال طبقے کی سردمہری ہے۔ ملک اس درجہ خوش حال نہیں ہے جیسا کہ اسے دکھایا جا رہا ہے۔ اکثر انکم میڈیا کی اطلاعات مظہر ہیں کہ ملک میں اس طبقے کی تعداد صرف ۲٪ (ڈھائی) فیصد ہے جس کو روٹی، کار اور سیلولر فون جیسی دوسری سہولیات میسر ہیں^(۳) لیکن میڈیا پر یہ ایسے چھائے رہتے ہیں جیسے کہ ملک کے کسی شہری کو ان کے لیے ترسنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ملک کی جھوٹی اور غیر حقیقی تصویر ہے۔ اصل سچائی یہ ہے کہ ملک کی بہت بڑی آبادی غیر معمولی طور پر معاشی بے اطمینانی کے دور سے گزر رہی ہے۔ آں جہانی روس سے متاثر سوشلسٹ طرز معیشت کا اس نے طویل تجربہ کیا اور اب ملٹی نیشنلس کے ذریعہ سرمایہ دارانہ طرز معیشت کو وہ آزمایا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی سے اس کا بھلا ہونے والا نہیں اور حقیقی معنوں میں اس کو اپنی نجات دہندہ تحریک کا انتظار ہے۔

لیکن معاشی ابتری صرف ہندستان اور اس جیسے ملکوں کا ہی حصہ نہیں، فرق صرف یہ ہے کہ اس کا راز طشت از بام ہے۔ ورنہ اس معاملے میں ترقی یافتہ اور پہلی دنیا کی حالت بھی بہت زیادہ قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں صرف امریکہ کا حوالہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) دی ہندستان ٹائمز نئی دہلی، ۱۶/۱۲/۱۹۹۷ء، جائزہ بہ عنوان: Over 320m Indians below Poverty Line (تیس کروڑ سے اوپر ہندوستانی خط افلاس سے نیچے)

(۲) دی ہندستان ٹائمز نئی دہلی، ۱۳/۱۲/۱۹۹۳ء، گوری سین کا مضمون: Child Labour in its most depraved form (بچہ مزدوری اپنی بدترین صورت میں)

(۳) دہلی دور درشن کے DD1 کے اسی سال کے ایک پروگرام میں اس کا تذکرہ۔ راقم نے اسے خود دیکھا۔

اس کے آئینے میں پوری ترقی یافتہ دنیا کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ واقعہ ہے کہ اس عظیم ملک کا سائنس اور ٹکنالوجی میں جو مرتبہ ہے۔ مہذب انداز میں آج یہ جس طرح پوری دنیا پر حکومت کر رہا ہے۔ جس کے دیدار کو لوگ ترستے ہیں اور جس کی سرزمین پر کچھ دن گزار لینے کو اپنے لیے فخر و مباہات کی علامت خیال کرتے ہیں۔ اس جنت ارضی کے بارے میں یہ بات بڑی مشکل سے چشم تصور میں آتی ہے کہ دنیا کا یہ سپر پاور بھی غربت و افلاس کے مسائل سے دوچار ہوگا۔ اس کے بچے اور بوڑھے بھک مری کی آفت میں مبتلا ہوں گے۔ اور اس کے نوہالوں کی ایک قابل لحاظ تعداد اپنی پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے محنت مزدوری کے لیے اپنے کو مجبور پاتی ہوگی۔ لیکن یہ بات جس قدر بھی تعجب انگیز معلوم ہو، حقیقت یہی ہے۔ اور پہلی دنیا کی اس پوری کوشش کے باوجود کہ اس کا کوئی کمزور پہلو دوسری اور تیسری دنیا کے سامنے نہ آئے، اس صورت حال سے متعلق اعداد و شمار کو منظر عام سے دور رکھنے میں اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ چنانچہ خبر ہے کہ امریکہ جس کی آبادی تازہ ترین اطلاع کے مطابق ۲۸ کروڑ سے کچھ اوپر ہے^(۱)، یہاں پر غربت و افلاس کی شرح دن پر دن بڑھ رہی ہے۔ ۱۹۹۰ میں خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرنے والے امریکیوں کی تعداد ۳ کروڑ ۳۶ لاکھ اور اس کا اوسط ۱۴/۲ فی صد تھا^(۲) جب کہ ۱۹۹۴ میں یہ تعداد بڑھ کر ۳ کروڑ ۹۳ لاکھ (۳۹.۳ ملین) تک پہنچ گئی ہے۔ اسی طرح اس کا اوسط بھی سابق سے بڑھ کر ۱۵.۱ فی صد ہو گیا ہے^(۳) اس کے بعد سے اس باب میں سپر پاور امریکہ کی خاموشی اس بات کی مظہر ہے کہ اس کے حالات دیگر گول ہیں اور وہ اپنے ہاں کی غربت اور افلاس کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا ہے۔ اس سلسلے کی دوسری معلومات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ اعداد و شمار بھی اگرچہ اوپر کے حوالہ کے آس پاس کے ہی ہیں تاہم ان سے ہوا کے رخ کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) راشنریہ سہارا دہلی ۱۹ ستمبر ۱۹۹۹ زیر عنوان: دس فی صد شہری پیداؤں امریکی نہیں۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی، ۵ ستمبر ۱۹۹۴ زیر عنوان: مفلس امریکیوں کی تعداد ۳ ۱/۴ کروڑ سے زائد مزید ملاحظہ ہو سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۱۹ فروری ۲۰۰۰ تحت عنوان: تیس لاکھ امریکی غربی کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے کے لیے مجبور ہے۔

(۳) دی نائٹس آف انڈیا، نئی دہلی، ۸ اکتوبر ۱۹۹۴ خبر پر عنوان: Poverty on the rise in the US (امریکہ میں غربت و افلاس میں روز افزوں اضافہ) خیال رہے کہ اس خبر کے مطابق خط افلاس کی در ۶۳ ۷ ۱۴ (چودہ ہزار سات سو ترستھ) امریکی ڈالر ہے۔ جس کی سالانہ آمدنی اس سے کم ہے وہ خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرتا ہے۔ ہندوستانی کرنسی میں یہ رقم فی ڈالر ۴۰ روپے کے حساب سے قریب چھ لاکھ روپے بنتی ہے۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

چنانچہ کہیں باہر کی نہیں واشنگٹن کی ہی ایک رضا کار تنظیم 'بریڈ فار دی ورلڈ' کا انکشاف ہے کہ امریکہ میں ہر دسواں آدمی بھوکا رہتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایسے افراد کی تعداد تین کروڑ ہے۔ اسی تنظیم کے سروے رپورٹ کے مطابق امریکہ میں غریب اور بے گھر افراد کی تعداد چھتا دس لاکھ ہے۔ اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو برسر روزگار ہیں لیکن ان کی آمدنی اس قدر کم ہے کہ وہ گھر کا کرایہ تک ادا نہیں کر سکتے۔ اسی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں تین کروڑ ۵۷ لاکھ افراد کم پرسی کی زندگی گزارتے ہیں^(۱) اسی سلسلے کے ایک تازہ ترین جائزے کے مطابق گزشتہ دہائی میں امریکہ کی تیس لاکھ کی بڑی آبادی غریبی کی سطح سے نیچے جا چکی ہے^(۲) اس کے ساتھ ہی دوسرے جائزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنت ارضی میں نہ بچے خوش ہیں، نہ بوڑھے۔ بچے بھک مری کا شکار ہیں تو بوڑھے قلت تغذیہ کی آفت میں گرفتار ہیں۔ یہ بھی امریکہ کی اسی تنظیم (بریڈ فار دی ورلڈ) کا ہی مطالعہ ہے۔ اسی کے مطابق امریکہ میں ۱۸ سال سے کم عمر والے لگ بھگ ایک کروڑ ۳۰ لاکھ بچے ایسے ہیں جنہیں خاطر خواہ غذا نصیب نہیں ہوتی۔ اسی مطالعہ سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ بھک مری سے نبرد آزمانی کے معاملے میں امریکہ دنیا کے تمام ملکوں میں سب سے پیچھے ہے۔ عالمی منظر نامہ میں دنیا میں ۸۰ کروڑ لوگ نقص تغذیہ سے متاثر ہیں، ان میں سے تین کروڑ امریکی ہیں۔ جس کا دوسرے لفظوں میں مطلب ہے کہ ہر نو امریکی شہریوں میں سے ایک نقص تغذیہ کا شکار ہے۔ یہ مطالعہ بتاتا ہے کہ ۱۸ سال سے کم عمر کے ۲۱ فی صد امریکی نقص تغذیہ سے متاثر ہیں جب کہ سوئڈن، فن لینڈ، سویڈر لینڈ اور ڈنمارک میں یہ شرح تین فی صد ہے^(۳) یہ تو رہا بچوں اور نوجوانوں کا معاملہ، بوڑھوں کا حال ان سے مختلف نہیں ہے۔ کاغذ پر تو امریکہ میں یہ قانون موجود ہے کہ ۶۰ سال سے اوپر کے کسی شخص کو حکومت کی طرف سے کھانا مفت فراہم کیا جائے گا۔ لیکن اسی ملک کے مقتدر اخبار 'وال اسٹریٹ جرنل' کا کہنا ہے کہ امریکہ کے عمر رسیدوں میں بھک مری اور قلت تغذیہ کی صورت حال دن بہ دن بد سے بدتر ہوتی

(۱) قومی آوازیں دہلی، ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۲ زیر عنوان: امریکہ میں غربت..... آدمی بھوکا رہتا ہے۔

(۲) راشٹریہ سہارا دہلی ۳ فروری ۲۰۰۰ زیر عنوان: ۳۰ لاکھ امریکی غریبی کی سطح سے نیچے زندگی گزارنے کے لیے مجبور۔

(۳) قومی آوازیں دہلی، ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۳، جائزہ بہ عنوان: بچوں میں بھک مری ختم کرنے کی کوششوں میں امریکہ

سب سے پیچھے۔

جاری ہے۔ اسی طرح اس ملک کی ایک غیر سرکاری تنظیم (Urban Institute) شہری ادارے کا کہنا ہے کہ ایک مطالعہ کے مطابق کم وبیش ۴۹ لاکھ (۴.۹ ملین) عمر رسیدہ لوگ، جو کل امریکی آبادی کا قریب سولہ فی صد بنتے ہیں، یہ یا تو بھک مری میں مبتلا ہیں یا کسی نہ کسی حد تک قلت تغذیہ کا شکار ہیں^(۱) جب کسی ملک کی معاشی ابتری اس درجہ کی ہو تو اس کو بچہ مزدوری کی لعنت سے بچایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ اپنے مورث اعلیٰ برطانیہ کی طرح امریکہ میں بھی یہ لعنت اسی طرح موجود ہے۔ فلاح اطفال کی سب سے معتبر عالمی تنظیم (یونیسف) کی اطلاع کے مطابق برطانیہ میں گیارہ سال کی عمر کے بچوں میں ۱۵ سے ۲۶ فی صد کے درمیان اگر کام کرنے کے لیے مجبور ہیں، جب کہ ۱۵ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ان کا اوسط ۳۶ سے ۶۶ کے درمیان ہو جاتا ہے، تو امریکہ میں یہ وبا اس سے کم درجے میں نہیں ہے۔ یہاں بھی بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد زراعت اور کپڑے کی صنعت میں کام پر لگ رہی ہے۔ یہ الگ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق نسلی اقلیتوں اور مہاجر طبقے سے ہوتا ہے^(۲) ایک جائزے کے مطابق اس وقت امریکہ میں ایسے بچوں کی تعداد تقریباً تین لاکھ ہے جن میں ساٹھ ہزار بچے ۱۴ سال سے کم عمر کے ہیں۔ دریاں حالے کہ امریکی کانگریس آج سے ۵۹ سال پہلے بچہ مزدوری کو غیر قانونی قرار دے چکی ہے^(۳) ایسی ہی ایک دوسری اطلاع کے مطابق امریکہ میں ۱۰ لاکھ سے زائد بچے بے گھر ہیں اور یہ در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے مجبور ہیں^(۴)۔

امریکہ اور برطانیہ کی طرح غربت اور بے روزگاری میں فرانس کا حال بھی ان سے مختلف نہیں ہے۔ چنانچہ تازہ ترین اطلاع کے مطابق یورپ کے خوش حال ترین ملک فرانس میں

(۱) (دی ٹائمز آف انڈیا، نئی دہلی، ۱۰ نومبر ۱۹۹۴ زیر عنوان: Malnutrition increase among US elderly) (امریکی عمر رسیدہوں میں قلت تغذیہ روز افزوں)

(۲) (دی ٹائمز آف انڈیا، نئی دہلی، ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۶ جناب رمیش سہگل (Ramesh Sehgal) کا مضمون 'Child Labour on the Increase Worldwide') (دنیا بھر میں دن پردن بڑھتی بچہ مزدوری)

(۳) قومی آواز نئی دہلی، ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ زیر عنوان 'بچہ مزدوری کی وبا امریکہ میں بھی نیز ملاحظہ کیجیے: انگریزی روزنامہ

'دی ہندوستان ٹائمز' نئی دہلی، ۱۴ دسمبر ۱۹۹۷، خبر بہ عنوان: 'Secret World of America's Child'

Lavour (امریکی مزدور بچوں کی پراسرار دنیا)

(۴) اردو روزنامہ راشر یہ سہارا، نئی دہلی، ۳ جولائی ۱۹۹۹ زیر عنوان: 'امریکہ میں ۱۰ لاکھ بچے بے گھر'۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

اس وقت بے روزگاروں کی تعداد ۲۹ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ حال ہی میں اس ملک کے محکمہ ڈاک کے لیے تین ہزار اسامیوں کا اعلان کیا گیا تو ۸۰ ہزار افراد ان ملازمتوں کے خواہش مند نکلے۔ یعنی کہ ہر اسامی کے لیے تقریباً پچیس امیدوار^(۱) جب یورپ کے اس خوش حال ترین ملک کا یہ حال ہے تو اس سے کمتر اور کم خوش حال ملکوں کا حال معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ بھی پہلی دنیا کا حال ہے۔ تو جب پہلی دنیا کا یہ حال ہے تو دوسری اور تیسری دنیا کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کے سب سے بڑے نمائندے ہمارے وطن عزیز کا حال اس سے پہلے آچکا ہے۔ لیکن اس عنوان کو ختم کرنے سے پہلے آں جہانی سوویت اور اس وقت کے روس کے احوال پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے۔ معاشی حیثیت کے لحاظ سے تو اس کا تعلق دوسری دنیا سے ہے لیکن سپر پاور کی حیثیت سے ابھی اس کی حیثیت بالکل ختم نہیں ہوئی ہے۔ دوسرے پہلو سے بھی اس پر اس حیثیت سے خصوصی نظر ڈالنی لازم ہے کہ اپنے خیال کے مطابق ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے نتیجے میں یہ ملک دنیا بھر کے غریبوں اور محروموں کے لیے بطور جنت کے ابھرا تھا۔ جس کی پناہ میں پہنچ کر نہ کسی کے لیے بھوک کا خطرہ تھا، نہ کسی کو کپڑے اور مکان جیسی ضروریات کے لیے ترسنے کی ضرورت تھی۔ لیکن 'دیکھو مجھے جو دیدہٴ عبرت نگاہ ہو' کے مصداق کمزوروں اور محروموں کی اس جنت کا حال آج دگرگوں ہے۔ عظیم سوویت، اس کے اس جانشین ملک میں اس وقت مفلسی اور بے روزگاری کے ساتھ جرائم اور خودکشی کے واقعات میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے^(۲) اقوام متحدہ کی اسی رپورٹ کے مطابق روس میں ۵۹ لاکھ اور یوکرین میں ۲۹ لاکھ اور باقی دوسرے سابق کمیونسٹ ملکوں میں مجموعی طور پر ۹۷ لاکھ مرد لاپتہ ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ ضرورت ہونے کے باوجود شادیاں کرنے سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو شادی شدہ ہیں وہ کم بچے پیدا کر رہے ہیں۔ ۱۹۸۸ء میں جن لوگوں کی آمدنی چار ڈالر تھی ان کی تعداد کل آبادی کی چار فی صد تھی لیکن ۱۹۹۳ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۳۲ فی صد ہو گئی ہے۔ جرائم کے ساتھ ان ملکوں میں مہلک بیماریوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ روس اور یوکرین کے ساتھ سابق کمیونسٹ ملکوں بلغاریہ، رومانیہ، استونیا، لیتھوانیا اور بیلاروس وغیرہ میں شرح اموات میں بھی بہت

(۱) دیکھیے: ہفت روزہ فراینڈ آف انڈیا کراچی ۷ تا ۱۳ مئی ۱۹۹۹ء۔

(۲) راشٹر سہارا دہلی، ۳ اگست ۱۹۹۹ء، زیر عنوان: روس میں مفلسی، بے روزگاری، جرائم اور خودکشی کے واقعات میں اضافہ۔

زیادہ اضافہ ہو رہا ہے۔ حالات سے مایوس ہو کر لوگ بڑے پیمانے پر شراب نوشی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور طرح طرح کے امراض کی زد میں ہیں^(۱) اس کے ساتھ ہی ملک کی راجدھانی ماسکو کی سڑکیں لاوارث اور بے گھر بچوں سے بھری پڑی ہیں۔ جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ روس کے علاوہ ان کی اکثریت سابق سوویت ریاستوں سے آئے مہاجرین پر مشتمل ہے جن کا آج کے بدلے حالات میں ان ملکوں میں رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایسے مہاجروں کی تعداد دس لاکھ سے اوپر ہے جو ماسکو میں غیر قانونی طور پر ڈیرہ جمائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس شہر میں اس وقت چھ لاکھ بچے والدین کی نگہداشت سے محروم ہیں۔ جب کہ ایک لاکھ وہ ہیں جو خاندان کی طرف سے لاوارث چھوڑ دئے گئے ہیں۔ مزید براں روس کے دو ہزار یتیم خانے جن میں دو لاکھ بچے رہتے ہیں، ان یتیم خانوں کی حالت بھی انتہائی خستہ اور ان کا ماحول بد سے بدتر ہے^(۲) افلاس کی مار کھائے اس ملک میں خاندان کو چھوٹے سے چھوٹا رکھنے کی غرض سے جو لوگوں کے اندر مانع حمل ادویہ کو خریدنے کی سکت نہیں ہے تو سستے نسخے کے طور پر وہ زیادہ سے زیادہ اسقاط حمل کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ صرف ۱۹۹۲ میں ایک سال میں اس مقصد سے ۲۹ لاکھ روسی عورتوں نے اسقاط عمل کرایا^(۳)

آخر میں ایک نظر عمومی عالمی منظر نامے پر ڈالنی چاہیے۔ عالمی بینک کی تازہ رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۵ تک پوری دنیا میں غریبوں کی آبادی ایک ارب نوے کروڑ ہو جائے گی^(۴) صرف یتیم بچوں کی تعداد ۲۰۰۰ تک ڈھائی کروڑ ہو جانے کا خدشہ ہے^(۵) جب کہ اس وقت پوری دنیا میں زائد اڑس کروڑ بچے ہیں جو ہر خطر مزدوری کے لیے مجبور ہیں^(۶)

(۱) راشنریہ سہارا دہلی، ۳ اگست ۱۹۹۹، زیر عنوان: روس میں مفلسی، بے روزگاری، جرائم اور خودکشی کے واقعات میں اضافہ۔

(۲) دی ہندوستان ٹائمز نئی دہلی ۲ ستمبر ۱۹۹۹، بہ عنوان: (Abandoned Kids throng Moscow Streets)

ماسکو کی گلیوں میں لاوارث بچوں کی بہتات۔

(۳) ہندی روزنامہ نو بھارت ٹائمز نئی دہلی، ۲۸ اگست ۱۹۹۳، زیر عنوان: (आर्थिक तंगी के कारण रुस में)

छोटे परिवार (معاشرتی تنگی کی وجہ سے روس میں چھوٹے خاندانوں کا چلنا)

(۴) راشنریہ سہارا دہلی، ۱۷ ستمبر ۱۹۹۹، زیر عنوان: '۲۰۱۵ تک غریبوں کی تعداد ایک ارب نوے کروڑ'۔

(۵) راشنریہ سہارا دہلی، ۲۴ جولائی ۱۹۹۹، بہ عنوان: '۲۰۰۰ تک یتیم بچوں کی تعداد ڈھائی کروڑ ہونے کا خدشہ'۔

(۶) قومی آواز نئی دہلی، ۵ اپریل ۱۹۹۶، زیر عنوان: 'دنیا بھر میں دس کروڑ منٹ کش بچوں کی حالت غلاموں جیسی'۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

جب کہ دوسرے جائزے میں یہ تعداد بیس کروڑ بتائی گئی ہے^(۱) اسی طرح خوراک کے ساتھ صحت کا یہ حال ہے کہ اس وقت ایک تہائی دنیا تپ دق میں مبتلا ہے^(۲) اور ناکافی اور ناقص غذا کے باعث سالانہ ۶۰ (ساٹھ) لاکھ بچے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں^(۳) دراصل حالانکہ علاج کی مناسب سہولت کی کمی سے ہر سال $\frac{1}{4}$ کروڑ بچے موت کا شکار ہو جاتے ہیں^(۴) اس سے ایک سال پہلے کی اطلاع کے بموجب صرف ترقی پذیر ملکوں میں ۵ سال سے کم عمر کے تقریباً ۱۵ کروڑ پچاس لاکھ بچے انتہائی غربی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ جوان بچوں کی کل تعداد کا تقریباً ۴۵ فی صد ہے۔ ان میں سے چار کروڑ بچے شہروں میں اور ۱۱ کروڑ ۵۰ لاکھ بچے دیہات میں زندگی گزارتے ہیں۔ مزید ایک کروڑ ۴۰ لاکھ بچے ہر سال ترقی پذیر ملکوں میں وفات پا جاتے ہیں^(۵) اعداد و شمار کی اس کہانی کو ہم مزید طویل دینا نہیں چاہتے۔ لیکن دنیا کی اس ابتر معاشی صورت حال کو دیکھ کر کون نہیں کہے گا کہ آج اسے اسی دائرہ میں بھی ایک نجات دہندہ تحریک کی ضرورت ہے۔ سرمایہ داری اور کمیونزم دونوں انسان کو معاشی اطمینان اور خوش حالی عطا کرنے میں ناکام ہیں کوئی تیسرا نظام زندگی ہی آج دکھی انسانیت کو اس پہلو سے آسودگی اور خوش حالی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

زبوں حال سیاست

عقیدے، اخلاق، نفسیات، معاشرت اور معیشت کی طرح معاصر دنیا کی سیاست بھی زبوں حال ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آج کی دنیا نے تاریخ اور تجربہ پر مبنی اپنے علم کی بدولت زندگی کے دوسرے دائروں کی طرح سیاسیات میں بھی کافی ترقی کی ہے۔ اور اس ترقی کا عامۃ الناس کو کافی فائدہ بھی پہنچا ہے۔ خاندانی بادشاہتوں اور فوجی آمریتوں کے بجائے آج کا دور عوامی جمہوریت کا دور ہے۔ اسی طرح آج سامراج اور استعماریت (Colonialism) کا بھی اصولی طور پر دنیا

(۱) قومی آواز نئی دہلی، یکم اکتوبر ۱۹۹۴ء۔ رپورٹ امریکی محکمہ محنت بہ عنوان دنیا میں محنت کش بچوں کی تعداد بیس کروڑ۔

(۲) سہ روزہ دعوت نئی دہلی، ۲۴ ستمبر ۹۹ء خبر بہ عنوان ایک تہائی دنیا تپ دق میں مبتلا۔

(۳) سہ روزہ دعوت نئی دہلی، ۲۴ جون ۱۹۹۸ء یونیسف کی رپورٹ زیر عنوان ناقص غذا سالانہ ۶۰ لاکھ بچے نکل جاتی ہے۔

(۴) قومی آواز نئی دہلی، ۱۳ اپریل ۱۹۹۰ء۔ بہ عنوان ہر سال $\frac{1}{4}$ کروڑ بچے قابل علاج بیماریوں سے فوت ہو جاتے ہیں۔

(۵) قومی آواز نئی دہلی ۲۱ اگست ۱۹۸۹ء زیر عنوان: ترقی پذیر ممالک میں $\frac{1}{4}$ ۱۵ کروڑ بچے انتہائی مفلس۔

سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ جس میں درجہ بہ درجہ انسانیت کے ایک طبقہ کی دوسرے طبقہ پر حکمرانی قائم تھی۔ اس نظام سے وابستہ کسی ملک کے لیے صرف اس قدر کافی تھا کہ وہ اصل حکمران ملک (Mother Country) سے اپنی وفاداری کا دم بھرتا رہے۔ اس کے بعد اپنے ملکی عوام جس قدر بھی مظالم اور نا انصافیوں کو وہ روار کھے اس پر اس کو ذرا بھی ہچکنے اور تردد ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کی سب سے نمایاں مثال خود ہمارا عزیز ملک ہندستان ہے۔ جو عملاً دو سو سال کے طویل عرصہ تک برطانیہ عظمیٰ کی نوآبادی رہا۔ نامراد دور جاگیرداری اور زمین داری اس ملک کی اسی حصہ تاریخ کی یادگار ہے۔ جس کے تحت ملکی عوام کی عظیم ترین اکثریت کو ناقابل بیان تکلیفوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ملک کے حکمران جو درجہ بدرجہ تاج برطانیہ کے وفادار تھے سوائے انھیں اپنے حصے کا خراج ادا کرنے کے بعد کسی اور کے سامنے جواب دہی کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ آج اسی دور ظلمت کا قائم مقام ہو کر ہندستان سمیت دنیا کے بڑے حصے پر جمہوری اور عوامی حکومتوں کا دور دورہ ہے۔ ترقی یافتہ یورپ کے علاوہ اس کا سب سے بڑا چمپین عظیم امریکہ ہے، جس نے نہ صرف اپنے زیر انتظام بہت بڑے خطہ ارضی پر اس جمہوریت کو نافذ کر رکھا ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس حوالہ سے وہ پوری دنیا کا پہرے دار اور نگران ہے۔ شخصی اور فوجی حکومتیں اس کو ناپسند ہیں۔ اور پوری دنیا میں اصولی عوامی جمہوریتوں کے قیام میں وہ پورا زور لگاتا اور اپنے تمام اثر و رسوخ کو استعمال کرتا ہے۔ اسی مقصد سے اس کے زیر سرپرستی اقوام متحدہ کا ادارہ قائم ہے جس کا وہ میزبان ہے اور جس کے امور و مسائل میں وہ سب سے آگے بڑھ کر دلچسپی لیتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سیاست و حکمرانی کے دائرے میں دنیا اس وقت ترقی اور اقبال مندی کے جس مقام پر فائز ہے پوری انسانی تاریخ میں شاید اس کو یہ ترقی اور اقبال مندی اس سے پہلے نصیب نہیں ہوئی۔ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک ہر جگہ حقوق انسانی کا دور دورہ ہے۔ عورت، بچے، بوڑھے، جوان ہر ایک کے حقوق کے لیے الگ الگ سال منائے جاتے ہیں۔ ضعیفوں، کمزوروں اور معذوروں کے لیے الگ سے دنیا بے چین ہے۔ غرض کہ ہر طرف سکھ ہی سکھ ہے، بے چینی اور بے اطمینانی کے لیے کہیں کوئی جگہ نہیں ہے۔

لیکن معاصر دنیا کی یہ میک اپ لگی تصویر ہے۔ اس کا حقیقی چہرہ اس سے مختلف ہے۔ اور زندگی کے دوسرے تمام دائروں کی طرح اس کی سیاست کی دنیا بھی محرومیوں سے پر ہے اور

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

اندھیروں پر اندھیرے ہیں جن کی گرداب میں وہ پھنسی ہوئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تاریخ اور تجربے پر مبنی اپنے علم کے ذریعہ آج کی دنیا نے سیاسیات کے میدان میں کافی ترقی کر لی ہے، جس کی ایک جھلک ابھی پیش کی گئی ہے۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ معاصر دنیا مذہب کی موثر رہنمائی سے محروم ہے۔ اور انسانی زندگی کے مسائل کے حل کے لیے تنہا عقل کی رہنمائی کافی نہیں ہے۔ اور کسی مقام پر عقل کا تیر نشانے پر پہنچ بھی جائے تو آدمی جذباتیت اور دل کو کہاں لے جائے جو اکثر و بیشتر مجرد عقل پر حاوی ہو جاتے اور اس کے فیصلے پر عمل درآمد سے انسان روکنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ ترقی یافتہ یورپ اور نئے عالمی نظام کے علمبردار امریکہ کی روایتی طور پر عیسائیت سے وابستگی ضرور ہے۔ لیکن تاریخی طور پر اس کا دائرہ انسان کی نجی اور انفرادی زندگی تک محدود ہے۔ سیاسیات و اجتماعیات کے معاملات اس کے دائرہ کار سے خارج ہیں^(۱) اور اس حوالہ سے یورپ اور امریکہ مذہب کے حوالہ سے اپنے اس تاریخی مفروضے کے آج پوری طرح پابند ہیں۔ جس کے نتیجے میں ایک طرف ان کی عقل عیار کو مسائل کے من مانے تجزیے اور تحلیل کی آزادی ہے۔ اور اگر کہیں یہ عقل رسا بھی قرار پاتی ہے تو ہوائے نفس اس کے آڑے آتی اور اسے اپنا کام کرنے سے باز رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ روسی بلاک اور دوسرے ممالک نے خدا کا انکار کر کے اپنی راہ پہلے ہی مار لی تھی۔ ہندستان جیسے تاریخی ورثے کی حیثیت سے مذہب کے قدر داں ضرور ہیں۔ لیکن علی رؤس الاشهاد ان کی سیاست سیکولر سیاست اور مذہب کی گرفت سے آزاد ہے۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو آج پوری دنیا کی سیاست عملاً بے خدا سیاست ہے۔ اور اس بے قدر سیاست سے اس کا حال حالِ زار ہے۔ انہما کے علمبردار ہمارے عزیز وطن میں آزادی کے بعد صرف پچاس سال کے عرصے میں صرف فرقہ وارانہ فسادات میں دو لاکھ سے اوپر لوگ مارے جا چکے ہیں^(۲) عمومی منظر نامے میں اس کے بہت سے خطے عملاً خانہ جنگی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اور سیاسی امن و امان کے پہلو سے اس ملک کا مستقبل تاریک سے تاریک دکھائی

(۱) اس کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب مذہب کا اسلامی تصور کا باب اول مطبوعہ ادارہ تحقیق، علی گڑھ۔

(۲) آزادی کے بعد ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات پر مارے جانے والے صرف مسلمانوں کا اندازہ آٹھ لاکھ سے لے کر کم سے کم دو لاکھ سے اوپر کا ہے۔ جس میں ساتھ ہی ان کو بچیس ارب روپے کے مالی نقصانات ہوئے۔ ایک حوالہ کے لیے سہ روزہ دعوتِ نئی دہلی یکم اکتوبر ۱۹۹۳ء زیر عنوان: مسلمانوں کے مسائل پر غور کرنے کے لیے ایک کنونشن کا انعقاد۔

دیتا ہے۔ اس صورت حال میں ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی تو اس کا جواز ضرور فراہم کرتی ہے کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ اور سیاست کی دنیا میں اس ملک کو کسی نجات دہندہ تحریک کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن انصاف پسند اور حالات کا دیانت دارانہ تجزیہ کرنے والے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کے بغیر ان کو اس ملک کا وجود خطرے میں دکھائی دیتا ہے۔

سیاست کے عالمی منظر نامے کا حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ یک قطبی دنیا کا سپر پاور امریکہ پوری دنیا کو عملاً اپنی نوآبادی میں تبدیل کرنا چاہتا ہے، اور برطانیہ اور فرانس جیسے یورپ کے ترقی یافتہ ممالک اس مشن میں اس کے ساتھ مشابہ الشبہات ہیں۔ تنظیم اقوام متحدہ عملاً سپر پاور امریکہ کی داشتہ ہے جس کو وہ جس طرح چاہے حسب منشا استعمال کرنے کا لائسنس رکھتا ہے۔ چنانچہ اپنے تازہ ترین بیان میں صدر امریکہ جناب بل کلنٹن نے صاف لفظوں میں اس کا اعلان بھی کر دیا ہے کہ امریکہ اور اس کے حلیف ملکوں کے لیے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے دنیا کے کسی خطے میں مداخلت کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے^(۱) اس کے نتیجے میں سپر پاور امریکہ دم تو جمہوریت اور انسانی حقوق کا بھرتا ہے۔ لیکن جہاں اس کے مفادات کا تقاضا ہوتا ہے وہ جمہوری تحریکوں کا گلابا کر قومی آمریتوں کی پشت پناہی کرتا ہے۔ الجزائر اور ترکی اس کی تازہ مثالیں ہیں۔ اصولی طور پر خاندانی بادشاہوں کے لیے اس کے نظام میں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اپنی تیل کی ضرورت سے وہ عرب بادشاہتوں کا سب میں بڑھ کر محافظ ہے۔ کویت اور عراق کی لڑائی کے بہانے سے عراق پر اس نے مظالم کے جو پہاڑ توڑے اس سے ہٹ کر آج دس سال کے عرصہ میں اس کی عائد کردہ پابندیوں کے نتیجے میں ایک اندازے کے مطابق دس لاکھ عراقی باشندے لقمہ اجل بن چکے ہیں^(۲) قانون و انصاف کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے ہی ملک کے ایک خطے پر عراق کو اپنے ہوائی جہاز اڑانے کی اجازت نہیں۔ اور اس خطے کی حفاظت کے حیلے وہ آج تک لگا تار اس چھوٹے سے ملک کو اپنے ہوائی حملے کا نشانہ بنائے ہوئے ہے۔ جس میں لگا تار عراقی عوام موت کا لقمہ بن رہے ہیں۔

(۱) راشٹر یہ سہارا دہلی، ۲۳ ستمبر ۱۹۹۹ء خبریہ عنوان: 'کسی ملک میں مداخلت کے لیے اقوام متحدہ کی اجازت ضروری نہیں۔'

(۲) راشٹر یہ سہارا دہلی، ۲۳ ستمبر ۱۹۹۹ء یا محمود دہلی کا مراسلہ زیر عنوان: 'دس لاکھ عراقی لقمہ اجل۔'

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

جمہوریت اور انسانی حقوق کا دوسرا سب سے بڑا علمبردار برطانیہ اس مقدس مشن میں امریکہ کا حلیف ہے۔ بوسنیا کے معاملے میں سپر پاور امریکہ کی نیند اس وقت کھلی جب کہ سرب درندوں کے ہاتھوں وہاں ہزاروں مسلمان تہ تیغ کیے جا چکے اور بیس ہزار مسلمان خواتین کی عصمت دری کی جا چکی تھی (۱) کو سو کے تازہ معاملہ میں اپنے حریف روس کے حلیف یوگوسلاویہ کو زک دے کر بالواسطہ اپنے حریف کو ذلیل کرنے کے مقصد شاید اس کو جلد ہوش آیا اور اس کی مہم میں بھی اس کی بحالی امن کا اندازہ بالکل نرالا رہا کہ یوگوسلاویہ کی فوج کو تو شاید برائے نام ہی نقصان پہنچا، اس کے تجارتی اور صنعتی مراکز کے ساتھ امریکہ اور اس کے حلیف ملکوں کی بمباری سے اصلاً یوگوسلاوی اور کوسوی عوام موت کی نیند سونے کے لیے مجبور ہوئے۔ اس بلقانوی ریاست میں امن کی بحالی کے لیے ایک اندازے کے مطابق صرف دو ہزار امریکی فوجی کافی تھے جو میدانی جنگ کی صورت میں جارج سربوں کو آسانی کے ساتھ لگام دے سکتے تھے۔ لیکن خلیج کے تجربہ کے بعد امریکہ اب مزید کہیں پرانی جنگ لڑ کر اپنے معزز فوجیوں کی موت کا صدمہ سہنے کو تیار نہیں۔ اس لیے اپنے خیال کے مطابق بحالی امن کی ایسی تمام کوششوں میں وہ زمینی جنگ کے بجائے تمام تر فضائی اور مہر اکی جنگی کارروائی پر انحصار کرنا چاہتا ہے چاہے اس کے نتیجے میں بے گناہ افراد کی کتنی ہی بڑی مہالقمہ اجل کیوں نہ ہو جائے۔ جنگ اصلاً حکومت اور حکومت کے درمیان ہونی چاہیے۔ اور آج کے تیار فوج کے زمانہ میں اسے فوج اور فوج کے دائرے تک محدود رہنا چاہیے۔ لیکن یہ سپر پاور امریکہ کا معاملہ ہے اس کے لیے سب جائز ہے۔ قاعدے اور ضابطے غریب اور کمزور ملکوں کے لیے ہیں۔ امریکہ کے لیے سب کچھ روا ہے۔ وہ اپنی ایک مکھی کے بدلے دوسرے ملک کے ہزار ہاتھیوں کو مار سکتا ہے۔ اور کسی کو اس کے اس طرز عمل پر لب کشائی کا حق نہیں ہے۔ غریب ملک افغانستان پر اپنی حالیہ یورش میں سپر پاور امریکہ نے فضائی تباہ کاری کا جو نیا تجربہ کیا ہے، بعض پہلوؤں سے اس نے اس کے پچھلے تمام رکارڈوں کو مات کر دیا ہے۔

(۱) ملاحظہ ہو قومی آواز نئی دہلی ۱۷ مارچ ۱۹۹۷ء زیر عنوان: بوسنیا میں ۲۰ ہزار مسلم لڑکیوں کو دشمن کا پید ا کرنے کے لیے زبردستی حاملہ کیا گیا۔ نیز قومی آواز نئی دہلی ۲۲ مارچ ۱۹۹۳ء تحریر یہ عنوان: 'یہ مظلوم عورتیں' بحوالہ ٹائم میگزین لندن۔

معاصر دنیا کی زبوں حال سیاست کا ایک نادر مظاہرہ یہ بھی ہے کہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور چین جیسے چیدہ ملکوں کو اقوام متحدہ میں ویٹو کا اختیار حاصل ہے۔ جس میں حق و انصاف کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان بڑی طاقتوں کو صحیح سے صحیح بات کو بھی بے اثر اور کالعدم کر دینے کا اختیار حاصل ہے۔

عالمی منظر نامے میں سیاست کی اس صورت حال کو دیکھ کر کون نہیں کہے گا کہ اسے پابند حدود بنانے کی ضرورت ہے۔ معیشت اور معاشرت کی طرح یہاں بھی سب کچھ ٹھیک ٹھاک نہیں ہے۔ معاصر دنیا کی سیاست ایک محروم سیاست ہے۔ یہ بے لگام اور بے مرکز ہے۔ ایک ہمہ گیر نجات دہندہ تحریک کے بغیر اس کے دکھوں کا درماں نہیں ہو سکتا۔ معاصر دنیا میں اس تحریک کو جڑ پکڑنے کا موقع ملے تبھی خود غرضانہ اور موقع پرستانہ سیاست کی مار کھائی دنیا آج امن اور سکون کا سانس لے سکتی ہے۔ ملکی سطح پر سیاست کی تجریم کاری (Criminalisation of Politics) ایک سنگین مسئلہ۔ سیاست میں جرائم پیشہ افراد کا دخل دن بدن بڑھ رہا ہے، یوپی اور بہار کی اسمبلیاں ہی نہیں، ملک کے سب سے بڑے قانون ساز ادارے پارلیمنٹ میں بھی ایسے افراد کی قابل لحاظ تعداد موجود ہے (۱)

(۱) نامور صحافی جناب کلڈیپ نیر کے مطابق ۱۹۹۶ کی پارلیمنٹ میں اس کے پچاسی ایسے ممبران جن کے اوپر قتل یا زنا کاری کا الزام ہے۔ اس ایوان میں پولیس کا رکارڈ رکھنے والے ممبروں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ۔ ہندی روزنامہ نو بھارت ٹائمس نئی دہلی ۲۷ جون ۱۹۹۶ء پر عنوان ہدھیا نے 20 سال کے लिए सत्ता हथियाने इगर्जेंसी की साजिश (۱) ایمر جنسی بیس سال کے لیے اقتدار پر قبضہ جمائے رکھنے کی ایک سازش تھی) اسی اخبار کی ۲۲ جولائی ۱۹۹۶ء کی رپورٹ کے مطابق اس وقت کی لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے دونوں ایوانوں میں ایسے ممبروں کی تعداد سو کے آس پاس جن کے اوپر الگ الگ دفعات کے تحت معاملات درج ہیں۔ اسی خبر میں چیف انکیشن کمشنر کا یہ بیان بھی درج ہے کہ اتر پردیش کے کل 425 ممبران اسمبلی میں سے 180 کے خلاف معاملات درج تھے۔ جب کہ بہار اسمبلی کے انتخاب کے دوران 1243 امیدواروں کے خلاف معاملات التواء میں تھے۔ زیر عنوان: राजनीति के अपराधीकरण के विरुद्ध अब सभी खा मोश (سیاست کی تجریم کاری کے خلاف اب سبھی خاموش)۔

جنگی جنون

معاصر دنیا کی منافقت اور دوہری پالیسی کا ایک یہ بھی مظہر ہے کہ آج امن کا ذکر بہت کیا جاتا ہے۔ ہر طاقت ور ملک یہی راگ الاپ رہا ہے کہ اسے بس امن سے پیار ہے۔ جنگ سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن یہ محض دکھاوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اس وقت انتہائی شدید قسم کے جنگی جنون میں مبتلا ہے۔ پہلی دنیا کے مال دار ممالک تو جنگی اسلحوں سے مالا مال ہیں ہی اور دنیا میں یہی ان کے سب سے بڑے تاجر ہیں^(۱) ان کی دیکھا دیکھی تیسری دنیا کے غریب ممالک بھی اسی دوڑ میں اپنے کو ان سے پیچھے رکھنا نہیں چاہتے۔ معاصر دنیا کے غربت و افلاس کا جو حال ہے اس کا نقشہ اس سے پہلے کھینچنا جاچکا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کے وسائل اپنے اپنے ملکی عوام کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا جاتا اور ان کو غربت، بھوک اور بیماری سے نجات دلائی جاتی۔ ان کو کھانے کے لیے روٹی، پہننے کے لیے کپڑا اور سر کے اوپر ایک چھت فراہم کی جاتی۔ ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جاتا اور جانوروں کی صف سے نکال کر ان کو انسانیت کے دائرے میں لایا جاتا۔ لیکن افسوس صد افسوس ہے کہ اپنے عوام کی ان بنیادی ضرورتوں کو نظر انداز ترقی یافتہ اور ترقی پذیر سبھی ممالک اپنے وسائل کا ایک بہت بڑا حصہ ان اسلحوں کی تیاری پر صرف کر رہے ہیں جن کو استعمال کرنے کا شاید ہی کبھی نوبت آئے۔ جیسا کہ وہ پہلے سے جن کے پاس ہیں وہ وقت پڑنے پر بھی انھیں استعمال کرنے کی ہمت نہیں جٹاپائے ہیں^(۲) ایسا لگتا ہے کہ جیسے

(۱) خیال رہے کہ معاصر دنیا میں روس اور ابھرتے ہوئے کوریا کے علاوہ اسلحہ کے سب سے بڑے تاجر پہلی دنیا کے یہی ممالک امریکہ، برطانیہ اور فرانس ہیں۔ ہمارے عزیز ملک کو چھوٹے اسلحوں کا سب سے بڑا برآمد کنندہ برطانیہ ہے۔ ملاحظہ ہو دی ہندستان ٹائمز نئی دہلی ۲۰ مئی ۱۹۹۸ زیر عنوان: UK top exporter of small arms to India: (برطانیہ ہندستان کو چھوٹے اسلحوں کا سب سے بڑا برآمد کنندہ)۔

(۲) آں جہانی سوویت روس کی مثال جو عظیم جوہری طاقت ہونے کے باوجود اپنے ہی مختلف حصوں کو اپنے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھتا رہا۔ لیکن اپنا ایک میزائل اور ایک بم بھی اپنے کسی کے خلاف استعمال نہ کر سکا۔

افراد کی طرح مختلف قوموں کے لیے یہ اسلئے بھی ایک طرح حیثیت کی علامت اور شان و شوکت کے اظہار کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ ملکی دفاع کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ لیکن عقل سلیم ہو تو اس کے لیے ضابطہ اخلاق وضع کیا جاسکتا ہے۔ جنگ ہو لیکن حکومتوں کی حکومتوں سے اور فوج کا صرف فوج سے ٹکراؤ ہو۔ بے قصور اور بے گناہ اور غیر متعلق عوام کو اس کے بہانے سے موت کی نیند سلانا آج کی مہذب دنیا کا ہی وطیرہ ہو سکتا ہے۔ اب تک کی کم ترقی یافتہ دنیا کا رکارڈ اس معاملے میں آج کی ترقی یافتہ دنیا سے بہتر ہے۔ جب کہ اس وقت صورت یہ ہے کہ روس کے زوال سے دنیا سے سرد جنگ کا بظاہر خاتمہ ضرور ہو گیا ہے۔ لیکن آثار صاف دکھائی دیتے ہیں کہ معاصر دنیا بڑی تیزی کے ساتھ تیسری عالم گیر جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ پہلی اور دوسری عظیم جنگ کی تباہی سے ابھی یہ پوری طرح ابر بھی نہیں پائی ہے۔ ایسی کسی تیسری جنگ سے اس کا کیا نقشہ بنے گا۔ اس کے تصور سے ہی آدمی کے روٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اللہ کی پناہ مانگنے لگتا ہے۔ موجودہ روس کی طرف سے اس وقت چیچنیا اور داغستان پر جس طرح بے رحمانہ بمباری ہو رہی ہے، یہ بھی معاصر دنیا کے جنگی جنون کا ایک مظہر ہے۔

جنگی جنون کی یہ صورت حال بھی اس کی مقتضی ہے کہ آج کی دنیا میں ایک عالم گیر نجات دہندہ تحریک کو فروغ ملے۔ جو صرف الفاظ سے نہیں، عملی طور پر اس شورش زدہ دنیا کو امن و امان سے مالا مال کر دے۔ اسلام، ایک ایسی ہی نجات دہندہ تحریک ہے جس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ کتاب کے آنے والے باب میں پیش کریں گے۔ اس وقت تو صرف مختلف پہلوؤں سے اس تحریک کی ضرورت کا احساس کرایا جا رہا ہے۔

ماحولیات کے مسائل

معاصر دنیا کے حوالہ سے فکر مندی کا ایک بڑا موضوع ماحولیات بھی ہے۔ قرآن کے اعلان کہ 'لوگوں کی اپنی ہی کمائی سے خشکی اور تری ہر ایک سے فساد پھوٹا پڑ رہا ہے'، اس کی صداقت کو جسے دیکھنا ہو وہ آج کی معاصر دنیا کے احوال پر ایک نظر ڈالے۔

(۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (روم: ۴۱)

زمین ہو کہ پہاڑ، دریا ہو کہ سمندر کون سی جگہ ہے جہاں آدمی سکون کی سانس لے سکے۔ شہری آلودگی آج کی دنیا کا سنگین ترین مسئلہ ہے جس سے خود ہمارا عزیز وطن ہندوستان بڑے پیمانے پر دوچار ہے۔ فضا کی آلودگی سے اس کے تمام بڑے شہر ناقابل رہائش ہو رہے ہیں^(۱) اور اس کا سلسلہ آگے بڑھ کر چھوٹے شہروں، قصبوں یہاں تک کہ دیہاتوں تک دراز ہو رہا ہے۔ صرف دہلی میں جمناندی کا یہ حال ہے کہ شہر کے سترہ گندے نالے اس میں آ کر گرتے اور اس کی روایتی پاکیزگی کے دامن غصمت کو تار تار کرتے ہیں^(۲) آگرہ اور الہ آباد کے درمیان خاص طور پر اس میں جمبل ندی کے ملنے سے پہلے مختلف مقامات پر اس کا پانی اس قدر زہر آلود رہتا ہے کہ بس کھیت کی اس کے پانی سے سینچائی ہو جائے اس کی زمین خجور اور اس کی فصل تباہ ہو جاتی ہے اور جو بد قسمت جانور اس کا پانی پی لے وہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے^(۳) تازہ ترین جائزے کے مطابق جمننا، جس میں دہلی کے علاوہ ہریانہ کے بارہ اور اتر پردیش کے آٹھ شہروں کا صنعتی فضلہ اکٹھا ہوتا ہے اور جس کے کنارے چھ کروڑ جھگی باسی اس کو بطور ٹوڑے دان (Dumping ground) کے استعمال کرتے ہیں، گزشتہ ۱۵ سالوں میں اس کا آلودگی کا بوجھ دگنا بڑھ چکا ہے اور اس وقت وہ ملک کی آلودہ ترین ندیوں میں سے ایک ہے^(۴) ایک ایسے ہی جائزے میں دہلی کی آلودگی شامل ہونے سے پہلے ہی پلا (Palla) کے مقام پر دہلی کا ہریانہ سے حاصل ہونے والا پانی خوردنی استعمال کے قابل نہیں ہے۔ یہ ڈی کا درجے کا پانی ہے جو صرف جنگلات اگانے اور مچھلی پالنے ہی کے لیے موزوں ہو سکتا ہے۔ اسی جائزے میں دہلی کے ان نالوں کی بھی تفصیل

(۱) اس کی تفصیل کے لیے ہمارا مضمون 'شہریت پسندی کا رجحان اور اسلام، مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جنوری تا جولائی ۱۹۹۷ء۔

(۲) قومی آواز نئی دہلی ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء، زیر عنوان: 'دہلی کو خوب صورت اور مثالی بنانے کی کوششیں رانگاں۔

(۳) ہندی روزنامہ نو بھارت ٹانگس نئی دہلی میں یہ بات کئی سال پہلے پڑھی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ اب اس میں مزید گراؤ کی ہی توقع ہے۔

(۴) دی ہندوستان ٹانگس نئی دہلی ۱۳ دسمبر ۱۹۹۹ء زیر عنوان: Yamuna, victim of Criminal neglect, dying a showly death (جمننا، جو مجرمانہ غفلت کی شکار اور آہستہ آہستہ مر رہی ہے)۔

ہے جو جنما کے دامن پانی کو تار تار کرتے ہیں^(۱) گنگا کا حال اس سے بھی خراب ہے۔ جوتہا کان پور کی حد تک صنعتی کچرے اور شہری سیوج کے علاوہ لاوارث لاشوں کے کھپانے کا مرکز بن گئی ہے^(۲) یہ جائزہ تو پھر بھی پرانا ہے۔ کان پور کے حوالہ سے تازہ صورت حال یہ ہے کہ بڑھی ہوئی آلودگی اور پانی کے بہاؤ کی کمی وجہ سے اب یہ دریا مردوں کی لاشیں بہانے کے قابل ہی نہیں رہ گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لاشیں گھاس پھوس اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ اسے دیکھ کر آخری رسوم انجام دینے والے پجاری لوگوں کو باصرار مشورہ دینے لگے ہیں کہ وہ ان لاشوں کو دریا میں بہانے کے بجائے انھیں کنارے لے جا کر دفن کر دیں یا انھیں جلائیں ان کی جو مرضی ہو۔ البتہ ان لاشوں کو گنگا میں بہا کر اپنے سامان زیت کو آلودہ کرنے کی غلطی کے مرتکب نہ ہوں^(۳) جب پوجا کی جانے والی گنگا اور جنما کی یہ صورت حال ہو تو ملک کے دوسرے ندی نالوں کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ آج صورت یہی ہے کہ شہر سے لے کر دیہات تک کا اس پہلو سے یکساں حال خراب ہے۔ پینے کا صاف پانی اب ہندستان کے شہروں کا ہی مسئلہ نہیں رہا۔ دیہاتوں کے لیے بھی اب یہ اسی طرح نایاب ہو رہا ہے۔ پٹرول گاڑیوں کی کثرت سے شہر ہو کہ دیہات ہر جگہ لوگوں کا سانس لینا مشکل ہو رہا ہے۔ جنگلات کا خاتمہ ہو رہا ہے تو معمول کی بارش پر اثر پڑ رہا ہے اور ملک کے بہت سارے خطے ریگستان میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ کیمیاوی کھادوں کے بے تحاشا استعمال سے زمین کی ایک تہ

(۱) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۲۷ جنوری ۲۰۰۰ء زیر عنوان: Yamuna water in Delhi is fit only for wild life, says survey (دہلی میں جنما کا پانی صرف پیڑ پودے لگانے ہی کے لیے موزوں ہے۔ ایک جائزہ کے پیش کردہ حقائق)۔

(۲) دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی ۲۸ دسمبر ۱۹۹۵ء تحت عنوان: Ganga becomes a dumping ground for unclaimed bodies (گنگا لاوارث لاشوں کے کھپانے کا ایک بڑا مرکز)۔ ماحولیاتی جائزے کی اس ٹیم کو کان پور کے آس پاس صرف آٹھ کلومیٹر کے رقبے میں انسانوں اور جانوروں کی ایسی پچاس لاشیں ملیں۔

(۳) دی ہندستان ٹائمس نئی دہلی ۸ مئی ۱۹۹۹ء خبر بہ عنوان: Discouraging burials to save the Ganga (گنگا کو بچانے کے مقصد سے اس میں لاشیں بہانے کی حوصلہ شکنی)۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

بری طرح متاثر ہو چکی ہے۔ چنانچہ عام طور پر اس کی پہلی سطح ۲۰،۵۰ فٹ نیچے کاپانی پینا مسلم طور پر صحت کے لیے نقصان دہ ہو رہا ہے۔ پلاسٹک کے بڑھتے ہوئے استعمال نے ایک دوسری آفت پھیلا رکھی ہے۔ جاپان جیسے ترقی یافتہ ملک میں بھی اس کی وجہ سے زراعت کو نقصان لاحق ہو رہا ہے۔ اور ہمارے ملک کا حال ہے کہ اس کے تھیلوں کے کھالینے سے کتنے جانور موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں^(۱) یہ مطلب نہیں کہ ترقی نہ ہو اور آدمی نیل گاڑی کے دور میں پرانے حال میں رہے۔ لیکن رہنمائی مکمل ہو تو سائنسی ترقی کے ساتھ اس کو نقصان دہ پہلوؤں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک پر اس پہلو سے بھی انسانیت کے لیے بھرپور خوراک موجود ہے۔ جس کی وضاحت ان شاء اللہ آئندہ صفحات پر اپنے مقام پر کی جائے گی۔

دراں حالے کہ عالمی بینک کی ایک رپورٹ کے مطابق رواں عیسوی صدی کے آخر تک صرف ترقی پذیر ملکوں کے تقریباً ۴ کروڑ باشندے فضائی آلودگی سے متاثر ہوں گے۔ اسی طرح ان ملکوں میں اب تک کی ۶۰ کروڑ موٹر گاڑیوں کے اگلے بیس برسوں میں دو گنا ہو جانے کی توقع ہے۔ یہ گاڑیاں جن میں عام طور پر آلودگی کنٹرول کرنے والے آلے نہیں لگائے جاتے فضا پر جو قہر برسائیں گی اس کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ فضائی آلودگی سے اوزون کی پرت کو جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ الگ فکر مندی کا موضوع ہے اور اپنا حل چاہتا ہے۔ سمندر کا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ تنہا بحیرہ عرب کی صورت ہے کہ اس کے پانی کا ۸۰ فی صد حصہ ممبئی کے سیوم اور صنعتی فضلے پر مشتمل ہے۔ اس سمندر کی ماحولیات کے دیگر پہلوؤں سے تباہی اس کے علاوہ ہے^(۲) اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے پاس ہے۔ امید ہے کہ برادران وطن کے ذریعہ اس کی اسی حیثیت سے پذیرائی کی جائے گی۔ اس کی تفصیلات بھی آگے اپنی جگہ پر آئی ہیں۔

(۱) اردو روزنامہ راشنریہ سہارک تازہ ترین خبر ہے ایک گائے کے پیٹ کے آپریشن سے دو بالٹی پلاسٹک کی تھیلیاں برآمد کی گئیں۔ ۴ نومبر ۱۹۹۹ء زیر عنوان: گائے کے معدے سے دو بالٹی پلاسٹک کی تھیلیاں برآمد۔

(۲) دی ہندستان ٹائمز نئی دہلی ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء بہ عنوان: Mega Cities threaten marine resources

(غیر معمولی بڑے شہر جن سے بحری وسائل کو خطرہ لاحق ہے)۔

حقوق انسانی کی صورت حال

جب کوئی سماج ان ناہمواریوں سے دوچار ہو تو حقوق انسانی کے پہلو سے اس کے احوال کا مضطرب ہونا فطری ہے۔ وطن عزیز اس کے حوالہ سے اسی صورت حال سے دوچار ہے۔ اصولی طور پر اس نے آزادی، برابری اور عدل و انصاف کی قدروں کو اپنے دستور کا حصہ بنا رکھا ہے۔ اور حکومت کی طرف سے اس کی تلقین اور یاد دہانی کا برابر اہتمام بھی ہوتا رہتا ہے۔ لیکن عملی طور پر ہمارے ملک میں حقوق انسانی کی صورت حال قابل اطمینان نہیں ہے۔ اور یہ اس کا بہت ہی سنگین مسئلہ ہے۔ بچے، بوڑھے، عورت ہر ایک کے حقوق کسی نہ کسی حیثیت سے پامال ہو رہے ہیں اور ہر ایک کی اپنی جگہ جائز شکایات ہیں۔ اس کے علاوہ خود برادران وطن میں ان کے مختلف طبقات اور عناصر کے حقوق انسانی کے حوالہ سے معروف مطالبات ہیں۔ لوگ اپنے جائز حقوق کے لیے ترس رہے ہیں اور انھیں ان سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ یہ بھی ایک بڑا صبر آزما اور طویل کام ہے۔ اور انتہائی محنت اور انتھک کوششوں کے ذریعہ ہی لوگوں کو ان حقوق کی ضمانت فراہم کی جاسکتی ہے۔ سیکولر سوچ کی پچاس سال کی تاریخ ہم وطن بھائیوں کو ان کا جائز حق دلانے سے قاصر ہے۔ اس کے حوالہ سے اب ان کو نیا تجربہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سلسلے میں صرف اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا تجربہ ہی کام یاب ہو سکتا ہے۔ دوسرے تمام تجربات ناکام ہو چکے ہیں اب ان پر مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔

اقلیتوں کے مسائل

جب کسی جگہ حقوق انسانی کی عمومی صورت حال یہ ہو تو اس میں اقلیتوں کا مطمئن رہنا اور ان کا سکھ چین کی سانس لینا اور بھی مشکل ہوتا ہے۔ وطن عزیز کا معاملہ اس خصوص میں اس سے مختلف نہیں۔ جہاں واقعات کی زبان میں اقلیتوں کی صورت حال قابل اطمینان نہیں ہے۔ یہ نئی دنیا کا بڑا نازک اور سنجیدہ مسئلہ ہے اور جب تک اس کے حل کی ضمانت نہیں خوش حال سماج کا دعویٰ صرف دعویٰ رہتا ہے۔ اس کے لیے بھی ہماری نگاہیں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی طرف اٹھتی ہیں۔ اقلیتوں کے حوالہ سے اس کا ماضی تو حد درجہ شان دار ہے مقابلے اور موازنے میں اس کے حال کو بھی اس خصوص میں قابل رشک ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ اس کا صرف ظاہری پہلو

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

ہے۔ اصل اس کے پیچھے اس کے عقائد اور اس کا بنیادی فکر اور حیات و کائنات کے متعلق اس کے تصورات ہیں جس کی اساس پر وہ حد درجہ متوازن اور مبنی بر انصاف نظام حیات تشکیل پاتا ہے جس میں ہر انسان کو اس کا جائز حق مل جاتا ہے۔ اور کسی پہلو سے اس کے لیے بے اطمینانی اور اضطراب کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا ہے۔

وطن عزیز کے لیے بھی ہماری یہی خواہش ہے کہ وہ اس نسخے کو آزمائے اور اس کی روشنی میں اپنے اس مسئلہ کو حل کر کے دنیا و آخرت میں اپنی سرخ روئی کا سامان کرے۔

ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدى الناس

معاصر دنیا کی اس صورت حال کو دیکھ کر کتاب اللہ کی یہ آیت^(۱) بے ساختہ زبان پر آتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین میں چاروں طرف خشکی ہو کہ تری آج یہ فساد برپا ہے۔ ہر جگہ بگاڑ ہی بگاڑ ہے۔ انسانیت سسک رہی اور دنیا کراہ رہی ہے۔ تو یہ کسی اور وجہ سے نہیں بل کہ یہ انسانوں کے اپنے کرتوت ہیں۔ یہ ان کی اپنی فکر و نظر کی کچی اور خود ان کی بد عملی اور غلط کاری ہے جس کے نتیجے میں زندگی ان کے لیے اجیرن ہو گئی ہے۔ زمین پر انسان کا دم گھٹ رہا ہے۔ اور جینا اس کے لیے عذاب بن گیا ہے۔ لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک انسان کی مدد کے لیے تیار ہے۔ وہ اس کی مایوسی کو امید میں تبدیل کر سکتی اور زندگی کے اندھیرے کو اجالے میں بدل سکتی ہے۔ بہ شرطے کہ وہ خلوص دل کے ساتھ کسی تحفظ اور تردد کے بغیر رب کائنات کی آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہو۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اسی آواز کا دوسرا نام ہے۔ یہ کسی انسان کا وضع کردہ نظام حیات نہیں۔ بل کہ اس کے خالق اور مالک اللہ رب العالمین کا عطا کردہ دین ہے جو اس کے دین و دنیا کے جملہ مسائل کو حد درجہ خوبی اور کام یابی کے ساتھ حل کرتا ہے۔ اسے اپنا کروہ کسی طبقہ انسانیت کی تابع داری قبول نہیں کرتا۔ بل کہ اپنے رب کریم کے راستے پر چل کر وہ خوش بخت جماعت ایمانی کے ہم رکاب ہو جاتا ہے۔ جو پہلے سے اس راستے پر گام زن ہے اور اپنے بس بھر دوسرے تمام انسانوں کو دعوت دے رہی ہے کہ سبیل رب کو پکڑ کر وہ دنیا و آخرت کی کامرانیوں سے اپنے کو شاد کام کر لے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس درد مندانه صدا کو ایسے ہی مخلصانہ سنا جائے گا۔

نجات دہندہ تحریک کے لوازم

اس تفصیل سے یہ بات اپنے آپ واضح ہے کہ ملک اور انسانیت کو درپیش مسائل کے پس منظر میں نجات دہندہ تحریک وہی ہو سکتی ہے جو ایک ایک کر کے ان مسائل کو خوش اسلوبی کے ساتھ حل کر دے۔ جس سے زندگیاں خوش گوار اور خوشیوں سے ہم کنار ہو جائے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام ایک ایسی ہی نجات دہندہ تحریک ہے جو ان مسائل کا بھرپور اور جامع حل پیش کرتی ہے۔ بل کہ تنہا یہی وہ تحریک ہے جو ان مسائل سے عہدہ برآ ہو سکتی اور ان سے دو چار انسانیت کو سکون و اطمینان سے ہم کنار کر سکتی ہے۔ نظری طور پر اس کے لیے اس کے پاس ایک مرتب اور جامع نظام ہے جو ایک ایک مسئلہ کی گرہ کو کھولتا اور اس کا حل پیش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ثبوت میں اس کے پاس مستند ترین تاریخ کی شہادت بھی موجود ہے جب کہ دکھوں کی ماری انسانیت کو اس نے سکون و اطمینان سے ہم کنار کیا ہے اور اس کرہ ارضی کو رشک جنت بنا کر دکھایا ہے۔

کتاب کے آنے والے دوسرے باب کے یہی مباحث ہیں جن کی جزئیات کو ان شاء اللہ ہم پوری تفصیل کے ساتھ سامنے لائیں گے۔ اور ایک ایک مسئلہ کے سلسلے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی رہنمائی کو اس کے جملہ متعلقات کے ساتھ پیش کریں گے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

باب دوم

معاشی تحفظ

معاشی تحفظ کی یقین دہانی بھی معاصر دنیا کو صرف اور صرف اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ معاشی ترقی اور معاشی بہتری کو آج کی دنیا کا سب سے اہم مسئلہ کہا جاسکتا ہے۔ بل کہ اس سے بھی آگے اس کو معاصر دنیا کا مرکزی مسئلہ (Core issue) کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسی محور کے گرد انسان کی پوری زندگی گھوم رہی ہے۔ اور اسی منزل تک پہنچنے کے لیے ہر ایک اپنے اپنے طور پر جدوجہد کر رہا ہے۔ کچھ افراد، اقوام اور ممالک اس منزل مقصود کو پالیا ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو اس کی دوڑ دھوپ میں لگے ہیں اور اپنی منزل کو پانے کے لیے دن اور رات کو ایک کیے ہوئے ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی، صنعت، تجارت اور زراعت کی ترقی سے دنیا کی معاشی ترقی بھی غیر معمولی ہے۔ اور اس کا فیض بھی کم و بیش اوپر سے نیچے تک ہر ایک کو پہنچا ہے۔ لیکن اس اعتراف کے باوجود واقعہ ہے کہ اس میدان میں ابھی بہت کچھ کیا جانا باقی ہے۔ اور حقیقی معاشی تحفظ سے معاصر دنیا ابھی بہت دور ہے۔ اور جیسا کہ آپ نے کتاب کے پہلے باب میں دیکھا کہ یہ معاملہ صرف ہندوستان اور تیسری دنیا کے ملکوں کا ہی نہیں ہے۔ ترقی یافتہ یورپ اور امریکہ کی صورت حال بھی اس سلسلے میں بہت زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ وہاں جو معاشی ترقی ہے وہ مخصوص اور محدود ہے۔ اور اس کا چرچا اس سے بہت زیادہ ہے جتنا کہ وہ فی الواقع موجود ہے۔ عامۃ الناس کی وہاں بھی ایک تعداد موجود ہے جو روٹی، کپڑا اور مکان کے لیے ترس رہا ہے۔ اور اس کی بنیادی ضروریات زندگی کی بھی ہنوز تکمیل

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

نہیں ہو سکی ہے۔ انسان کی معاشی بہتری کا ایک نعرہ کمیونزم بھی لے کر اٹھا تھا۔ لیکن اس کا فلسفہ ناکام ہو کر وہ اب اپنے آپ میدان سے ہٹ چکا ہے۔ اور دنیا پھر وہی مزدور اور مالک اور غریب اور سرمایہ دار کی پرانی پٹری پر واپس آ چکی ہے۔ اس طرح معاصر دنیا کی معیشت اس وقت عملاً سرمایہ دارانہ معیشت ہے۔ اور آں جہانی کمیونزم کا قلعہ روس خود اس کی گود میں گر چکا ہے۔ اور اپنی معاشی ابتری کا عبرت ناک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ جس کی تفصیلات بھی کتاب کے پہلے باب میں پیش کی جا چکی ہیں۔ نظام سرمایہ داری اس میدان میں جو کچھ کر سکتا تھا وہ پہلے بھی کر رہا تھا۔ اور اس وقت تو پوری مستعدی اور چستی سے اس مہم کو سر کرنے میں لگا ہے۔ جب کہ وہ آج تنہا اس کا گمراہ اور کفیل ہے اور پوری دنیا اپنے معاش کے حل کے لیے اس کی طرف اپنی نظریں جمائے ہوئے ہے۔ لیکن اس کے باوجود معاصر دنیا کی معاشی ابتری کی وہ صورت حال ہے جس کی تفصیل کتاب کے پہلے باب میں پیش کی گئی ہے۔ اور جس سے نہ صرف یہ کہ تیسری دنیا بل کہ دوسری اور پہلی دنیا بھی درجہ کے فرق سے اسی طرح دوچار ہے۔ اس پس منظر میں اس مسئلہ کے حل کے لیے ہماری نگاہیں اللہ کے آخری دین اسلام اور اس کی آخری شریعت شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف اٹھتی ہیں۔ جسے ہمیشہ کی طرح آج بھی ہم اکیلی اور تنہا دنیا کی نجات دہندہ تحریک قرار دیتے ہیں۔ ذیل کے صفحات میں دیکھنا ہے کہ اسلام کی یہ نجات دہندہ تحریک کس طرح انسانیت کے معاشی مسئلہ کو حل کرتی ہے اور کس طرح اس سلسلے میں اس کی تمام الجھنوں کو دور کر کے اس کو حقیقی سکون و اطمینان سے ہم کنار کرتی ہے۔

ضروریات زندگی کی وسیع تعیین

اس سلسلے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا سب سے بڑا عطیہ ضروریات زندگی کی وسیع تعیین ہے۔ ضروریات کا نام آتے ہی ذہن آج کے مقبول نعرے 'روٹی، کپڑا اور مکان' کی طرف جاتا ہے۔ یہ تو ہے ہی اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اس کی فراہمی کی اچوک یقین دہانی۔ جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آتی ہے۔ لیکن اس سے آگے آخری محمدی شریعت میں ضروریات زندگی کا تصور اس سے کرنا ہے۔ جس میں اس کے ساتھ ہی ملازم، سواری، تعلیم، دوا

علاج اور شادی وغیرہ کو بھی اسی طرح بنیادی ضروریات زندگی میں شامل قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں اس کا واضح تذکرہ ہے۔ جس کے بعد فقہ اور اصول فقہ میں مزید تشریح و تفصیل کی گئی ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں 'روٹی، کپڑا اور مکان' کے مسئلہ پر ایک نظر ڈالنی چاہیے جس کے سلسلے میں شریعت محمدیؐ میں معاصر اقتصادیات و معاشیات سے زیادہ ہے۔ ذیل کی تفصیل سے یہ حقیقت مبرہن ہوتی ہے۔

روٹی، کپڑا اور مکان

روٹی اور اس کے متعلقات

اس سلسلے میں جہاں تک 'روٹی' یعنی کہ کھانے کا سوال ہے کتاب کے صفحات اس کے ذکر سے بھرے پڑے ہیں۔ مسلمان ہوں کہ غیر مسلم ہر ایک کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا
لِلَّهِ إِنَّ كُنتُم مِّنْ تَعْبُدُونَ ۝ (البقرہ: ۱۷۲)

”اے ایمان والو! ہم نے تم کو پاک اور عمدہ روزی کے جو سامان دیے ہیں اس میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم (تہا) اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔“

یہ خطاب تو مسلمانوں سے تھا۔ اس سے پہلے تمام انسانوں کو اس حکم میں شامل کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ
بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(البقرہ: ۱۶۸-۱۶۹)

”اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک روزی کا سامان ہے اس میں سے کھاؤ اور

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

شیطان کی بتائی ہوئی راہوں پر نہ چلو، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور اس کا کہ تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہو جن کو تم بالکل جانتے نہیں ہو۔“

اس سلسلے میں یہی عموم سورہ نحل کی آیت کریمہ کا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لَإِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝

(النحل: ۱۱۴)

”سو (اے لوگو!) اللہ نے تم کو حلال اور پاک روزی کا جو سامان دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کے احسان کا شکر ادا کرو اگر تم صحیح معنوں میں اس کی بندگی (کا دعویٰ) رکھتے ہو۔“

ظاہر ہے جب اللہ کی کتاب میں مسلمان اور غیر مسلم ہر ایک کو کھانے کا یہ حکم اور تاکید ہے تو اس میں یہ بات اپنے آپ شامل ہے کہ ان کے پاس کھانے کے لیے حلال اور طیب چیزوں کا وافر ذخیرہ ہونا چاہیے۔ دوسرے مقامات پر اس کی مزید تفصیل ہے کہ یہ کھانا بالکل پھیکا اور بے رنگ نہیں ہے کہ آدمی جیسے تیسے اپنا پیٹ بھر لے جس سے کہ اس کے جسم و جان کا رشتہ برقرار ہے۔ جیسا کہ اس وقت خط افلاس (Poverty Line) یا اس سے نیچے رہنے والوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صبح و شام دوروٹی سے ان کا پیٹ بھر جائے۔ اور وہ بالکل بھوکے اور خالی پیٹ سونے کے لیے مجبور نہ ہوں۔ نہیں بل کہ ساتھ ہی غذا بھر پور ہونے کے ساتھ ایسے ہی عمدہ اور لطیف بھی ہونی چاہیے۔ اوپر کی آیات میں ’حلال‘ کے ساتھ ’طیب‘ کے لفظ سے یہ مضمون نکلتا ہے۔ جس کی تفسیر لذت دار کھانے سے کی گئی ہے (۱) دوسرے موقع پر اصحاب کہف کی پسند کے کھانے میں لفظ ’از کسی‘ سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے جس کے معنی بھی اس طرح حلال ہونے کے ساتھ عمدہ اور لذیذ کے بتائے گئے ہیں (۲) ساتھ ہی اس میں

(۱) تفسیر الجلالین ۳/۳۲ تحت آیت کریمہ: ۶۸، سورہ بقرہ، طبع جدید، دار المعرفۃ، بیروت، طبعہ اولیٰ ۱۹۸۳ء، ۱۳۰۳ھ

صاحب جلالین آیت بالا میں ’طیباً‘ کو ’حلالاً‘ کی تاکید کی صفت اور اس کے معنی وہی لذت دار بتاتے ہیں: (طیباً)

موکدة أى مستلذا۔ حوالہ بالا

(۲) مفتاح الغیب: ۵/۴۸۷، طبع قدیم، مطبعہ عامرہ شرقیہ (مصر) ۱۳۰۸ھ، طبعہ اولیٰ۔

ستا اور فراواں ہونے کو بھی ایسے ہی شامل قرار دیا گیا ہے:

...فَلْيَنْظُرْ آيَهَا أَرْكَى طَعَامًا فَلْيَاتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ
وَلْيَنْتَلِطِفْ... (الکہف: ۱۹)

”...تو وہ ذرا دیکھے کہ کس کے یہاں کھانا اچھا اور لذیذ ہے پھر وہ تمہارے پاس اس سے کھانے کا کچھ سامان لے کر آئے اور ہاں بات نرمی سے کرے (جس سے کہ بات کھلنے نہ پائے)۔“

(۱) مفاتیح، حوالہ سابق۔ اس موقع پر صاحب مفاتیح کے الفاظ ہیں: و قيل ايها الطيب والذو قيل ايها ارخص۔ اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے اس کی جو تفسیر حلال سے کی گئی ہے اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس شہر کے باشندوں کی اکثریت مجوسیوں کی تھی اور جو تھوڑے اہل ایمان تھے وہ اپنے ایمان کو ظاہر کرنے سے گریز کرتے تھے (جس سے ان کے ہاتھ کا حلال ذبیحہ مشکل ہی سے دستیاب ہو سکتا تھا)۔ مفسر مجاہد کی دوسری تفسیر پاکیزہ ’از سخی‘ ہے کہ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کا بادشاہ ظالم تھا۔ اور پاکیزگی کی یہ شرط اس لیے لگائی گئی تھی کہ وہ کھانا کہیں اس کے غضب کردہ مال کا کوئی حصہ نہ ہو۔ مفاتیح حوالہ بالا۔ صاحب کشف کے یہاں بھی اس کے معنی اس طرح ’احل و اطیب و اکثر و ارخص‘ کے بیان کیے گئے ہیں: حلال، عمدہ، زیادہ اور سستا۔ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۴/۲۷۷، طبع جدید مصطفیٰ البابی النجفی، اولادہ مصر، ۱۹۷۲ء، ۱۳۹۲ھ اس سے پہلے مفسر طوبی م ۳۱۰ھ کے یہاں بھی یہ سب اقوال اس طرح موجود ہیں۔ اکثر طعاما، احل طعاما اور ’خیر طعاما‘۔ سب سے زیادہ، سب سے عمدہ اور سب سے اچھا کھانا۔ اس میں زیادہ والی رائے کے مفسر طبری ناقد ہیں۔ اور حلال، پاکیزہ، احل و اطہر، اور عمدہ ’جید‘ کے قول کو وہ قابل ترجیح قرار دیتے ہیں: و اولى الاقوال عندی فی ذلک بالصواب: قول من قال: معنی ذلک احل و اطہر۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے آگے وہ اس کی وجہ بیان کرتے ہیں: و اذا شرط علی المأمور الشراء من صاحب الفضل، فقد امر بشراء الجید، کان ما عند المشتري ذلک منه قليلا الجید او كثيرا۔ جب کہنے والا خریدنے والے سے اس کی شرط رکھے کہ وہ عمدہ سامان والے کے یہاں سے خریدے تو اس کا مطلب اپنے آپ ہے کہ اس نے اس کو اچھی چیز خریدنے کے لیے کہا ہے۔ چاہے وہ بیچنے والے کے پاس کم مقدار میں ہو یا زیادہ حق دار میں ہو۔ آگے وہ اسی سلسلے میں مزید فرماتے ہیں: نو ذلک ان کان کذلک فان الحلال الجید و ان قل، اکثر من الحرام الخبث و ان کثر۔ جب بات یہ رہی تو عمدہ چیز جو حلال ہو اگرچہ وہ کم ہو وہ حرام اور ناپاک کے مقابلے میں زیادہ ہے اگرچہ وہ بڑی مقدار میں کیوں نہ ہو۔ جامع البیان عن تاویل آی القرآن: ۱۵/۲۲۳، ۲۲۴۔ مکتبہ مصطفیٰ البابی، المجلس و اولادہ مصر، طبع جدید، طبعہ ثالثہ ۱۹۶۸ء، ۱۳۸۸ھ۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

لیکن قرآن میں انسان کی اولین بنیادی ضرورت 'کھانے' کے سلسلے میں اس سے بھی آگے کی بات کہی گئی ہے۔ کھانا صرف پیٹ بھراؤ نہیں بل کہ اس کو غذا ایت اور وٹامنوں سے بھرپور ہونا چاہیے۔ جس سے کہ مسلمان اور غیر مسلم کی کسی تفریق و امتیاز کے بغیر معاشرے کے صحت مند اور توانا ہونے کی ضمانت حاصل ہو سکے۔ چنانچہ اللہ کی کتاب میں کھانے کے بیان میں جا بجا گوشت، مچھلی، دودھ، شہد اور پھلوں کا انتہائی کثرت اور تکرار کے ساتھ تذکرہ ہے^(۱) جس کا یہ مطلب یہ اپنے آپ ظاہر ہے کہ اوپر کے سادہ کھانے کی طرح طاقت اور وٹامن کی ان چیزوں کو بھی عوام و خواص ہر ایک کی دسترس میں ہونا چاہیے۔ قرآن کے تصور غذا کی وسعت اور جامعیت کا دوسرا مظہر ہے کہ کھانے کے ساتھ پانی کو بھی اس میں اسی اہتمام سے شامل کیا گیا ہے۔ جب کہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں ہر جگہ پینے کے پانی کے سلسلے میں ہابا کارمچی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ کہا جانے لگا ہے کہ آنے والے دنوں میں اقوام عالم میں جنگیں کسی اور چیز کے لیے نہیں بل کہ سب سے زیادہ اسی پینے کے پانی کے لیے ہوں گی۔ وطن عزیز میں بھی پینے کے پانی (پیشہ جال) کا مسئلہ اس کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ جو ترقی کے ہزار دعووں کے باوجود آج اپنی سادہ ترین صورت میں بھی اس کے تمام شہریوں کو دستیاب نہیں ہے۔ صحت مند اور شفاف پانی کی تو بات ہی الگ ہے جو خواص میں سے بھی مخصوص خواص ہی کو فراوانی کے ساتھ دستیاب ہے۔ دس بارہ روپے لیٹر کی بوتل کا پانی پینا امیروں کی ایک بہت بڑی تعداد کے لیے بھی آسان نہیں ہے۔ کتاب اللہ میں عمدہ غذا کے ساتھ ایسے ہی عمدہ پانی کی ہر خاص و عام کے لیے یکساں ضمانت ہے۔ جب کھانے اور پینے دونوں کا تذکرہ ایک ساتھ ہے تو دونوں کو اسی طرح یکساں فراوانی کے ساتھ دستیاب بھی ہونا چاہیے۔ صرف ایک بات کی تاکید ہے کہ فضول خرچی سے بچا جائے اور کھانے کی طرح پانی کو بھی بے دردی کے ساتھ ضائع نہ کیا جائے:

... وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

(الاعراف: ۳۱)

(۱) نمونہ کے لیے: انعام: ۱۱۹، ۱۲۲، نحل: ۱۱۳، نحل: ۱۲، فاطر: ۱۴، نحل: ۶۸-۶۹، انعام: ۱۴۱، ۹۹، ابرہیم: ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱

”اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بلاشبہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

قرآن نے دوسرے مواقع پر اس اجمال کو کھول دیا ہے اور صراحت کر دی ہے کہ انسانوں کے پینے کے پانی کو عمدہ سے عمدہ اور صاف سے صاف تر ہونا چاہیے۔ کسی اختلاف کے بغیر پینے کا سب سے عمدہ اور شفاف پانی بارش کا ہوتا ہے۔ قرآن کے نزدیک اس کا ایک مقصد بنی نوع انسانی کو صاف ستھرا اور غیر آلودہ پانی فراہم کرنا ہے:

...وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۚ لِنُخْجِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتًا وَ

نُفْسِيئِهِ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَا سَيِّ كَثِيرًا ۝ (الفرقان: ۴۸، ۴۹)^(۱)

”... اور ہم نے آسمان سے پاک صاف پانی اتارا، تاکہ ہم اس سے مردہ سرزمین کو زندہ کریں اور اس سے اپنے پیدا کیے ہوئے جانوروں اور انسانوں کے پینے کا سامان کریں جن کا شمار مشکل ہے۔“

’طہور‘ مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے انتہائی صاف ستھرا اور ہر طرح کی آلودگی سے پاک و صاف^(۲)۔ دوسری جگہ اس کے لذت دار اور میٹھا ہونے کا تذکرہ ہے۔ یہاں صرف انسانوں سے خطاب ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۚ ؕ أَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ

(۱) مزید ملاحظہ ہو: حجر: ۲۲، جہاں اس مضمون کا اضافہ ہے کہ جھیل، تالاب، پوکھرا اور ٹنکی مختلف صورتوں سے پانی کو محفوظ رکھا جائے۔ وَ أَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْفِثْنَا كُنُوزَهُمْ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝ اور ہم نے پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کو بھیجا اور اس طرح ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور تمہیں اس کو پینے کے لیے دستیاب کیا اور تم اپنے طور پر اس کو محفوظ رکھنے کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔

(۲) تفسیر میں عام طور پر ’طہور‘ کے معنی ’مطہر‘ پاک کرنے والے کے بتائے گئے ہیں تفسیر الجلالین ۴/۶۷، حضرت شاہ عبد القادر صاحب کے یہاں بھی اس کا یہی ترجمہ ہے ’پانی ستھرائی کرنے کا‘ ۶۰۳، لیکن قرآن میں ہمارے اوپر کے مفہوم کی نظیر اس سے زیادہ قوی ہے، جہاں جنت میں اہل جنت کو ملنے والی شراب کو شراب طہور کہا گیا ہے: وَ سَقَّيْنَاهُمْ مِنْهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝ (ہر: ۲۱) صاحب جلالین نے یہاں اپنی تفسیر درست کر لی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ’مبالغة في طهارته و نفاثته بخلاف خمر الدنيا‘ دنیا کی شراب کے برعکس یہ اس کی پاکی اور صفائی میں مبالغہ کا بیان ہے۔ جلالین/ ۸۳، طبع جدید بیروت۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أَجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ

(الواقعة: ۶۸-۷۰)

”اور تمہارا اس پانی کے بارے میں کیا خیال ہے جسے تم پیتے ہو، یا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو انتہائی کڑوا اور کھاری بنا دیتے۔ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم شکر ادا نہیں کرتے ہو۔“

’اجاج‘ کے معنی ’کھاری‘ کے ہیں۔ اوپر کا مضمون اس کے برعکس سے نکلتا ہے۔ اس لیے کہ دوسرے موقع پر ’اجاج‘ کا التاویٰ اوپر کا لذت دار اور میٹھا پانی ہے سورہ فرقان میں آگے ہے:

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَ هَذَا مِلْحٌ
أَجَاجٌ ۝

(الفرقان: ۵۳)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملایا ہے اس طرح کہ اس میں ایک کا پانی حد درجہ لذت دار اور میٹھا اور دوسرے کا اتنا ہی کھاری اور زبان کو اٹھینے والا ہے۔“

دوسری جگہ اس مضمون کو مزید کھول دیا ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۚ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَ
هَذَا مِلْحٌ أَجَاجٌ ۝

(الفاطر: ۱۲)

”اور دونوں سمندر ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ ایک ہے جس کا پانی انتہائی میٹھا اور لذت دار اور پینے میں خوش گوار ہے اور دوسرا ہے جس کا پانی اتنا ہی کڑوا اور زبان کو اٹھینے والا ہے۔“

یہ تو بارش اور سمندر کے پانی کا تذکرہ ہوا۔ اور اگر وہ زمین سے نکالا جائے تو اس کے کنویں کو زیادہ سے زیادہ گہرا ہونا چاہیے جس سے کہ صاف شفاف اور ستھرے اور غیر آلودہ پانی کی ضمانت حاصل ہو سکے۔ یہ مضمون سورہ ملک کی آخری آیت کریمہ کا ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ
مَّعِينٍ ۝

(ملک: ۳۰)

”ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر تمہارے کتوؤں کا پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو اس پانی کی بہتی ہوئی سوتیں تمہیں نکال کر لادے گا؟“ (۱)

دوسرے موقع پر انسانوں کو دستیاب ہونے والے پانی کے بارے میں مطلق کہہ دیا کہ اس کو میٹھا اور لذیذ ہونا چاہیے بلا لحاظ اس کے کہ وہ بارش، سمندر، کنویں اور ٹیوب ویل جس طرح سے بھی حاصل ہو:

وَجَعَلْنَا فِيهَا رِوَاسِيَ شِمِخْتٍ وَّ اَسْقَيْنُكُمْ مَّاءً فُرَاتًا

(المرسلات: ۲۷)

”اور ہم نے زمین میں گہری جڑوں والے بلند و بالا پہاڑ بنائے اور تمہیں میٹھا پانی پلایا۔“

دوسری جگہ کھانے میں سادہ پانی کے ساتھ پھلوں کے رس (Fruit Juice) کا تذکرہ ہے جس سے غذا کے سلسلے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے اعلیٰ ترین اور ترقی یافتہ ذوق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آیت کریمہ میں عرب قوم کے مخصوص ذوق کے لحاظ سے کھجور اور انگور سے تیار ہونے والے مشروب کا تذکرہ ہے۔ اسی پر قیاس کر کے آج کے دوسرے تمام طرح کے پھلوں کے رسوں آم، موہی، سیب، انار وغیرہ کے جوس کو قیاس کیا جاسکتا ہے:

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَاَلْاٰنْعَابِ تَتَخٰذُوْنَ مِنْهُ سَكْرًا وَّ رِزْقًا

حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ (النحل: ۶۷)

”اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم مشروب اور بہترین کھانے کا سامان کرتے ہو۔

بلاشبہ اس کے اندر بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ سے کام لینا چاہیں۔“

اس موقع پر اس رس کے لیے بہترین روزی رزقا حسنا فرما کر اس میں مزید وسعت پیدا کر دی کہ جوسوں کی یہ نعمت کبھی کبھار کے لیے اور چکھنے کی حد تک ہی نہیں اس سے آگے یہ بھرپور روزی کا سامان ہے۔ جس کا تقاضا ہے کہ اس کو پوری فراوانی اور عمومیت کے ساتھ دستیاب ہونا چاہیے۔ جس کا جب چاہے اور جتنا دل چاہے اس کو پیے۔ اس میں ترسنے اور چھکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی آیت کریمہ سے اوپر اور نیچے دودھ اور شہد کا تذکرہ ہے (۲) جن کے

(۱) حدیث کے مطابق اس آیت کریمہ کو پڑھنے کے بعد مستحب ہے کہ آدمی اللہ رب العالمین پڑھے۔ یعنی کہ اللہ رب العالمین ہی اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ تفسیر الجلالین ۷/۷۷۔

(۲) نحل: آیت ۶۶، نیز آیات ۶۸، ۶۹۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

خالص استعمال کے ساتھ ان کے تنوع مشروبات میٹھائسی، اور شہد کا شربت اپنا الگ ہی لطف اور مزہ رکھتے ہیں۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی ذات عالی قرآن کی عملی شارح ہے۔ غذا کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اعلیٰ ترین ذوق سے کتاب اللہ کے اس تصور غذا کی مزید تائید اور توثیق ہوتی ہے۔ چناں چہ گوشت آپ ﷺ کی محبوب غذا تھی جس میں بکری کا اگلا دست آپ ﷺ کو خاص طور پر پسند تھا^(۱) جو جلد تیار ہونے اور زود ہضم ہونے کے ساتھ ایسا ہی لذیذ اور صحت بخش ہے^(۲) اسی طرح اپنی پوری زندگی کی طرح کھانے پینے میں سادگی پسندگی کے باوجود آپ ﷺ نے مرغی (دجاج) (۳) بٹیر (حباری) (۴) اور مچھلی (سمک) (۵) کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ مزید

(۱) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل (ہود: ۲۵) ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ۔ جلد ۴۔ کتاب التفسیر، باب ذریۃ من حملنا مع نوح انه کان عبدا شکورا (تفسیر سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷)۔ صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الایمان، باب ادنی اهل الجنة منزله فیہا۔ نیز ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الاطعمۃ، باب اکل اللحم، جامع الترمذی جلد ۲۔ باب ماجاء فی ای اللحم کان احب الی رسول اللہ ﷺ، سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمۃ، باب اطائب اللحم۔ شمائل الترمذی ملحقا بآخر الترمذی ۱۲۔ باب ماجاء فی صفۃ ادام رسول اللہ ﷺ۔ مسند احمد بن حنبل: ۱/۳۹۳، ۳۹۷ نیز: ۳۳۱/۲-۳۳۵۔

(۲) شرح نووی للمسلم مع المسلم جلد ۱: ۶۵/۳، طبع جدید دار الریان للتراث القاہرہ، طبعہ اولی ۱۹۸۷ء ۱۴۰۷ھ۔ بعد کے حوالوں میں اس کا تذکرہ نووی کے حوالہ سے ہے۔ حالانکہ نووی میں یہ قاضی عیاض کا قول ہے۔ نووی، مجولہ بالا۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب الذبائح والصيد، باب لحم الدجاج نیز جلد مذکور۔ کتاب المغازی، باب قدوم الاشعریین من الیمن، صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الایمان، باب ندب من حلف یمینا فرأی غیرہا خیر امنہا ان یأتی الذی ہو خیر و یکفر عن یمینہ، سنن نسائی جلد ۲۔ کتاب الصيد والذبائح، باب اباحۃ اکل لحوم الدجاج، مسند احمد: ۳/۳۹۳، ۳۹۷، ۳۹۸ اور ۴۰۱۔ نیز شمائل ترمذی ۱۱، باب ماجاء فی صفۃ ادام رسول اللہ ﷺ۔

(۴) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الاطعمۃ، باب اکل لحم حباری۔ نیز شمائل ترمذی ۱۱، مجولہ بالا۔

(۵) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب المغازی، باب غزوۃ سیف البحر، وهم یتلقون غیر القریش و امیرہم ابو عبیدہؓ۔ صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الصيد والذبائح وما یوکل من الحيوان، باب اباحۃ میتۃ البحر۔

آپ ﷺ کو شہد اور حلوی غیر معمولی طور پر پسند تھا^(۱) اسی طرح آپ ﷺ کی معروف غذا میں دودھ، مکھن (سمن)، پنیر (اقل) اور شہد کا شربت وغیرہ شامل تھا^(۲) اسی طرح میٹھا اور ٹھنڈا پانی اللہ کے آخری رسول ﷺ کو بہت زیادہ پسند تھا^(۳) آپ ﷺ خود جا کر ایسے پانی کے پینے کا اہتمام فرماتے تھے^(۴) اور حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق مدینہ میں 'سقیاء' نامی جگہ کے کنویں سے آپ ﷺ کے لیے معمولاً میٹھے ٹھنڈے پانی کا اہتمام کیا جاتا تھا^(۵) حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ذوق بھی اس سلسلے میں صاحبِ وحی ﷺ سے مختلف نہ تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ وہ اسی طرح اپنے لیے بھی ٹھنڈے میٹھے پانی کا اہتمام کرتے تھے^(۶)

لباس اور اس کے لوازم

کتاب اللہ کی یہ جو پسند غذا اور اس کے متعلقات کے سلسلے میں ہے لباس اور اس کے لوازم کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مرد و عورت حضرت آدمؑ و حواؑ کے زمین پر آنے سے پہلے ہی جس طرح جنت میں ان کے لیے

(۱) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب الاطعمہ، باب الحلوی والعسل روایت حضرت عائشہؓ۔ نیز سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمہ، باب الحلواء۔ شمس الترمذی ۱/۱۱، باب ماجاء فی صفة ادام رسول اللہ ﷺ۔

(۲) ابن قیم الجوزیہ: ۵۱ھ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۱/۱۳۷-۱۳۸، طبع جدید مؤسسة الرسالہ، بیروت، طبعہ ثامنہ ۱۹۸۵ء ۱۴۰۵ھ۔ محقق ایڈیشن۔ نیز علامہ شبلی نعمانی ۱۳۳۲ھ: سیرۃ النبیؐ: ۲/۲۰۳-۲۰۴، مع اضافہ و تکملہ از مولانا سید سلیمان ندوی ۱۳۷۳ھ۔ طبع سیرۃ، ۱۳۹۹ھ۔ زاد المعاد کی طرح یہاں سیرۃ النبیؐ میں بھی اس مضمون کی اکثر چیزیں بلا حوالہ ہیں، بحمد اللہ کہ ہماری تحقیق سے ان پر اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

(۳) جامع الترمذی جلد ۲۔ کتاب الاشربة، باب ماجاء فی ای الشراب کان احب الی رسول اللہ ﷺ۔ عروہ، زہری اور حضرت عائشہؓ کے سلسلے سے یہ روایت مرفوع ہے۔ لیکن امام ترمذی کا کہنا ہے کہ زہری کی نبی ﷺ سے مرسل روایت زیادہ صحیح ہے۔ ترمذی، حوالہ بالا۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الاشربة، باب استعذاب الماء۔

(۵) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الاشربة، باب ایکاء الآنیۃ۔ حدیث کے ایک راوی قتیبہ بن سعد کے مطابق یہ جگہ مدینہ سے دودن کے فاصلہ پر ہے۔ ابوداؤد بحوالہ بالا۔ روایت عائشہؓ۔

(۶) صحیح مسلم جلد ۳: ۶۷/۱۱۷، کتاب الاشربة، باب جواز استنباعہ غیرہ الی دار من یشق برضاه بذلك و یتحققہ تحقیقاً تاماً و استحباب الاجتماع علی الطعام، عامرہ، مصر۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

بہترین غذا اور خوراک کا انتظام کر رکھا تھا۔ اسی طرح ان کے لیے لباس اور پوشاک کی بھی ایسی ہی سہولت فراہم کر رکھی تھی۔ بعد میں ان کی ایک غلطی اور چوک کی وجہ سے ان کی یہ سہولت ختم کر دی گئی تو جنت کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھک کر انھوں نے اپنے لیے اس کا ایک عارضی انتظام کیا۔ اپنی اسی غلطی اور چوک کے نتیجے میں اگلے مرحلے میں وہ جنت سے نکال کر اس دنیا میں اتارے گئے^(۱) جس سے خدائی اسکیم کے مطابق اس کی آبادی کی صورت پیدا ہوئی۔ جو آج تک اسی طرح آباد چلی آتی ہے۔ آگے اسی پس منظر میں ابنائے بنی آدم کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے لباس کا تحفہ عطا کیے جانے کا تذکرہ ہے۔ جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی یہ روایت کتنی قدیم ہے۔ اور کسی طرح اس کے ہاں ابتداء آفرینش سے اس کا سلسلہ قائم ہے:

يَبْنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُوَارِيْ سَوْآتِكَمْ وَرِيشًا
وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيَةِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ
يَذْكُرُوْنَ ۝

(الاعراف: ۲۶)

”اے اولادِ آدم، ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو، اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔“

اس آیت کریمہ میں تمام ابنائے آدم کے لیے لباس کی یقینی فراہمی کے ساتھ اس کے متعلق دوسرے کئی پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے۔ چنانچہ جس لباس سے مرد و عورت کی بھرپور طریقے پر ستر پوشی نہ ہو وہ صحیح معنوں میں لباس کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ یہ یواری سو اتکم کا تقاضا ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی فرق و امتیاز کے بغیر ابنائے آدم کے لیے جس لباس کی فراہمی ضروری ہے وہ ضروری نہیں ہے کہ بالکل سادہ اور ہر حال میں بالکل موٹا جھوٹا ہی ہو۔ نہیں بل کہ اسراف اور فضول خرچی سے بچتے ہوئے اور شریعت کے دوسرے اصولوں کی پاس داری کے ساتھ سادہ اور کم قیمت لباس کی طرح مہنگا اور

خوب صورت لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ریشما کے یہی معنی ہیں جس کی:

وہو ما يتجمل به من الثياب وہ کپڑے جن سے کہ آدمی اپنے حسن اور خوب صورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ کی تفسیر معروف ہے^(۱)

بعد کے ٹکڑے میں اس سے آگے کی بات کہی گئی ہے اور وہ یہ کہ لباس کو تقویٰ اور خوف خدا کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ غریب معمولی لباس پہن کر خدا کا شاکی ہونا امیر قیمتی لباس پہن کر کبر و غرور میں مبتلا اور خدا فراموشی کا شکار ہو۔ اگلی آیت کریمہ میں اس سلسلے کے سب سے بڑے فتنے سے آگاہی ہے کہ شیطان کے بہکاوے میں آکر ایسا نہ ہو کہ مرد و عورت لباس پہن کر بھی بے لباس ہوں۔ وہ لباس کے نام پر اپنے اوپر خرچ تو سیکڑوں اور ہزاروں میں کریں۔ لیکن حقیقی ستر پوشی کی نعمت سے اس کے باوجود جوں کے توں محروم رہیں۔ شیطان نے جس طرح جنت میں آدم و حوا کو بہکا کر ان کو بے لباس کیا، اسی طرح زمین پر آنے کے بعد ابنائے آدم کے سلسلے میں بھی اس کی یہ مہم اسی طرح جاری ہے۔ آگے کی آیت کریمہ میں ابنائے آدم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی کے خلاف تنبیہ ہے:

يٰۤاٰدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكَ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَوٰيكَم مِّنَ الْجَنَّةِ
يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوَآتِهِمَا ۚ اِنَّهٗ يَرٰكُمْ هُوَ وَ
قَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۚ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَآءَ
لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲۷)

”اے آدم کی اولاد! تم کو شیطان بہکا نہ دے جس طرح کہ اس نے تمہارے ماں باپ (آدم و حوا کو بہکا کر) جنت سے نکال دیا، ان سے ان کے کپڑوں کو اترواتے ہوئے جس کے نتیجے میں ان کے اعضاء جسم ان کے سامنے کھل گئے۔ بلاشبہ وہ اور اس کے کارندے تم کو جس طرح دیکھتے ہیں تم انہیں اس طرح نہیں دیکھتے ہو۔ بلاشبہ ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا رکھا ہے جو ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

یہ بے ستری اور بے لباسی زمانہ نبوت کی طرح آج بھی مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں زیادہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے خلاف آگاہی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(۱) تفسیر الجلالین ۱۹۶، طبع جدید، مجلہ بالا۔

نساء کاسیات عاریات ممیلات مائلات... لایدخلن الجنة

ولا یجدن ریحاً و ان ریحاً لیوجد من مسیرة کذا و کذا۔ (۱)

”بہت سی عورتیں لباس پہن کر بھی بے لباس ہوتی ہیں۔ یہ دوسروں سے لگتی اور انھیں اپنے سے لگاتی ہیں۔... نہ یہ جنت میں جائیں گی، نہ اس کی خوش بو پائیں گی جب کہ اس کی خوش بو بڑی دور سے محسوس کی جائے گی۔“

لباس کے سلسلے میں اوپر یہ جو بات آئی ہے کہ اس کا ہر حال میں بالکل سادہ اور موٹا جھوٹا ہونا ہی ضروری نہیں ہے، قرآن کی آگے کی تفصیل سے یہ نکتہ مزید صاف ہوتا ہے۔ جہاں اس کے لیے ’زینت‘ کے لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ ظاہر ہے ہر شخص کے لحاظ سے اس کی زینت کا معیار الگ الگ ہوگا۔ جس غریب کے پاس پہننے کے لیے صرف قمیص پاجامہ یا کرتا اور لنگی ہو تو اس کے لیے یہی کپڑے صاف ستھرے ہو کر نماز کی مطلوبہ زینت کا حق ادا کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔ لیکن جس کو اللہ نے اس سے اوپر کے قیمتی لباس عطا کر رکھے ہوں تو اس کے لیے نماز کے وقت ان کا التزام و اہتمام ہر طرح سے مطلوب و پسندیدہ ہوگا۔ چنانچہ حدیث و فقہ کے لحاظ سے جہاں آدمی اپنے حالات کے لحاظ سے ایک چادر اور تہ بند سے کام چلا سکتا ہے، دوسری صورت میں قمیص پاجامہ یا کرتا اور تہ بند یا پاجامہ اور چادر یا چادر اور تہ بند اس کے لیے کافی ہو سکتا ہے، وہیں نماز کے کامل لباس میں قمیص پاجامہ، چادر اور عمامے چار چیزوں کو شامل قرار دیا گیا ہے۔ (۲) جب کہ اس سلسلے کی حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی روایت میں شیر وانی اور جبے (قبا) کا اضافہ ہے۔ (۳)

(۱) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب اللباس والزینة، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات۔ روایت ابو ہریرہؓ۔

(۲) ابن قدامہ حنبلی ۶۲۰ھ: المغنی لابن قدامہ: ۵۸۲-۵۸۳، طبع جدید مکتبۃ الریاض الحدیثہ، الریاض المملکۃ العربیہ السعودیہ۔ ۱۹۸۱ء، ۱۴۰۱ھ ائمہ کی صراحت سے عمامہ کا استعمال یوں بھی نماز غیر نماز، جنگ غیر جنگ مطلق پسندیدہ اور مسلمانوں کی عمدہ روایات سے ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: نعموا تزدادوا حلماً۔ عمامہ کی پابندی کرو تمہارے حلم اور وقار میں اضافہ ہوگا۔ امام محمد اور ان کے شارح السرخسی: شرح السیر الکبیر: ۶۷/۱، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد المرکز الہند الجنوبی، طبع اولیٰ ۱۳۳۵ھ جہاں اس کے دیگر متعلقات کی بھی تفصیل ہے۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الصلوٰۃ، باب الصلاۃ فی القميص والسراويل والبان والقبا۔ طبع جدید، قاہرہ۔

اس کی پیروی میں نواسہ رسولؐ سیدنا حسنؒ نماز کے وقت اپنے عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے^(۱) مسئلہ کے لحاظ سے بھی یہ پسندیدہ اور مستحب ہے کہ آدمی نماز کے لیے اچھے سے اچھا کپڑا استعمال کرے^(۲) اس کے علاوہ عام طور پر صفائی ستھرائی اور عمدہ لباس اور عمدہ پوشاک حضرات فقہاء کی صراحت سے دین میں مستحب اور پسندیدہ ہے^(۳) اس کے لیے بھی دوسرے نواسہ رسولؐ حضرت حسینؑ کا اسوہ ہے۔ کربلا میں ان کی شہادت ہوئی تو وہ اون ملا ریشمی لباس (خز) زیب تن کیے ہوئے تھے^(۴) ان کے نانا اللہ کے آخری رسول ﷺ کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نکلے تو آپ کے اوپر جو چادر تھی اس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی^(۵) بعد کے زمانہ میں مسلمانوں کے سب سے بڑے امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ معمولاً جو چادر زیب تن کرتے تھے اس کی قیمت چار سو دینار تھی۔ امام صاحب اسی طرح اپنے دوستوں اور شاگردوں کو بھی عمدہ اور قیمتی لباس پہننے کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے شاگرد سید امام محمدؒ انتہائی نفیس اور بیش قیمت کپڑے پہنا کرتے تھے۔ اسلام میں مرد کے لیے حکم ہے کہ جیسا وہ خود کھائے ویسا ہی اپنی عورت کو بھی کھلائے اور جیسا خود پہنے ویسا ہی اپنی عورت کو پہنائے^(۶) اس سے نکلتا ہے کہ

(۱) آلوسی م ۱۲۷۰ھ: تفسیر روح المعانی: ۸/۱۰۹، ادارۃ الطباعة المنيرية، مصر بدون سہ۔

(۲) قاضی محمد ثناء اللہ حنفی پانی پتی ۱۲۲۵ھ: التفسیر المظہری: ۳۳۶/۳، ندوۃ المصنفین، دہلی، طبع ثانی ۱۹۶۷

۱۳۸۷ھ۔ مطبوعہ روہی پرنٹنگ پریس اردو بازار جامع مسجد دہلی۔

(۳) روح المعانی: ۸/۱۱۱، بحوالہ بالا۔

(۴،۵) روح المعانی، حوالہ سابق سلف صالح کی عام مال داری اور خوش حالی کا معاملہ اس سے مختلف نہ تھا۔ حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ انھوں نے اپنے پیچھے تین سو گھڑ چھوڑے جو قیمتی مال و اسباب سے بھرے ہوئے تھے۔ اور ہر گھڑ میں تین ڈھیر (قطار) کی سمائی تھی۔ اسی زمرہ کی دوسری ہستی حضرت زبیرؓ کا اثاثہ پانچ کروڑ دو لاکھ (خمسین و مائت الف) کا تھا۔ جب کہ دوسرے جلیل القدر فقیہ حنفی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے پیچھے نوے ہزار کی رقم چھوڑی۔ بعد کے زمانہ میں بھی معاملہ اس سے مختلف نہیں رہا۔ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؓ ۹۳ھ نے اپنے پیچھے چار سو دینار اور حضرت سفیان ثوریؓ ۱۶۱ھ نے دو سو چھوڑے ملاحظہ ہو: حافظ ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی ۵۹۷ھ کی مشہور زمانہ کتاب: نقد العلم والعلماء المعروف بہ تلیس ابلیس ۱۹۱-۱۹۲، مطبعة السعادة، مصر ۱۳۴۰ھ، طبعہ اولیٰ زیر اہتمام: محمد امین الخاغبی اور محمد منیر الدمشقی۔

(۶) تفصیل کے لیے ہماری کتاب اسلام کا تصور مساوات، ۱۵۱ھ، مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، طبع اول ۱۹۸۵۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

حیثیت کے لحاظ سے مرد کی طرح عورت کا لباس بھی اچھے سے اچھا اور قیمتی سے قیمتی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح زیر نظر آیت کریمہ میں لفظ 'زینت' کے حوالہ سے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی نماز کے وقت ساتر ہونے کے ساتھ عمدہ سے عمدہ اور اچھے سے اچھا لباس پہننا چاہیے۔ دوسرے موقع پر قرآن نے لباس اور زیبائش و آرائش کے دوسرے سامانوں کے ساتھ 'زیور' کو بھی صراحتاً عورت کی زینت میں شامل قرار دیا ہے (۱) اس کے حوالہ سے مسالک کے اختلاف سے مسجد کے اندر اور باہر ہر جگہ عورت نماز کے وقت عمدہ کپڑے اور آرائش کی دوسری چیزوں کے ساتھ 'زیور' کا بھی بے تکلف استعمال کر سکتی ہے۔ اسی کے تقاضے سے کہا جاسکتا ہے نماز باجماعت کے وقت خاص طور پر مردوں کو بھی حیثیت کے مطابق عمدہ کپڑوں کے ساتھ عمدہ جوتے عمدہ چشمہ اور عمدہ گھڑی وغیرہ استعمال کرنی چاہیے۔ جب کہ اس وقت عام طور پر اس سلسلے میں امت کا معمول اس کے برعکس ہے۔ دوسرے درجے کے کپڑے اور بوسیدہ جوتے اور چپلیں ہی عام طور پر مسلمانوں کی مسجدوں کی قسمت ہیں۔ ساتھ ہی زیر نظر آیات ذیل میں 'پہننے' کے ساتھ جس طرح کھانے کا تذکرہ ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بات نہ کیے اور کوئی اصول نہ ٹوٹے تو عام حالات میں اسلام کو اچھا کھانے اور اچھا پہننے سے کوئی بے زاری نہیں ہے۔ زیر نظر آیات میں لباس کے لیے 'زینت' کے ساتھ کھانے میں 'کُلُوا وَاشْرَبُوا' اور 'وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ' 'خوب کھاؤ اور پیو' اور 'روزی کی عمدہ سے عمدہ چیزیں' کے الفاظ کا بھی تقاضا ہے۔ اس پس منظر میں اب ان آیات کریمہ کو دیکھیے:

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ خُذْ وَاٰزِيْنَتَكَ مِنْ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْاۤ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ؕ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ
اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَطَيَّبَتْ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيَمَةِ ؕ كَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ؕ

(الاعراف: ۳۱، ۳۲)

”اے اولاد آدم! ہر نماز کے وقت اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے نبی! ان سے

(۷) سورہ نور کی آیت کریمہ: ۳۱... وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ط۔ (اور عورتیں (زمین پر) اپنے پیروں کو مار کر نہ چلیں جس سے کہ (پانکوں کی جھنکار سے) ان کی چھپی زینت کا دوسروں کا پتہ لگ جائے۔

کہو کس نے حرام قرار دیا ہے اللہ کی آرائش کو جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالا ہے اور روزی کی پاک چیزوں کو۔ کہو، دنیا میں بھی یہ ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو یہ صرف اور صرف انہی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتا اور سمجھنا چاہیں۔“

یہ جو کچھ فقہ وحدیث میں کہا گیا ہے، لباس کی جزئیات میں کتاب اللہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے صاحب زادے حضرت یوسفؑ کے حوالے سے قرآن میں ’قمیص‘ کی صراحت ہے (۱) حضرت موسیٰؑ کے قصے میں اشارۃً اس کا تذکرہ دوسرے موقع پر اللہ کی نعمتوں کے بیان میں ہے (۲) لہجے کرتے اور چنے ’سرائیل‘ کا تذکرہ ہے جس سے پا جائے کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ اور آدمی جاڑے اور گرمی ہر موسم میں سکون اور آرام سے رہ سکتا ہے۔ اس موقع پر مفسرین نے ’سرائیل‘ کے معنی بھی ’قمیص‘ کے ہی لکھے ہیں (۳) لیکن یہ لمبی قمیص اور لہجے کرتے کے معنی میں ہو چھٹی درست ہے ورنہ اس کا زیادہ صحیح ترجمہ چنڈ اور جبہ ہی ہے۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ ہی جنگ کی زرہوں کا تذکرہ ہے جو آدمی کو سر سے پیر تک ڈھکے ہوتی ہیں:

... وَ جَعَلَ لَكُم سَرَائِيلَ تَقِيَكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَائِيلَ تَقِيَكُمُ
بِأَسْكُمُ ۖ كَذَلِكَ يُعِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ۝

(النمل: ۸۱)

”... اور اللہ نے تمہارے لیے چنے بنائے جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں اور دوسرے چنے بنائے جو جنگ میں تمہاری حفاظت کا سامان کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تمہارے اوپر اپنی نعمتوں کو مکمل کرتا ہے تاکہ تم (اس کی) اطاعت اختیار کرو۔“

جوتے کا تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے جنہیں وادی طویٰ میں جاتے

(۱) سورۃ یوسف: ۱۸، ۲۵، ۲۸، ۹۳۔

(۲) (۱۸) وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجَ بَيْضًا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ (نمل: ۱۴) اور ذرا اچھا ہاتھ گر بیان میں تو ذالو، چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ نیز: قصص: ۳۲۔ صاحب جلالین نے ان دونوں موقعوں پر ’جیبک‘ کی تفسیر ’طوق قمیصک‘ اپنی قمیص کے گلے اور طوق القمیس، ’قمیص کے گلے‘ سے کی ہے۔ تفسیر الجلالین ۴/ ۹۹، ۵۱۲، طبع جدید بیروت۔

(۳) تفسیر الجلالین ۱/ ۳۵۷، حضرت شاہ عہد القادر صاحب نے اس کا ترجمہ کرتے سے کیا ہے۔ موضح القرآن ۵/ ۵۵، طبع قدیم، تاج کمپنی لاہور۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

وقت انھیں اتارنے کا حکم دیا گیا^(۱) اس سلسلے میں وہ حدیث بھی دل چسپی کی ہے جس میں کثرت سے جوتا پہننے یا ایک ساتھ کئی جوڑے جوتے رکھنے کا حکم ہے:

استكثروا من النعال فان الرجل لا يزال راكبا ما انتعل.
 ”کئی جوتے رکھو، یا کثرت سے جوتے پہنو، اس لیے کہ آدمی جب جوتا پہنے ہوتا ہے تو ایک طرح سے سواری پر ہوتا ہے۔ (اس لیے کہ اس طرح وہ کانٹے، گندگی اور تکلیف دہ چیزوں سے محفوظ رہتا ہے)۔“

آدمی کا یہ کپڑا اور جوتا اچھے سے اچھا اور مہنگے سے مہنگا بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کردہ مشہور حدیث میں پوچھنے والے نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آدمی کا دل چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اور جوتا اچھے سے اچھا ہو تو کیا یہ بھی اس کبر و غرور میں شامل ہے جس کی وجہ سے آدمی جنت میں نہیں جائے گا، اس پر آپ ﷺ کا جواب تھا کہ نہیں بل کہ اس حوالہ سے کہ اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے^(۲)، ایک طرح سے آپ ﷺ نے اس کی ترغیب فرمائی کہ:

ان الله جميل يحب الجمال۔

”اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔“

ساتھ ہی اس کی وضاحت فرمائی کہ جس کبریٰ دین میں ممانعت ہے اور جس کی وجہ سے آدمی جنت کے داخلہ سے محروم رہے گا وہ اس سے مختلف چیز ہے^(۳) آپ ﷺ کی دوسری حدیث

(۱) طہ: ۱۲۔

(۲) لغت کے لحاظ سے ان دونوں ترجموں کی گنجائش ہے: استكثر من الشيء: رغب في الكثير منه و اكثر منه ايضا۔ ابن منظور الافریقی ۱۱ھ: لسان العرب: ۲۲۲/۱۳۳، طبع جدید، صار صادر بیروت۔

(۳) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب اللباس والزينة، باب ماجاء في الاشتغال والاستكثار من النعال۔ نیز: سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب الانتعال۔ مسند احمد: ۳۳۷-۳۶۰۔

(۴) صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الايمان، باب تحريم الكبر و بيانہ، نیز سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب ماجاء في الكبر۔ جہاں حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت سے ایک شخص نے اپنے حسن و جمال اور ذوق جمال کے حوالے سے ایک شخص نے نبی ﷺ نے اپنے اس رجحان کا اظہار کیا کہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا شخص پہنے اوڑھنے میں اس سے آگے نکل جائے تو کیا یہ بھی ممنوعہ کبر و غرور میں شامل ہے، اس پر آپ ﷺ کا وہ جواب تھا جو اوپر مذکور ہوا۔ نیز ملاحظہ ہو: مسند احمد: ۱۷۰/۲۴، جہاں جوتے اور لہجہ کے متعلق اس اور حواریوں و موالیوں کا بھی تذکرہ ہے۔

سے یہ مضمون مزید صاف ہوتا ہے۔ حضرت ابوالاحوص کی اپنے والد سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس معمولی اور گھٹیا کپڑوں میں آیا۔ اس پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آیا تمہارے پاس کوئی مال مویشی ہے۔ جس پر میرا جواب اثبات میں سن کر آپ ﷺ نے مزید معلومات کیں کہ وہ کس نوعیت کا مال ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ اللہ نے مجھ کو اونٹ، بھیڑ، بکری، گھوڑے اور غلام ہر چیز سے نوازا رکھا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور یہی ٹکڑا اصل دل چسپی کا ہے کہ:

فاذا آتاک اللہ مالا فلیراثر نعمۃ اللہ علیک و کرامتہ۔ (۱)

”جب اللہ تم کو مال و دولت سے نوازے تو اللہ کی نعمت اور اس کی عطا کردہ عزت کا اثر تمہارے اوپر نظر آتا چاہیے۔“

جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ آدمی کو دولت اور خوش حالی سے نوازیں تو اس کے کپڑے اچھے اور صاف ستھرے اور اس کی زندگی کا معیار اونچا ہونا چاہیے۔ حیثیت اور گنجائش کے باوجود پھٹے مال اور اپنے کو مسکین صورت بنائے رکھنا کوئی نیکی اور دین داری نہیں ہے۔

مزید، لباس کے سلسلے میں معلوم ہے کہ اسلامی شریعت میں عورت کے لیے ریشم کا مہنگا لباس تنہا جائز ہے (۲) جب کہ بعض صورتوں میں مرد بھی اسے استعمال کر سکتے ہیں (۳) اسی طرح

(۱) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب الخلقان و غسل الثوب۔ سنن النسائی جلد ۲۔ کتاب الزینۃ، باب ذکر ما یستحب من لبس الثیاب وما یکرہ منها۔ نیز جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الاستیذان والادب عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبده۔ خیال رہے کہ مشکوٰۃ میں اس حدیث کے سلسلے میں ترمذی کے علاوہ احمد اور نسائی کا تذکرہ ہے، مشکوٰۃ المصابیح ج ۳، ۵۷۷، ۳۔ جب کہ و نسفک کی انجمن المفہرس میں اس کے لیے صرف ابوداؤد اور ترمذی کا حوالہ ہے۔ مستد احمد کا ذکر نہیں ہے۔ انجمن المفہرس: ۱۳/۱، مکتبۃ بریل، لیدن ۱۹۳۴۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب اللباس، باب الحریر للنساء، صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضۃ علی الرجال والنساء و خاتم الذهب الحریر علی الرجل و اباحۃ للنساء و اباحۃ العلم و نحوه للرجل ما لم یترد علی اربع اصابعہ۔

(۳) صحیح بخاری حوالہ بالا باب ما یرخص للرجال من الحریر للحکۃ۔ صحیح مسلم، حوالہ سابق، باب اباحۃ لبس الحریر للرجل اذا کان بہ حکۃ او نحوہا۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

عورت کی زینت میں لباس کے ساتھ، جیسا کہ گزرا، زیور بھی شامل ہے جو قرآن کے مطابق اس کے پاس بڑی سے بڑی مقدار میں ہو سکتا ہے (۲) اس کے علاوہ زیور میں سونے، چاندی کے ساتھ ہیرے جواہرات سے بنے زیور بھی شامل ہیں، اللہ نے زمین کی طرح سمندر میں جو ان کا ذخیرہ رکھا ہے تو اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انھیں اس ضرورت سے استعمال کیا جائے (۳) معروف مسئلہ کی حیثیت سے اسلام میں مردوں کے لیے بھی ہیرے جواہرات کی ممانعت نہیں ہے۔ جس طرح کہ غیر ریشمی قیمتی سے قیمتی کپڑوں کو مرد و عورت دونوں یکساں طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں کھانے پینے کی طرح، لباس کے سلسلے میں بھی بڑی وسعت ہے۔ اسراف اور فضول خرچی سے بچتے ہوئے آدمی ان سے بھرپور طریقے پر لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ اس مضمون کی آیت کریمہ اوپر گزری:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ

الرِّزْقِ ط (الاعراف: ۳۲)

”کہو کس نے حرام قرار دیا ہے اللہ کی زینت و آرائش کو جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالا ہے، اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟“

اللہ کے نبی ﷺ کی اس حدیث کو اس کی شرح کہا جاسکتا ہے:

كلوا واشربوا و تصدقوا، في غير اسراف ولا مخيلة۔ (۴)

”کھاؤ پیو اور صدقہ و خیرات کرو، صرف اس احتیاط کے ساتھ کہ فضول خرچی نہ ہو اور غرور اور گھمنڈ کا مظاہرہ نہ ہو۔“

(۱) نور: ۳۱

(۲) نساء: ۲۰

(۳) نحل: ۱۴، قاطر: ۱۲

(۴) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ (قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده)

ترجمة الباب تعليقا۔ سنن نسائی جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب الاختیال فی الصدقة بسند عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده۔ مسند احمد و سنن ابن ماجہ میں بھی یہ روایت اسی سند کے ساتھ ہے بحوالہ: مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲۔

کتاب اللباس، فصل ثالث ص ۷۷۔ ۳۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس اثر سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

کل ما شئت و البس ما شئت، ما اخطأتک اثنتان: سرف

او مخيلة۔ (۱)

”جو جی چاہے کھاؤ اور جو جی چاہے پہنؤ بس صرف دو باتوں سے بچتے رہو فضول خرچی سے اور غرور اور گھمنڈ سے۔“

اسی سلسلے میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا یہ ارشاد بھی قابل توجہ ہے۔ آپؓ کا یہ ارشاد نماز سے متعلق ہے کہ آدمی کتنے کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ یا یہ اس کے لیے اس کے پاس کتنے کپڑوں کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس پس منظر سے ہٹ کر اس کو لباس کے سلسلے میں اسی طرح عام رکھا جاسکتا ہے:

اذا وسع الله عليكم فاسعوا على انفسكم۔ (۲)

”جب اللہ تم کو کشادگی عطا کرے تو تم (لباس کے معاملے میں) اپنے اوپر کشادگی اختیار کرو۔“

دوسری جگہ اس کے الفاظ ہیں:

اذا وسع الله فاسعوا۔ (۳)

”جب اللہ تم کو کشادگی دے تو تم (لباس کے معاملے میں) کشادگی اختیار کرو۔“

عشرہ مبشرہ میں شامل اور حضرت فاروق اعظمؓ کے چہیتے کمانڈر اور گورنر حضرت عبیدہ بن الجراحؓ کے طرز عمل سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔ آپؓ اپنے حالات کے تحت انتہائی موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے تھے اور ایسا ہی موٹا جھوٹا کھانا کھاتے تھے۔ خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق اعظمؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے ان کے پاس ایک ہزار دینار بھجوائے۔ اس کے ملتے ہی

(۱) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ (قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده) تعلیقاً۔

(۲) موطا امام مالک ۲/۲۱۵، باب ما جاء في لبس الثياب للجمال لباً، مکتبہ تجاریہ کبریٰ (مصر)

(۳) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الصلوٰۃ، باب الصلاۃ فی القميص والسر اويل والتبائن والقباء۔ طبع جدید قاہرہ۔

نیز ملاحظہ ہو سنن نسائی جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، زکوٰۃ و الفطر، باب الحنطہ۔ جہاں یہ صدقہ فطر سے متعلق ہو کر حضرت علیؓ پر موقوف ہے۔ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند مثل مجتہائی دہلی۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

آپؐ نے اپنے لیے عمدہ اور نرم کپڑے بنوائے۔ اور اپنے لیے بہترین غذا کا انتظام کیا۔ پیغام رساں کے ذریعے جب فاروق اعظمؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپؐ کا کہنا تھا کہ حضرت عبیدہؓ نے اس آیت کریمہ کے مطابق عمل کیا۔ جس سے خود اس آیت کریمہ کی زیر نظر مضمون سے مناسبت واضح ہوتی ہے:

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۖ وَ مَن قَدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا
آتَاهُ اللَّهُ ۖ (الطلاق: ۷) (۱)

”کشادہ دست اپنی کشادگی کے لحاظ سے خرچ کرے اور جس کو روزی ناپ کر (کم) دی گئی ہو تو وہ اس کے مطابق خرچ کرے جیسا کہ اللہ نے اس کو دیا ہے۔“

فقہ میں بھی استعمالی کپڑوں کو انسان کی بنیادی ضرورت میں شامل کیا گیا ہے۔ اور ان کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے (۲)۔ حالاں کہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے یہ کپڑے مہنگے سے مہنگے اور قیمتی سے قیمتی ہو سکتے ہیں۔ اس سے بھی آگے آدمی پر زکوٰۃ اور صدقہ و فطر واجب ہی اس وقت ہوتا ہے اور اسی وقت وہ صاحب نصاب قرار پاتا ہے جب کہ علاوہ اور چیزوں کے اس کے پاس پہننے کے کپڑے بھی ضرورت کے مطابق موجود ہوں (۳)۔

مکان

بنیادی ضروریات زندگی میں تیسری چیز مکان ہے۔ جس کا چرچا، جیسا کہ گزرا، روٹی کپڑا اور مکان کی صورت میں ہر شخص کی زبان پر ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اس کا بھی رنگ روٹی اور کپڑے سے مختلف نہیں ہے۔ قرآن کا کہنا ہے کہ آدمی کے پاس گھر نہ ہو تو اس کو سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مستقل اور عارضی دونوں طرح کے مکانوں کا انتظام پوری فراوانی سے کر رکھا ہے۔ جس کا یہ اپنے آپ تقاضا ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم کے کسی فرق و امتیاز کے بغیر مکان کی یہ سہولت ہر بندہ خدا کو حاصل ہونی چاہیے۔ اس

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۸۳، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۹۳۷ء، ۱۳۵۶ھ۔

(۲) ہدایہ: ۱/۱۶۶، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

(۳) ہدایہ: ۱/۱۸۸، بحوالہ بالا۔

سلسلے میں مستقل مکانوں کے علاوہ زمانہ نزول قرآن کے مخاطب عربوں کے لحاظ سے عارضی مکان کے لیے جانوروں کی کھالوں سے تیار ہوئے خیموں اور قبول کا تذکرہ ہے جن سے سفر اور حضر دونوں جگہ کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ میں جانوروں کی کھالوں کا ذکر آگیا ہے تو لگے ہاتھوں بھیڑ، بکری اور اونٹ سے حاصل ہونے والے اون اور بال سے تیار ہونے والے اوڑھنے بچھانے اور پہننے کے طرح طرح کے سامانوں اور چیزوں کا بھی حوالہ دے دیا گیا ہے جس سے اس وقت کی مخاطب قوم مختلف و متنوع طریقے سے فائدہ اٹھاتی تھی۔ اب آیت کریمہ کو پڑھیے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَ جَعَلَ لَكُم مِّنْ جُلُودِ
الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۖ وَ
مِنْ أَصْوَابِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَ مَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝

(النحل: ۸۰)

”اور اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کے ذریعہ رہائش کا سامان کیا اور تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں سے گھر بنائے جنہیں تم اپنی کوچ اور قیام کے دن آسانی سے اٹھا لیتے ہو، اس نے جانوروں کے صوف اور اون اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کر دیں جو زندگی کی مدت مقررہ تک تمہارے کام آتی ہیں۔“

مکان کے سلسلے میں قرآن کی دوسری پسند ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ ہر حال میں وہ چھوٹا معمولی اور تنگ و تاریک ہی ہو۔ نہیں بل کہ حالات کے لحاظ سے وہ کشادہ، مضبوط اور آرام دہ بھی ہو سکتا ہے۔ راہ خدا میں گھر سے بے گھر کر دیے جانے والے مسلمان کا جب قرآن یہ حق تسلیم کرتا ہے تو معمول کی امن و اطمینان کی زندگی گزارنے والے مسلمانوں کو ان کے اسی حق سے کیوں کر محروم کیا جاسکتا ہے:

وَ مَن يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرْعَمًا كَثِيرًا
وَّ سَعَةً ۚ

(النساء: ۱۰۰)

”اور جو اللہ کے راستے میں اپنے گھر یا رکو چھوڑے گا اسے زمین میں رہنے بسنے کی بہت جگہ اور کشادگی ملے گی۔“

اسلام ایک نجلت دہندہ تحریک

اللہ کے آخری رسول ﷺ کے اس نمونے سے اس کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے کشادہ مکان کے لیے نماز میں اپنے رب سے دعا مانگی ہے۔ نماز میں کسی موقع پر آپ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک ہے:

اللهم اغفر لی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی ما رزقتنی۔ (۱)

”اے اللہ! میرے لیے میرے گناہ کو بخش دے، مجھ کو کشادہ مکان عطا فرما اور جو تو مجھ کو روزی عطا کرے، اس میں برکت عطا فرما۔“

دوسری بات یہ کہ معاشرہ میں مکان کی یہ سہولت ہر بالغ اور شادی شدہ شخص کو حاصل ہونی چاہیے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی نوازا واج مطہرات میں سے ہر ایک کے لیے الگ اور خود کفیل مکان کی سہولت عطا فرمائی۔ قرآن کا اس کے حق میں واضح اشارہ ہے (۲) اور حدیث و سیرت کے ذخیرے میں اس کی تفصیل کی گئی ہے (۳) اسی کی روشنی میں آگے فقہ کی تفصیلات مرتب کی گئی ہیں جس کے مطابق شوہر کے لیے اپنے بیوی بچوں اور بہ شرط ضرورت و احتیاج اپنے

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۴/۶۳، حدیث میں اس دعا کا تذکرہ وضو کے موقع کے لیے بھی ہے اور یہی اس وقت کی ثابت شدہ دعا ہے۔ البتہ اس موقع پر زاد المعاد کے محققین نے کتاب کے مصنف کی اس پر جو گرفت کی ہے کہ یہ نماز کی دعا نہیں ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ مسند احمد: ۴/۶۳، محولہ بالا میں صراحت ہے کہ یہ نماز کے وقت کی دعا ہے فجعل يقول فی صلاته الخ۔ اس لیے علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں یہ جو کہا ہے۔ نوکان يقول فی صلاته الخ زاد المعاد ۱: ۲۶۲ تو یہ بالکل درست ہے اور اس پر محققین کی تنقید صحیح نہیں ہے۔ وضوء کے وقت کی بلاشبہ یہ ثابت شدہ دعا ہے لیکن دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے وضو اور نماز دونوں میں اس کو پڑھا ہے اور ہر دو موقع کے لیے آپ ﷺ کی طرف اس کا انتساب درست ہے۔ جامع ترمذی میں البتہ یہ نماز کی صراحت کے بغیر صرف آپ ﷺ کی رات کی دعا کے حوالہ سے ہے، جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب بلا ترجمہ ص ۱۸۸۔ اور دعا کے الفاظ میں ووسع لی فی داری کے ساتھ اصل روایت نفی رأی کی ہے۔ یعنی کہ میری فکر و نظر میں وسعت پیدا فرمایا۔ ترمذی، حوالہ بالا۔

(۲) ملاحظہ ہو ہماری کتاب ”مشرکہ خاندانی نظام اور اسلام کی بحث“ ہر شخص کے لیے الگ مکان اور نوازا واج مطہرات کی جدا گانہ رہائش، صفحات ۴۰-۴۴، مطبوعہ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ بار دوم ۱۹۹۲ء، ۱۴۱۲ھ۔

(۳) ملاحظہ ہو ہماری کتاب ”مشرکہ خاندانی نظام اور اسلام کی بحث“ ہر شخص کے لیے الگ مکان اور نوازا واج مطہرات کی جدا گانہ رہائش، صفحات ۴۰-۴۴، مطبوعہ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ بار دوم ۱۹۹۲ء، ۱۴۱۲ھ۔

ماں باپ کے لیے حسب حیثیت و گنجائش مکان فراہم کرنا واجب ہے۔ اور اولاد اور شوہر پر اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کے واجب نفقہ کا یہ ایک لازمی حصہ ہے جس کے دوسرے اجزاء میں کھانا اور لباس یا دوسرے لفظوں میں روٹی اور کپڑا شامل ہے^(۱) اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گی جب تک اس کے زیر انتظام ہر شہری کو روٹی اور کپڑے کے ساتھ مکان کی یہ سہولت حاصل نہ ہو جائے۔ اس پس منظر میں ہندوستان اور اس جیسے دنیا کے دوسرے غریب ملکوں میں موجود جھگی سٹم اس کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اوپر سورہ نحل کی آیت کریمہ: ۸۰، میں مستقل مکانوں کے ساتھ جو عارضی مکانوں کا تذکرہ ہے وہ اختیاری ہے۔ جسے مستقل مکان والے موقع بہ موقع اپنی دوسری ضرورتوں کے تحت عارضی مکانوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آج کے زمانہ میں شادی بیاہ اور فوج اور پولیس کی حمل و نقل میں خیموں کے ذریعے مکان کی اس صورت کا استعمال ہے۔ اس سے جھگی سٹم کے حق میں دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ آیت بالا کے حوالے سے صحیح معنوں میں مکان وہ ہے جس میں آدمی سکون سے رہ سکے اور اس کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کی پوری پوری ضمانت ہو۔ جس کے لیے فقہ میں یہاں تک شرط لگائی گئی ہے کہ شوہر کی طرف سے بیوی کو فراہم ہونے والے مکان کو چاہیے کہ وہ نیک اور دین دار لوگوں کے درمیان ہو اس کے بغیر شوہر کی طرف سے بیوی کے حق سکون کی اداے گی نہیں ہوتی^(۲) جب اس کی معنوی حفاظت کا یہ اہتمام کیا گیا ہے تو مکان کی ظاہری حفاظت کے سلسلے میں شریعت محمدیؐ کی حساسیت کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک شریعت محمدیؐ کے احیاء ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے روٹی اور کپڑے کی طرح مکان

(۱) حوالہ کے لیے مشترکہ خاندانی نظام ۹۰ بجولہ بالا۔ زیر عنوان: ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ۔ نیز المغنی لابن قدامہ:

۵۶۳/۷ طبع جدید، مكتبة الجمهورية العربية، مصر۔

(۲) رد المحتار مع الدر المختار ۲/ ۹۱۳، للزوج ان يسكنها حيث احب و لكن بين حيران صالحين۔ شوہر جہاں چاہے بیوی کو لے کر رہ سکتا ہے لیکن (ہر حال میں) اسے نیک اور دین دار لوگوں کے درمیان ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ: ان الیئ الذی لیس لہ حیران لیس بمسکن شرعی۔ جس گھر کا (اچھا) پڑوس نہ ہو، شریعت کی نظر میں وہ گھر گھر نہیں۔ رد المحتار، حوالہ بالا۔ جسے دیکھ کر بے اختیار عربی کا یہ شعر زبان پر آتا ہے کہ: بجیرانہا تغلو الدیار و ترخص، مکانوں اور علاقوں کی مہنگائی اور سستائی درحقیقت اس کے پڑوسیوں سے وابستہ ہے۔ بحوالہ: ابن نجیم مصری ۷۰ھ: ۱۳۹۹، مطبوعہ دارالعلوم دیوبند، طبع دوم ۱۳۰۶ھ۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

کے سلسلے میں اس کی ترجیح اس سے مختلف نہیں ہے۔ نبی ﷺ کی ایک حدیث میں روٹی، کپڑا اور مکان کی ان تینوں بنیادی ضرورتوں کو ایک ہی جگہ سمیٹ دیا گیا ہے:

ليس لابن آدم حق في هوى هذه الخصال بيت يسكنه و

ثوب يوارى عورته و حلف الخبز والماء۔ (۱)

”آدمی کے لیے ان تین چیزوں کے علاوہ کسی اور کا حق نہیں مکان جس میں وہ رہ سکے، کپڑا جس سے اس کی ستر پوشی ہو سکے اور روٹی کا ٹکڑا اور پانی۔“

دوسری حدیث میں دن کی روٹی اور صحت کے ساتھ مکان اور رہائش کا تذکرہ ہے:

من اصبغ منكم آمنا في سربه معافي في جسده عنده

قوت يومه فكانما حيزت له الدنيا۔ (۲)

”تم میں سے جس کسی کی صبح ہو اس حال میں کہ وہ (اپنے گھر میں) اپنے اہل و عیال کے درمیان امن و اطمینان کے ساتھ ہو، اس کا جسم صحت مند اور توانا ہو اور اس کے پاس اس دن کے کھانے کا سامان ہو تو گویا اس کو پوری دنیا سمیٹ کر مل گئی۔“

دیکھنے کی بات ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں مکان اور رہائش کا تذکرہ سب سے اوپر ہے۔ مزید یہ احادیث ابواب الزہد اور کتاب الرقاق کی ہیں جن میں دل کو نرم کرنے والی اور دنیا سے دل کو بے زار کرنے والی احادیث کا بیان ہوتا ہے۔ تو جب اس کتاب اور باب کی احادیث

(۱) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الزهد عن رسول اللہ ﷺ۔ باب ماجاء فی الزهادة فی الدنيا۔ قال

الترمذی هذا حدیث صحیح۔ نیز: مسند احمد ۱/۶۲۔

(۲) جامع الترمذی، حوالہ سابق۔ نیز مسند الحمیدی ۱/۲۰۸، ۲۰۹، المجلس العلمی، دابھیل، الہند، ۱۹۳۶ھ،

۱۳۸۲ھ، تحقیق: حبیب الرحمن الاعظمی۔ اس حدیث میں مکان کا تذکرہ صراحتاً نہیں ہے۔ لیکن انداز بیان سے یہ صاف مفہوم ہوتا ہے۔ ”سرسب“ اس کے زیر کے ساتھ اس کے معنی اپنی جان کے ہیں۔ يقال آمن فی سربه بالكسری فی نفسه۔ النہایة فی غریب الحدیث: ۱۵۵/۲، المکتبہ العثمانیہ، مصر ۱۳۱۱ھ، طبع قدیم۔ مسند حمیدی میں محقق اعظمی نے اس کے معنی اہل و عیال لکھے ہیں۔ فی سربه (ای اہل و عیال)، مسند حمیدی، بحوالہ بالا۔ مزید ملاحظہ ہو: سنن ابن ماجہ، ابواب الزهد، باب اتقاعہ۔

(۳) جامع الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں یہ حدیثیں ابواب الزهد اور مشکوٰۃ المصابیح میں کتاب الرقاق میں

ہیں۔ حدیث کے دیگر مجموعوں میں بھی اس کی نظیریں دیکھی جاسکتی ہیں۔

میں ان بنیادی ضروریات زندگی کی یہ اہمیت ہے تو ان کے سلسلے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی عمومی اور اصولی دل چسپی اور ذمہ داری کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ فقہ اسلامی میں بھی رہائشی مکان کو آدمی کی بنیادی ضرورتوں میں شامل کیا گیا ہے اور اس کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے^(۱)

دوسری جگہ اس سے بھی آگے آدمی پر زکوٰۃ واجب ہی اس وقت ہوتی ہے جب کہ دوسری چیزوں کے علاوہ اس کے پاس رہائش کے لیے اپنا ذاتی مکان ہو۔ دوسری چیزوں کے ساتھ اس کی اس ضرورت کو مستثنیٰ کرنے کے بعد ہی اس کا صاحب نصاب ہونا متعین ہوتا ہے جس کے بعد اس کے اوپر زکوٰۃ اور صدقہ فطر واجب ہوتا ہے^(۲) مسلمان پر حج بھی اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ دوسری چیزوں کے علاوہ اس کے پاس مکان بنانے کی ضرورت سے رقم زائد ہو^(۳)

معاصر دنیا میں بنیادی ضروریات زندگی کے حوالے سے زیادہ تر بس یہی روٹی، کپڑا اور مکان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں، جیسا کہ گزرا، اس کا تصور اس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ چنانچہ روٹی، کپڑا اور مکان کے ساتھ وہ بعض دوسری ضروریات زندگی کو بھی اس فہرست میں اسی اہتمام کے ساتھ شامل قرار دیتی ہے۔ ان میں نمایاں ترین ہیں: سواری، اسلحہ، ملازم اور شادی۔ پہلے سواری کو لیتے ہیں۔

سواری

اللہ کی آخری کتاب میں اس کا بڑے اہتمام سے تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے جانوروں کو پیدا کر کے ان کو ان کا تابع کر دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ ان کا گوشت کھاتے، ان کا دودھ پیتے اور دوسرے مختلف طریقوں سے ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انھی میں سے ایک یہ ہے کہ وہ انھیں اپنی سواری کے لیے کام میں لاتے ہیں:

(۱) ہدایہ: ۱/۱۶۶، رشیدیہ دہلی۔

(۲) ہدایہ: ۱/۱۸۸۔

(۳) ہدایہ: ۱/۲۱۱۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا
مِلْكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ
فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبٌ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝ (یس: ۷۱-۷۳)

”کیا لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کو کام میں لا کر ان کے لیے جانور پیدا کیے ہیں جن پر ان کو مالکانہ دسترس حاصل ہے۔ اور ہم نے ان کو ان کا فرماں بردار کر رکھا ہے سو وہ انھیں اپنی سواری کے کام میں لاتے ہیں اسی طرح ان سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ (اس کے علاوہ بھی ان سے) ان کے لیے طرح طرح کے فائدے اور پینے کی چیزیں ملتی ہیں، تو کیا (اس پر بھی) ان کو (اللہ تعالیٰ کا) شکر گزار نہیں ہونا چاہیے۔“

دوسرے موقع پر اس کی تفصیل ہے۔ جہاں ان سے حاصل ہونے والی منفعتوں میں خاص طور پر ان کے اون سے تیار ہونے والے کپڑوں نیز ان سے حاصل ہونے والی غذا کا بیان ہے۔ دوسری منفعتوں میں اونٹ اور گائے بیل سے زمین جوتے اور پانی کھینچنے وغیرہ کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ اس موقع پر خاص طور پر گھوڑے، خچر اور گدھے کا ذکر ہے جو زمانہ نزول قرآن کے لحاظ سے انسان کی سواری اور بار برداری کا واحد ذریعہ تھے۔ جب کہ کم و بیش آج بھی ان کی یہ اہمیت اسی طرح برقرار ہے۔ دور دراز کے علاقوں اور پہاڑی راستوں کے لیے ان کی یہ ضرورت اسی طرح تسلیم شدہ ہے۔

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝
وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ وَ
تَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِلِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ۚ
إِنَّ رَبَّكُمْ لَرءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ
لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۖ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (النحل: ۵-۸)

”اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لیے جمال ہے جب کہ صبح تم انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جب کہ شام انھیں واپس لاتے ہو۔ اور تمہارے

بھاری سامانوں کو وہ ان جگہوں تک لا کر لے جاتے ہیں جہاں تم غیر معمولی مشقت سے ہی پہنچ سکتے تھے۔ بلاشبہ تمہارا بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ اسی طرح اللہ نے گھوڑے، خچر اور گدھے بنائے ہیں تاکہ تم ان پر سواری کرو اور ان سے اپنی شان بڑھاؤ۔ وہ اور بہت سی چیزیں (تمہارے فائدے کے لیے) پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔“

زیر نظر آیات میں ایک قابل توجہ ٹکڑا ’زینت‘ کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سواری کے یہ گھوڑے، خچر اور گدھے انتہاء درجہ تن درست، خوب صورت اور قیمتی ہو سکتے ہیں۔ جس سے ساتھ ہی یہ بھرپور طریقے پر زینت و آرائش کا ذریعہ بن سکیں اور ان سے آدمی کی شان دو بالا ہو۔ دوسرا اس سے اہم اس کے بعد کا حصہ ہے۔ وہ یخلق مالا تعلمون۔ جس میں یہاں تک کے لیے سائیکل، موٹر سائیکل، کار، بس، ہوائی جہاز وغیرہ دوسری تمام سواریاں شامل ہیں۔ دوسرے موقع پر اسی سلسلے میں کشتی اور اونٹ کا تذکرہ ہے:

وَ آيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمُسْحُونِ ۝
خَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝
(یس: ۴۱، ۴۲)

”اور لوگوں کے لیے ایک نشانی کا سامان یہ بھی ہے کہ ہم ان کی نسلوں کو بھری ہوئی کشتیوں میں لا کر یہاں سے وہاں پہنچاتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ان کے لیے اسی جیسی ایک دوسری چیز بھی پیدا کر رکھی ہے جسے وہ اپنی سواری کے کام میں لاتے ہیں۔“

اس موقع پر دوسری آیت کریمہ کی معروف و متداول تفسیر ’اونٹ‘ سے کی گئی ہے^(۱) لیکن اوپر نخل کی آیت کریمہ: ۸، کی طرح اس کو بھی عام رکھنے کی پوری گنجائش ہے۔ جس کے مطابق اونٹ کے علاوہ قیامت تک کے لیے اوپر کی ذکر کردہ دوسری تمام سواریوں کو اس میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی اصل و اساس قرآن میں ان سواریوں کا بیان صرف پڑھنے اور گفتگو کرنے کے لیے نہیں ہے۔ یہ تو ہے ہی، اسی کے ساتھ ہی اس کا واضح تقاضا ہے کہ اپنا آدَم کے پاس برتنے اور فائدہ اٹھانے کا یہ سامان فراوانی کے ساتھ ہو۔ ہر شخص کو سواری کی سہولت حاصل ہو، جس میں معمولی سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز اور پانی کا جہاز

(۱) الکشاف للزمخشري: ۳/۳۲۳، طبع جدید، مصر۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

دوسری سبھی سواریاں شامل ہو سکتی ہیں۔ حدیث میں بھی سواری کی یہی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ صحابی رسول حضرت ابوباسم بن عتبہؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما يكفيك من جمع المال خادم و مركب في سبيل الله۔ (۱)

”تمہارے لیے مال جمع کرنے کے سلسلے میں یہ بالکل کافی ہے کہ تمہارے پاس ایک ملازم اور راہ خدا کے لیے ایک سواری ہو۔“

دوسرے موقع پر سواری کی بات مطلق ’فی سبیل اللہ‘ کی قید کے بغیر ہے جس سے اس کے دائرے میں وسعت پیدا ہوتی ہے:

ليكف احدكم من الدنيا خادم و مركب۔ (۲)
”دنیا کہ چیزوں میں سے تم میں سے کسی شخص کے لیے دو چیزیں کافی ہیں ملازم اور سواری۔“

دوسری حدیث سے اس پر مزید اضافہ ہوتا ہے جس میں سواری کے سلسلے میں خوش گوار اور آرام دہ ہونے کی صراحت ہے:

من سعادة المرء المسكن الواسع، والجار الصالح والمركب الهنيء۔ (۳)
”آدمی کی خوش بختی کی علامت ہے کہ اس کو کشادہ مکان، اچھا پڑوسی اور آرام دہ سواری کی سہولت میسر ہو۔“

خیال رہے کہ بعض دوسری چیزوں کی طرح ’سواری کے جانوروں‘ پر بھی اسلام میں زکوٰۃ نہیں ہے^(۴) جب کہ دوسری جگہ دیگر چیزوں کے ساتھ ’سواری کے گھوڑے‘ سے مستثنیٰ کر کے

(۱) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الزہد، باب ماجاء فی ہم الدنيا وجہا۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب الزہد فی الدنيا۔

(۲) مسند احمد بن حنبل ۵: ۳۶۱۔

(۳) فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد: ۵۴۲/۱، طبعہ اولیٰ قاہرہ۔

(۴) ہدایہ: ۱۶۶۔

ہی اس کو صاحب نصاب تسلیم کیا گیا ہے۔ جس کے بعد ہی اس کے اوپر زکوٰۃ اور صدقہ فطر واجب ہوتا ہے^(۱) ظاہر ہے اس جگہ سواری کے جانوروں اور گھوڑے کا تذکرہ اس زمانہ کے لحاظ سے ہے۔ آج کے دور میں دو پہیا اور چار پہیا گاڑیوں کے ساتھ ہیلی کاپٹر کی سواری بھی اس میں اسی طرح شامل ہو سکتی ہے۔

اسلحہ

سواری کی طرح اسلحہ کو بھی اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جہاں تک مسلمان معاشرے اور مسلمان امت کی اجتماعی ضرورت کا سوال ہے اس میں اس کے لیے سواری اور اسلحہ کی تو بنیادی اہمیت ہے ہی۔ جس کی طرف کتاب اللہ میں ایک سے زائد بار مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝ (شوری: ۳۹)
 ”اور اچھے مسلمان وہ ہیں کہ ان پر چڑھائی کی جائے تو وہ اس کا مل کر مقابلہ کرتے ہیں۔“

نیز یہ کہ:

وَاعِدُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ
 بِهِ عَدُوُّ اللَّهِ وَ عَدَاؤُكُمْ وَ الْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُونَهُمُ
 اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۝ (الانفال: ۶۰)

”اور تم دشمنوں کے مقابلے جس قدر ہو سکے قوت بہم پہنچاؤ اور تیار گھوڑوں کا انتظام رکھو، تاکہ اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاگ بٹھا سکو۔ نیز ان کے علاوہ ان دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے۔ لیکن اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔“

ظاہر بات ہے سواری اور اسلحہ کے بغیر مسلمان معاشرے اور مسلمان امت کے دفاع اور اس کی سرحدوں کی حفاظت اور اس کے جائز مفادات کے تحفظ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ آیت کریمہ میں گھوڑے کا تذکرہ اس زمانے کے لحاظ سے ہے۔ آج کے دور میں اس کی جگہ بکتر

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

بند گاڑیوں، راکٹ، لائچروں اور اس سے بڑھ کر تیز رفتار ہوائی جہازوں نے لے لی ہے۔ بحریہ میں یہی اہمیت بحری بیڑوں اور پن ڈیوں وغیرہ کو حاصل ہے۔ اسی طرح 'قوت' میں اس زمانے کے لحاظ جسے لوگ دنیا میں جمع کرتے ہیں۔ فوجی مشق اور اسلحے کی تیاری شامل تھی۔ آج کے دور میں یہ چیز کافی ترقی یافتہ ہو گئی ہے۔ زمینی، فضائیہ اور بحریہ کی فوجی مشق بھی بہت مشکل اور پیچیدہ ہو گئی ہے۔ اور اسی کے لحاظ سے اسلحوں کی ضرورت بھی حد درجہ ترقی یافتہ اور خرچیلی ہو گئی ہے۔ سرفہرست معاملہ فضائی طاقت اور میزائل ٹکنالوجی کا ہے۔ اس کے بغیر آج امت اپنے دفاع کا حق ادا نہیں کر سکتی اور دفاع واجب ہے۔ پس جب امت کا دفاع اس ٹکنالوجی پر موقوف ہے، تو معروف قاعدے:

مالا یتم الواجب الا به فهو واجب۔ (۱)

”جس کے چیز کے حصول میں کسی واجب پر عمل درآمد موقوف ہو تو اس واجب کی طرح

اس کا حصول بھی واجب ہوتا ہے۔“

کے لحاظ سے آج کی دفاعی ضرورت میں دوسرے اسلحوں اور فوجی ساز و سامانوں کے علاوہ ساتھ خاص طور پر امت پر اس ٹکنالوجی کا حصول اور اس میں مہارت پیدا کرنا واجب ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آج پوری امت گنہ گار ہے۔ عالم اسلام کے سیاسی اتحاد کے ساتھ اس اسلحے کی تیاری، اس کا حصول اور اس کی ریسرچ و تحقیق اس پر واجب ہے، جس کے سلسلے میں وہ مسلسل کوتاہی کا ارتکاب کر رہی ہے۔ اجتماعی گناہ کی اس حالت میں وہ مشکل ہی سے اپنے کو مدد الہی اور نصرت خداوندی کا مستحق بنا سکتی ہے۔ حالاں کہ یہ اس کے پیغمبر ﷺ کی اہم ترین سنت ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی سیرت کے بیان میں دیگر چیزوں کے علاوہ آپ ﷺ کے اسلحوں کا بھی ایک مستقل باب پایا جاتا ہے (۲) آپ ﷺ کے یہ ہتھیار اس زمانہ کے لحاظ سے تھے۔ آج کے دور میں اس سنت پر عمل آج کے معیار کے ہتھیاروں کے حصول کے ذریعہ ہی کیا جاسکتا

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۵۳۲/۱۰ طبع جدید سعودی عرب۔

(۲) ابن قیم الجوزیہ ۷۵۱ھ: زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۱/۱۳۰-۱۳۱، موسسة الرسالہ، بیروت ۱۹۸۵ء

۱۳۰۵ھ، طبع ثانیہ، محقق ایڈیشن۔

ہے۔ دوسری آیت کریمہ میں بھی مسلمانوں کے اجتماعی دفاع کی جو بات کہی گئی ہے، آج کے زمانہ میں اس کا حق بھی اس دور کی ترقی یافتہ سوار یوں اور اسلحوں کے ذریعہ ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔

امت کی اس اجتماعی ضرورت کے علاوہ انفرادی سطح پر بھی ہتھیار اور اسلحے کو ایک مسلمان کی بنیادی ضرورت میں شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ استعمال کے کپڑے اور رہائش کے مکان کی طرح استعمالی اسلحوں پر بھی، ایک مسلمان کے اوپر زکوٰۃ نہیں ہے (۱) حالانکہ آج کے دور کے لحاظ سے یہ کافی مہنگے اور قیمتی ہو سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ مکان اور سواری وغیرہ کی طرح اس کے بغیر آدمی صاحب نصاب بھی نہیں ہوتا ہے جس کے بعد ہی اس کے اوپر زکوٰۃ اور صدقہ فطر واجب ہوتا ہے (۲)۔

شادی

زیر نظر مضمون کی یہ بہت دل چسپ بحث ہے۔ معاصر یورپ نے بہ شمول امریکہ عظمیٰ، جس کا رقبہ جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا اس کا اس روایت میں بھی حصہ ہے، شادی کی ضرورت سے اپنے کو آزاد کر لیا ہے چنانچہ کنواری مائیں اور تنہا والدین (Single Parent) آج اس کا معروف کلچر ہے۔ لیکن سرفہرست امت مسلمہ کے ساتھ دنیا کی وہ آبادی جو اپنی جنسی ضرورت کو شادی کے دائرے کے اندر ہی پوری کرنے کو ضروری خیال کرتی ہے۔ اور شادی کے باہر (Outside Wedlock) جنسی تعلقات کو اخلاقی گناہ اور قابل تعزیر جرم قرار دیتی ہے، دنیا کی اس عظیم ترین آبادی کا یہ بڑا حقیقی اور اہم مسئلہ ہے۔ جو بسا اوقات مکان اور خادم جیسی دوسری بنیادی ضروریات سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس اہم ترین انسانی ضرورت کو اس کی شدت اور تیزی کے اسی مقام پر رکھتی ہے۔ اسلام کا دستور اساسی (قرآن) ایسے مسلمان کو فقیر اور محتاج قرار دیتا ہے جو مالی تنگی کے باعث بروقت شادی کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ ایسے لوگوں کو اپنے جذبات قابو میں رکھتے ہوئے جنسی پاک دامنی کی تلقین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) ہدایہ: ۱/۱۶۶۔

(۲) ہدایہ: ۱/۱۸۸۔

اسلام ایک تجارت دہندہ تحریک

وَلَيْسَتَغْفِرَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ ط (النور: ۳۳)

”اور چاہیے کہ جو لوگ شادی نہیں کر پا رہے ہیں وہ پاک بازی کو اپنا شعار بنائیں
یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے بے نیازی سے ہم کنار کر دے۔“

اس آیت کریمہ میں ظاہر الفاظ کا اصل حکم شادی کی صلاحیت نہ رکھنے والوں کے لیے
جنسی پاک دامنی کی تلقین، استعفاف کا ہے۔ لیکن اس کے آخری ٹکڑے کا باریک مفہوم یہ ہے کہ
جب تک اس کی مالی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے مال دار نہ ہو کر کے ان کا شمار فقراء اور محتاجوں میں
ہوتا ہے اس سے اوپر کی آیت کریمہ میں اس نکتے کو کھول دیا ہے۔ جہاں معاشرے کے ذمے دار
اور صاحب ثروت لوگوں کو اس کی تاکید ہے کہ وہ اپنے یہاں کسی مرد و عورت کو بے نکاح نہ
رہنے دیں۔ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے آزاد، بن بیا ہے مردوں اور عورتوں (ایمانی) کے
ساتھ ایسے ہی غلاموں اور باندیوں کو بھی رشتہ ازدواج میں منسلک کر دینے کے تلقین ہے۔ مالی
حیثیت کے ساتھ ان کی کم زوری سماجی حیثیت کے مد نظر ان نیکی اور دین داری کی صفت کے حوالہ
سے وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ط ان کے اس کبر کا جبر اور ان کی کم زوری کی تلافی کا
سامان کیا ہے۔ اس کی روشنی میں آیت کریمہ کے الفاظ پر نظر ڈالیے۔ جہاں ایسے کم زوروں کو
صاف لفظوں فقیر اور محتاج کا نام دیا ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ط
إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ط وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ه
(النور: ۳۲)

”اور تم میں سے جو بے نکاح کے ہیں اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں جو نیک
خصلت ہیں ان کی شادی میں دیر نہ کرو۔ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل
سے مال داری عطا کرے گا۔ اور اللہ بڑی کشادگی والا، جان کار ہے۔“

یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری جگہ باندیوں کے سلسلے میں ان کی جوانی اور ایمانی صفت
کے حوالے سے ان سے نکاح کی ترغیب دی ہے۔ ’مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ‘ آزاد مرد جو اپنی
مالی مجبوریوں اپنی جوڑ کی آزاد عورتوں سے شادی نہ کر سکیں ان کے لیے باندیوں سے شادی کی

اجازت دے کر ان کو بے حیائی اور بدکاری سے بچاتے ہوئے نکاح اور شادی کی پاکیزہ زندگی کا راستہ آسان کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ
فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِأَيْمَانِكُمْ بِبَعْضِكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۚ فَإِنْ كُنَّ حُورَهُنَّ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ
وَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرُ مُسْلِفَاتٍ وَلَا
مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ (النساء: ۲۵)

”اور تم میں سے جس کو گنجائش نہ ہو کہ وہ پاک باز مسلمان عورتوں سے شادی کر سکے تو وہ تمھاری جوان مسلمان باندیوں سے شادی کر لے۔ اللہ کو تمھاری دین داری کا خوب پتہ ہے، تم سب ایک ہی خانوادے کے افراد ہو۔ تو تم ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے شادی کرلو اور قاعدے کے مطابق فوری ادائے گی کر دو۔ (ایسی باندیاں) مضبوط ارادے سے نکاح کے بندھن میں بندھیں، ان کی نگاہیں پھر کسی اور طرف نہ اٹھیں اور نہ وہ ان سے ان سے آشنائیاں کرتی پھریں۔“

آج کے حالات میں اس سے گنجائش نکلتی ہے کہ مالی کم زوری یا کسی دوسری وجہ سے آدمی اپنے جوڑ کی جگہ (کفو) میں شادی کرنے سے قاصر ہو تو ایمان و اسلام کو سب سے اوپر رکھتے ہوئے غیر کفو میں نیک اور دین دار خاتون سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ زمانی رنگ کے باوجود کتاب اللہ کی رہنمائی قیامت تک کے لیے ہے۔ اس کے ہر حرف اور ہر لفظ کی طرح اس کا ہر حکم اپنے اندر دائمی معنویت رکھتا ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ اس کی معنویت اور افادیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس وقت اصطلاحی معنوں میں دنیا سے غلامی کا رواج ختم ہو کر باندیوں سے شادی کا مسئلہ عملاً معدوم ہے۔ لیکن اس کا مفاد اور اس کا مغز اور جوہر آج بھی دور اول کی طرح قابل عمل اور قابل استفادہ ہے۔ جس کا حاصل یہی ہے کہ کسی وجہ سے آدمی اپنے جوڑ کے خاندان اور قبیلے میں شادی نہ کر سکے تو بغیر شادی کے رہنے کے مقابلے میں بہتر ہے کہ وہ اپنے معیار سے نیچے اتر کر دوسرے خاندان اور دوسرے قبیلے میں شادی کر لے۔ لیکن زیر نظر گفتگو میں اس سلسلہ آیات سے اصل استدلال یہ کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی نظر میں مالی

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

مشکلات کی وجہ سے جس کسی شخص کی شادی نہ ہو سکے وہ زندگی کی بنیادی ضرورت سے محروم اور قرآن کے لفظوں میں فقیر اور محتاج ہے۔ اوپر ملازم کے حوالے سے آپ نے حدیث پڑھی تھی۔ دوبارہ اسے شادی کے حوالے سے پڑھیے اور نبی امی ﷺ کی فراہم کردہ ہدایتیں ورہ نمائی کی وسعت و جامعیت کا مشاہدہ کیجیے:

الک امرأة تادی إليها قال نعم الک مسکن تسکنه قال
نعم قال فانت من الاغنياء قال فان لی خادما قال فانت من
الملوک۔ (۱)

”کیا تمھاری بیوی ہے جس سے تم اپنی ٹکان کو مناسکونھوں نے کہا ہاں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا تمھارا کوئی مکان ہے جہاں تم سکون سے رہ سکو۔ اس پر بھی جب انھوں نے ہاں کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تب تمھارا شمار مال داروں میں ہے۔ آگے جب انھوں نے یہ کہا کہ میرے ایک ملازم بھی ہے تو اس پر آپ ﷺ کا کہنا تھا کہ تب تو تم بادشاہوں میں ہو۔“

جس سے یہ بات مزید پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ مالی دشواریوں کے سبب جس مسلمان کی شادی نہ ہو سکے اور اس کو مناسب رہائش فراہم نہ ہو، وہ مال دار (غنی) کے بہ جائے فقیر و محتاج ہے جس سے زکوٰۃ کے سلسلے میں اسلام کے اس اصول کے مطابق:

توخذ من اغنيائهم فتزُد فی فقرائهم۔ (۲)

”زکوٰۃ مال داروں سے لی جائے گی اور غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔“

ایسا شخص مستحق زکوٰۃ ہے، اور لینے کے لیے تیار ہو تو... زکوٰۃ کی رقم سے اس کی امداد اور عنایت کی جاسکتی ہے۔ آگے ’خط افلاس‘ کی بحث میں اس نکتہ کی مزید تفصیل آتی ہے۔ دوسرے موقع پر قرآن نے شادی کو سکون کا سب سے بڑا ذریعہ بتایا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا
وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ

(الروم: ۲۱)

(۱) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الزہد، حوالہ سابق۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب اخذ الصدقة من الاغنياء، و ترد فی الفقراء حيث كانوا۔ سنن

نسائی جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزکوٰۃ، باب فرض الزکوٰۃ۔

”اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ ان کے ذریعہ تم زندگی کا سکون حاصل کر سکو۔ اور اس کے لیے اس نے تم کو محبت اور رحم دلی کے مضبوط بندھن میں باندھ دیا۔“

جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ زندگی میں جس کو شادی کی سہولت حاصل نہیں وہ اس کے حقیقی سکون سے محروم ہے۔ اس سے پہلے جس طرح قرآن نے مکان کو سکون کا ذریعہ قرار دیا ہے^(۱) جس کے بغیر آدمی کی بنیادی ضرورت زندگی کی تکمیل نہیں ہوتی، آیت بالا سے یہی درجہ شادی کو حاصل ہوتا ہے جس کے بغیر اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں بنیادی ضروریات زندگی کی فہرست نامکمل باقی رہتی ہے۔

دیگر ضروریات زندگی

فقہ میں ’زکوٰۃ‘، ’صدقہ‘، ’فطر‘ اور حج کے بیان میں ضروریات زندگی کے ضمن میں دیگر چیزوں کے علاوہ ایک تذکرہ گھر کے سامانوں، اثاثہ المنازل^(۲) کا ہوتا ہے۔ دوسرے موقع پر بھی اس کے لیے یہی لفظ استعمال ہوا ہے: واثاثہ^(۳) جب کہ حج کے بیان میں اس کے لیے ناگزیر اشیاء: وما لا بد منه^(۴) کے الفاظ آئے ہیں۔ پہلے موقع پر یہ بحث ہے کہ آدمی کے مکان، سواری اور اسلحہ وغیرہ جن دوسروں چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس میں سے ایک یہ گھر کے اثاثہ جات، اثاثہ المنازل، بھی ہیں۔ دوسری جگہ پر اس کا تذکرہ نصاب کے حوالے سے ہے۔ جس کی تکمیل کے بعد ہی کسی مسلمان پر زکوٰۃ یا صدقہ فطر واجب ہوتا ہے۔ اس کی تکمیل کے لیے جن دوسری چیزوں، مکان، کپڑے، اسلحہ اور خادم وغیرہ کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آدمی کے پاس اتنا مال ہے جس کے بعد وہ صاحب نصاب ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر زکوٰۃ اور صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے، لیکن اس کو اسی صورت میں تسلیم کیا جاتا ہے یا اس کی گنجائش رہتی ہے جب کہ اس کے پاس اپنی یہ ضرورتیں فراہم ہوں۔ لیکن اگر یہ فراہم نہ ہوں اور وہ ان کو فراہم

(۱) نحل: ۸۰، حوالہ گزر چکا ہے۔

(۲) ہدایہ: ۱/۱۶۶۔

(۳) ہدایہ: ۱/۱۸۸۔

(۴) ہدایہ: ۱/۲۱۱۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

کرنا چاہیے جس کے بعد اس کا مال گھٹ کر نصاب سے کم ہو جائے یا یہ کہ اس کو ان کو فراہم کرنے کی نیت ہو تو اس صورت میں صاحب نصاب ہوتے ہوئے بھی اس کے اوپر زکوٰۃ اور صدقہ فطر واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح حج کے وجوب کے سلسلے میں دیگر چیزوں کی تکمیل کے ساتھ اس کے پاس بنیادی ضروریات زندگی کا فراہم ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ان کی فراہمی سے حج کے مصارف سے مال کم ہو جائے یا یہ کہ ابھی سامان خریدنا تو نہیں ہے لیکن اسی نیت سے اس کو روک رکھا ہے تو اس صورت حج کے بہ قدر مال ہوتے ہوئے بھی اس کے اوپر حج واجب نہ ہوگا۔

ظاہر بات ہے کہ ہر دور کے لحاظ سے ضروریات زندگی کی نوعیت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ پچھلے زمانے میں مکان، سواری اور اسلحے وغیرہ کی ضرورت جس رقم میں فراہم ہو سکتی تھی، آج اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہی بات آج کے دور میں گھر کے اثاثہ جات کی ہے۔ جس کو اس کی معروف اصطلاح میں Home Appliances کہا جاتا ہے۔ آج کے دور میں اس کے معروف آئیٹمز فرج، ٹی وی، واشنگ مشین، اسٹیلائر، انورٹر وغیرہ۔ نیز باورچی خانے کے سامان، ٹی سٹ، ڈنرسٹ اور لیمن سٹ وغیرہ، اسی طرح ڈرائنگ روم اور بیڈ روم کے سوفا، ڈبل بیڈ اور قالین وغیرہ، آج کے دور کی سب چیزیں اوپر کے اثاثہ المنازل اور مالا بد منہ میں شامل ہیں۔ جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں بنیادی ضروریات کے سلسلے میں کتنی وسعت ہے۔ اور اس کی نمائندہ تحریک کو بجا طور پر انسانیت کی نجات دہندہ تحریک سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

دواء، علاج اور تعلیم

اس کے ساتھ ہی بدلے حالات میں دواء، علاج اور تعلیم کو بھی بنیادی ضروریات زندگی میں شامل کرنا چاہیے۔ معمول کے حالات میں آدمی کے اندر اتنی صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ روٹی کپڑا اور مکان کی بنیادی ضروریات کے ساتھ اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کے دواء، علاج اور ان کی تعلیم اور پڑھائی کا بھی مناسب بندوبست کر سکے۔ اس کے بغیر خوش حال اور توانا سماج کی تعمیر نہیں ہو سکتی جو اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی اولین ترجیحات سے ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ فقہ اسلامی میں بیوی کے واجب نفقہ میں صرف روٹی، کپڑا اور مکان کا تذکرہ ہے۔ دواء علاج کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ مال دار نہ ہونے کی صورت میں شوہر کے اوپر عورت کی طرف

سے صدقہ فطر اور قربانی کرنا ضروری نہیں ہے^(۱) لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سلسلے میں صاحب حیثیت، برسر روزگار اور مال دار اور گھر کی دیکھ بھال، شوہر کی خدمت کے لیے وقف غریب اور کم زور حال بیوی کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلی طرح کی عورت کے صدقہ فطر اور قربانی کی طرح شوہر کے لیے اس کا دوا، علاج ضروری نہ ہو تو دوسری طرح کی بیوی کے لیے ان چیزوں کی طرح اس کے خاوند پر حسب حیثیت اس کے دوا علاج کو بھی ضروری اور واجب ہونا چاہیے۔ اس پس منظر میں برصغیر ہند کا یہ عرف ہر طرح سے بہتر اور لائق تحسین ہے، جس میں عام طور پر مرد کی طرف سے عورت کے صدقہ فطر اور قربانی کے ساتھ حج کے لیے بھی اس کو اپنے ساتھ لے جانا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ عورت کے دوا علاج کے مسئلہ کو بھی اسی پر قیاس کیا جانا چاہیے۔ گھر اور بچوں کی نگرانی اور شوہر کی خدمت کے لیے فارغ عورت کے دوا علاج کا صرفہ عام حالات میں حیثیت کے مطابق اس کے شوہر پر واجب ہونا چاہیے۔ فقہ کی اوپر کی رائے کے حوالے سے وہ اس کے لیے اس کو بھائی باپ یا دوسرے لفظوں میں میکے کے حوالے کر کے چھکارہ حاصل نہیں کر سکتا۔

دوا علاج کے سلسلے میں بلاشبہ ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے۔ مرض اللہ کی طرف سے ہے تو وہی اس سے شفاء بھی عطا کر سکتے ہیں۔ جب اشیاء کی تاثیر ذاتی نہیں ہے تو دوا میں اثر بھی اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ اور وہ شفاء دینا چاہے تو بغیر دوا علاج کے بھی کسی کو اپنے آپ صحت و توانائی سے نوازا سکتا ہے^(۲) اس سلسلے میں پہلی بات یہ کہ احسان اور توکل کا یہ اعلیٰ مرتبہ اگر قابل رشک اور قابل ستائش ہے تو سب سے پہلے مسلمان خاوند کو اس پر عمل کر کے دکھانا

(۱) صدقہ فطر کے سلسلے میں فقہ حنفی میں صراحت ہے کہ بڑی اولاد کی طرح بیوی کی طرف سے بھی شوہر کے لیے صدقہ فطر نکالنا ضروری نہیں؛ ولایودی عن زوجته ولا عن اولاده الکبار، قدوری مع حاشیۃ التنتیج الغروری، ۵۰، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ اسی طرح قربانی کے سلسلے میں ہے کہ وہ اسے اپنی اور انجی کسن اولاد کی طرف سے کرے گا: بذبح عن نفسه وعن ولده الصغیر، قدوری، ۲۲۸، مجموعہ بالا، جس سے اپنے آپ ظاہر ہے کہ اس میں بیوی شامل نہیں ہے۔ فقہ حنفی کی یہ آراء اپنے آپ میں بہت ترقی یافتہ ہیں جن کا منشا ہے کہ عورت کو آزادی ملے اور اس کو کمانے اور اپنی الگ آمدنی بنانے کا حق حاصل ہو، لیکن عرف کی تبدیلی سے جب تک عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا، فطرہ اور قربانی وغیرہ کی طرح شوہر کی خدمت اور گھر کی نگرانی کے لیے وقف کے دوا علاج کے خرچ کو بھی اس کو لازماً اٹھانا چاہیے۔

(۲) اس سلسلے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو استاد محترم مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات' کی بہ حیثیت 'علاج کی فقہی حیثیت' نیز 'کیا ترک علاج اولیٰ ہے' صفحات ۲۳۰-۲۴۰ مطبوعہ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ بار اول ۱۹۹۴ء۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ خود کو نزلہ اور زکام ہو تو فوراً وہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر کے پاس پہنچ جائے اور بیوی خدا نخواستہ ٹی بی اور دے کے مرض میں گرفتار ہو جائے تو اس کے سامنے احسان و توکل کے اوپر درس دینے لگے۔ یافقہ کے اس جزئیہ میں پناہ پکڑنے کی کوشش کرے جس کے مطابق جیسا کہ گزرا شوہر کے اوپر بیوی کے واجب نفقہ میں دوا علاج شامل نہیں ہے۔ حدیث میں اللہ کے آخری رسول ﷺ نے دوا علاج کا واضح حکم دیا ہے:

تَدَاوُوا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً۔ (۱)
 ”دوا علاج سے مت چوک۔ اس لیے اللہ نے جو بیماری بھی بنائی ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی دوا ضرور رکھی ہے۔“

اور امر کا اقتضا وجوب ہے (۲) مال دار اور کام گار عورت جس کی مالی حالت مستحکم ہو وہ حدیث کے اس اقتضا پر اپنے آپ عمل کرے۔ پیسہ وہ اپنا لگائے اور شوہر اس کے ساتھ خارجی تعاون کرے۔ گھر اور شوہر کے لیے وقف عورت کی اس بنیادی ضرورت کو براہ راست اس کا شوہر پورا کرے۔ جس میں کوتاہی پر دنیا میں اسے ماخوذ اور خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا چاہیے۔ سیدنا ابراہیمؑ کی اس دعا سے اس کے حق میں استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ دوا علاج ضروری نہیں ہے، بیماری سے شفا دینا خالص اللہ کا کام ہے:

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينُ ۝ (اشعراء: ۸۰)
 ”اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ مجھ کو شفا عطا کرتا ہے۔“

(۱) سنن ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب الطب، باب الرجل يتداوى۔ جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الطب عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء في الدواء والبحث عليه۔

(۲) اس حدیث کی شرح میں یہ بات بہت ابھار کر کہی گئی ہے کہ دوا علاج جائز یا زیادہ سے زیادہ مستحب و مندوب ہے۔ مولانا فخر الحسن الکنکوی: التعلیق المحمود علی هامش سنن ابوداؤد: ۱۸۳۱، مجلہ بالا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ بعض صورتوں میں اگر یہ جائز اور مندوب ہے تو دوسری بہت سی صورتوں میں اس کے واجب ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی صراحت ہے: صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات ۲۳۱، مجلہ بالا۔ آج کے بدلے ہوئے حالات میں خاص طور پر اس رائے کو ابھارنے کی ضرورت ہے۔ آج کے دور میں جب کہ تعلیم اور کام کے حق کی طرح دوا علاج کو بنیادی انسانی حقوق پر شامل کیے جانے کی بات کہی جا رہی ہے، جواز و انتخاب کی رائے کے حوالے سے غریب اور کم زور لوگوں کو دوا علاج کی سہولت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اس پس منظر میں بسا اوقات جواز و مستحب کے مقابلے میں وجوب کی رائے کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے۔

اس لیے کہ اس سے پہلے آپ علیہ السلام کی دعا کا یہ حصہ ہے:

وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي ۖ (الشراء: ۷۹)

”اور اسی کی ذات ہے جو مجھ کو کھلاتا ہے اور میری پیاس بجھانے کا سامان کرتا ہے۔“

اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلانے پلانے سے اگر شوہر کے اوپر سے اس کی روزی کی ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی تو اس کی شفا عطا کرنے کی عنایت سے دوا علاج کی اس ذمہ داری کے ساقط ہونے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

بدلے حالات میں اولاد کی نسبت سے ان کے دوا علاج کے ساتھ ان کی تعلیم کے مسئلہ میں بھی ایسی ہی نئی رائے بنانے کی ضرورت ہے۔ اولاد کے نفقہ میں بھی بیوی کی طرح عام طور پر ان کے کھانے پکڑے اور رہائش ہی کا تذکرہ ہے۔ جس طرح کہ بشرط ضرورت اولاد کے اوپر ماں باپ کے واجب نفقہ میں بھی انہی معروف دفعات کا حوالہ ہے^(۱) یہاں بھی اولاد اور بیوی کی طرح والدین کے واجب نفقہ میں روٹی، کپڑا اور مکان کے ساتھ دوا علاج کو شامل کرنا چاہیے۔ لیکن اولاد کے سلسلے میں بالخصوص آج کے بدلے ہوئے حالات میں تعلیم (Education) کو بھی اسی طرح شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں سمجھنے اور سمجھانے کے لیے تعلیم کی دو قسمیں معروف ہیں۔ دینی اور دنیوی جہاں تک دینی تعلیم کا سوال ہے کہ اختلاف کے بغیر ہر ماں باپ کے لیے اپنی اولاد کے لیے اسی درجہ کی دینی تعلیم دینی واجب ہے جس سے کہ ان کو ضروریات دین سے آگاہی ہو سکے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ایمان اور عقیدے کے ساتھ روزمرہ کی زندگی میں عبادات و معاملات کے ضروری احکام و مسائل سے ان کو واقف ہونا چاہیے۔ جس طرح کہ ہر عاقل اور بالغ مسلمان مرد و عورت کے لیے علم دین کی اس درجہ جان کاری فرض اور واجب کے درجے میں ہے۔ ذمہ دار باپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد میں سے لڑکے لڑکی ہر ایک کو دین کے اس درجے کی تعلیم سے آراستہ کرے اور ان کے لیے اس کی سہولت بہم پہنچائے، علم دین میں مہارت اور اختصاص امت پر فرض کفایہ ہے۔ یعنی یہ فرض تو امت کی ایک خاص تعداد پر ہی ہے، لیکن اس میں اشتراک اور تعاون پوری امت کا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے مسلمان اولاد کے دین میں اختصاص اور مہارت کی ذمہ داری بھی بحیثیت مجموعی امت کے باشعور اور فرض شناس باپ کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ دنیوی تعلیم

(۱) اس کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ آج کے زمانہ کے لحاظ سے ان میں میڈیکل، انجینئرنگ، دفاع، انفارمیشن ٹکنالوجی اور صنعت و تجارت کے علوم سرفہرست ہیں۔ خالص دینی علوم کی طرح دنیا چلانے کے ان علوم کا حصول بھی مسلمان امت پر اسی طرح فرض کفایہ ہے۔ جبکہ ضرورت کے تقاضے سے مخصوص حالات میں یہ متعلق افراد کے لحاظ سے فرض عین ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ زراعت، کپڑے کی بنائی اور عمارت سازی کے حوالہ سے ہمارے قدیم فقہی ذخیرے میں بھی اس کی صراحت ہے^(۱)

مسلمان باپ کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے دینی اور دنیوی ان دونوں ہی طرح کی تعلیم کا انتظام کرے۔ یہ صحیح ہے کہ زندگی میں ہر چیز کی طرح تعلیم بھی انسان کو اپنی قسمت سے ہی ملتی ہے۔ اس لیے ضروری نہیں ہے ہر بچہ جس کو پڑھایا جائے وہ لازماً پڑھ ہی لے۔ دینی

(۱) (۱) علامہ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ کا بیان۔ ان کے مشہور و معروف فتاویٰ میں اس کے الفاظ ہیں:

اصول الضاعات، كالفلاحة، والحياكة، والبنائة: فرض على الكفاية۔ والتحقيق: انما فرض عند الحاجة اليها، وامامع امكان الاستغناء عنها فلا تجب (فتاوى ابن تيمية: ۱۹/۱۹ طبع جديد، سعوديه)۔

بنیادی ہنر اور صنعت کے کام جیسے کھیتی باڑی، پارچہ بانی اور عمارت سازی: یہ فرض کفایہ ہیں۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ ضرورت کے وقت یہ فرض عین بن جاتے ہیں۔ البتہ اس صورت میں جب کہ ان سے بے نیازی ممکن ہو تو یہ ضروری اور واجب نہیں رہ جاتی ہیں۔

ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم ۷۵۱ھ کے یہاں اس کے بعض دوسرے پہلوؤں کی تفصیل ہے۔ یہ بھی دلچسپی کی ہے: عند طائفہ محمد اصحاب احمد والشافعی تعلم الصناعات مثل الفلاحة النساجة والبناء من فرض الكفاية، لحاجة الناس اليها وكذلك تجهيز الموتى ودفنهم، وكذلك انواع الولايات العامة والخاصة التي لا تقوم مصلحة الامة الا بها۔ والطرق الحكمية في البائة الشرعية/ ۳۲۸، مكتبة المدنى و مطبعها، بدون) امام احمد اور امام شافعی کے اصحاب کی ایک جماعت کے نزدیک مختلف طرح کی صنعتوں اور حرفوں کی تعلیم جیسے کہ زراعت، پارچہ بانی اور عمارت سازی یہ فرض کفایہ ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کو ان کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح مردوں کی تجہیز و تکفین اور ان کو دفن کرنے کا معاملہ ہے۔ اور یہی معاملہ دوسرے تمام عمومی اور خصوصی عہدوں اور مناصب کا ہے جن کے بغیر امت کی مصلحتوں کا تحفظ ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے لحاظ سے آج کے حالات میں میڈیکل، انجینئرنگ اور کامرس کے ساتھ مسلمان والدین کے لیے اپنی اولاد کی سول سروسز کی تعلیم کا انتظام بھی ایسا ہی ضروری اور واجب ہے۔

اور دنیوی دونوں ہی طرح کی تعلیم میں یہ بات یکساں صادق آتی ہے۔ لیکن اس کا موقع بہ ہر حال ہر بچے کو ملنا چاہیے۔ فلاحی ریاست اگر اس کی ذمہ داری اپنے اوپر اڑھ لے تو اس سے اچھی دوسری بات نہیں ہو سکتی۔ دوسری صورت میں بچے کو اس کا یہ حق اسی صورت میں مل سکتا ہے جب کہ اس کے روٹی، کپڑے اور رہائش کی طرح تعلیم کو بھی باپ کے واجبات میں شامل کیا جائے۔ بلاشبہ اسلامی فقہ میں اس کی صراحت ہے کہ بشرط ضرورت باپ کو اپنی بالغ فریادہ اولاد سے کموانے کا حق ہے جسے وہ چودہ پندرہ برس کی عمر سے بہ جائے پڑھانے لکھانے کے کام میں لگا سکتا ہے^(۱) فقہ کے اس جزئیہ کو استثنائی صورتوں اور صرف جواز کے دائرے ہی میں رکھنا چاہیے۔ ہرگز ہرگز یہ اسلام کی نجات دہندہ کا امتیاز اور اس کی علامت نہیں بن سکتا ہے۔ معمول کے حالات میں دینی تعلیم کی طرح بچے کی دنیوی تعلیم کو بھی مسلمان باپ کی ذمہ داریوں میں شامل ہونا چاہیے۔ بلاشبہ اس سلسلے میں ریاست کا بیش از بیش تعاون ہر طرح سے مطلوب اور پسندیدہ ہے، جیسا کہ اپنی ترجیحات کے مطابق ہماری سیکولر حکومت ایک خاص سطح تک تعلیم کو بالکل مفت بنانے کا منصوبہ رکھتی ہے^(۲) لیکن بنیادی طور پر تعلیم کو باپ کی ذمہ داری قرار پانا چاہیے اور اس کے وسیع الاطراف تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے اپنی اور اپنے خاندان کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ جو نہ پڑھے وہ اپنی قسمت سے نہ پڑھے، لیکن اس کا موقع ہر بچے کو ملنا چاہیے جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ ریاست کے تعاون کے ساتھ وہ باپ کی ذمہ داری کا ایک حصہ بن جائے۔ اس پس منظر میں بسا اوقات دنیوی تعلیم کے تقاضے دینی تعلیم کے مقابلے میں بڑھ جاتے ہیں، اسی تعلیم کو بھی ایسا ہی دینی استناد ہے۔ اس لیے اس کے سلسلے میں کوتاہی اور سہل انگاری کو ہرگز ہرگز راہ نہیں ملنی چاہیے۔

(۱) رد المحتار مع الدر المختار: ۲/ ۹۲۳، کھلے سب سے باپ اپنی بالغ لڑکی سے اپنے لیے نہیں کموا سکتا جیسا کہ اس موقع پر اس کی صراحت ہے۔

(۲) ہندوستان میں چھ سال سے چودہ سال تک کے بچوں کے لیے مفت تعلیم سے متعلق ترمیمی بل ۲۰۰۱ میں لوک سبھا میں منظور ہو چکا تھا۔ جسے راجیہ سبھا میں منظوری ایک سال بعد ۲۰۰۲ میں مل سکی۔ اور سب لوگ سبھا میں اس کی آخری منظوری اس کی تکلیکی ضرورت پوری ہو کر اس کو قانون کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو راشٹریہ سہارا دہلی ۲۸ نومبر ۲۰۰۲ خبر بہ عنوان ۶۷ سال سے ۱۴ سال تک کی عمر والے بچوں کو لازمی مفت تعلیم سے متعلق ترمیمی بل منظور۔

انفرادی جدوجہد

زندگی کی ان بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اسلام کی نجات دہندہ تحریک سب سے پہلے اپنے ماننے والوں کو انفرادی سطح پر سخت جدوجہد اور محنت کی تلقین کرتی ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اپنی ضروریات زندگی کے لیے حلال روزی کا حصول سب سے بڑی نیکی ہے جسے قرآن راہ خدا میں جہاد کے برابر کا درجہ دیتا ہے اور ترتیب میں اس کو اس سے بھی اوپر رکھتا ہے:

... وَ الْآخِرُونَ يَصْرِفُونَ فِي الْأَرْضِ يَنْتَعُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۖ

وَ الْآخِرُونَ يَفْقَاتُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

”... اور دوسرے وہ جو زمین میں چلتے پھرتے ہیں اللہ کی روزی کی تلاش میں اور دوسرے وہ جو اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں۔“

جب کہ دوسرے موقع پر وہ سنن و نوافل اور ذکر و اذکار کے مقابلے میں بھی تلاش معاش کی مصروفیت کو مقدم رکھتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے نکلتا ہے کہ کاروبار اور ملازمت یا اس جیسی کسی بھی معاشی مشغولیت کا اگر یہ تقاضا ہو کہ جمعہ کے دو فرضوں کے بعد فوراً نکل لیا جائے ورنہ کوئی بڑا نقصان ہو سکتا ہے تو اس کے لیے نکلا جاسکتا ہے۔ عام حالات میں بلاشبہ فرض کے بعد کی موکدہ دو، چار یا رائے کے اختلاف سے چھ رکعتیں ضرور ادا کی جائیں^(۱)، لیکن آیت کریمہ کے ظاہر الفاظ سے وقت پڑنے پر خاص صورت میں اس کے بغیر صرف فرض کے بعد نکلنے کی گنجائش نکلتی ہے۔ بعد میں اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ مسلمان کی اصل کام یابی اللہ کی یاد سے وابستہ ہے، زبان و دل کے عام ذکر کے علاوہ جس کی بہترین صورت فرض کے بعد سنن و نوافل ہیں۔

(۱) حدیث کے لحاظ سے جمعہ کے بعد دو، چار، چھ رکعتیں تینوں کی گنجائش ہے۔ بل کہ حضرت امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کے عمل کے مطابق اس کے بعد بھی چھ رکعتیں مزید یا اس سے کم اور زیادہ پڑھی جاسکتی ہیں۔ زاد المعاد فی ہری غیر العباد: ۱/ ۳۳۷، فقہ حنفی کی معروف رائے جمعہ کے بعد دو یا چار رکعت کی ہے۔ کنز الدقائق / ۳۴، مشل حجتبائی و دہلی، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ہدایہ: ۱۲۵-۱۲۶ اور رد المحتار مع الدر المختار: ۱/ ۶۳۰، جب کہ حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) جمعہ کے بعد چھ رکعت کی ترجیح کے قائل ہیں: شیخ ابراہیم حلیمی (م ۹۵۶ھ)، غنیۃ المتحلی: فی شرح منیۃ المصلی / ۳۸۹، طبع قدیم، وزیر خانہ علی بک، مطبعہ سندھ محرم ۱۲۹۵ھ المعروف بشرح الکبیر۔ نیز: مولوی محمد حسن صدیقی تانوی: ملقط المستخلص علی هامش کنز الدقائق / ۳۴ بحوالہ بالا۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾

”توجہ (جمعہ کی) نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کی روزی کی تلاش میں لگ جاؤ اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تا کہ تم فلاح یاب ہو سکو۔“

حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے رزق حلال کے حصول کو ایمان کے بعد ایک مسلمان پر عائد ہونے والا سب سے اہم فریضہ قرار دیا:

طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔ (۱)

”حلال روزی کا حصول (سب سے اہم) فریضہ (ایمان) کے بعد (دوسرا سب سے بڑا) فریضہ ہے۔“

دوسرے موقع پر ایمان دار تاجر کو خوش خبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء۔ (۲)

”سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقیوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔“

اسی سلسلے میں آپ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

لأن ياخذ أحدكم حبله فيأتي بحزمة الحطب على ظهره

فبيعهها فيكف الله بها وجهه، خير له من أن يسأل الناس

اعطوه أو منعه۔ (۳)

”تم میں سے کوئی شخص رسی اٹھائے اور اپنی پیٹھ پر لکڑی کا گٹھا لاد کر لائے اور اسے بیچ

(۱) روایت بیہقی فی شعب الایمان، یہ حوالہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۱۔ کتاب البیوع، باب الکسب و طلب الحلال۔

مزید کے لیے ہمارے رسالہ: پردیس کی زندگی اور اسلام ۳۱، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی بار اول دسمبر ۱۹۹۰۔

(۲) جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب البیوع عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی التجار و تسمیۃ النبی ﷺ

ایاہم، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات، باب الحث علی المکاسب۔ ایضاً رواہ الدارمی والدارقطنی۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب الاستعفاف عن المسئله۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الزکوٰۃ، باب کراہۃ

المسئله الناس۔ سنن نسائی جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب المسئله۔ کتب خانہ رحیمہ دیوبند شل مجتہائی دہلی۔ سنن ابن

ماجہ، ابواب الزکوٰۃ، باب کراہیۃ المسئله۔ مجتہائی دہلی۔ نیز: مسند احمد ۲/۴۲۸، ۳/۵۵، مہمید، مصر۔

کر اپنی ضرورت کو پوری کرے، یہ اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ جس پر وہ اسے دے بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی دے سکتے۔“

نیز فرماتے ہیں:

من طلب الدنيا حلالا استعفافا عن المسئلة و سعيًا على
اهله و تعطفًا على جاره لقي الله تعالى يوم القيامة و
وجهه مثل القمر ليلة البدر۔ (۱)

”جو دنیا سے حلال روزی کا طلب گار ہوگا اس نیت کے ساتھ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ جائے، اپنے اہل و عیال کی کفالت کر سکے اور اپنے پڑوسی کے کام آئے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔“

اس سلسلے میں صحابی رسول حضرت عمرو بن العاصؓ کا یہ قول بھی دل چسپی کا ہے:

اعمل لدنياك عمل من يعیش ابدا و اعمل لآخرتك
عمل من يموت غدا۔ (۲)

”اپنی دنیا کے لیے اس شخص کی طرح کام کرو جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اپنی آخرت کے لیے اس شخص کی طرح کام کرو جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ کل کو ہی مر جائے گا۔“

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اس مسئلہ کا ایک دوسرا رخ سامنے آتا ہے جس کی بہت زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے:

مكسبة فيها بعض الدناءة خير من مسألة الناس۔ (۳)
”ایسی کمائی (اور پیشہ) جس میں کسی قدر زلت اور پستی پائی جاتی ہو وہ بھی لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔“

(۱) رواہ البیہقی فی شعب الایمان و ابو نعیم فی الحلیہ بہ حوالہ: مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، فصل ثالث ص: ۴۴۴۔

(۲) الجاحظ: کتاب البخل، ۱۵، طبع مذکور۔

(۳) ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء: ۴/۱۳۴، طبع جدید، کراچی، مجلہ بالا۔

حضرت امام مالکؒ اس کو اس سے بھی آگے لے جاتے ہیں:

ان طلب الرزق فی شبهة احسن من الحاجة الى الناس۔ (۱)
 ”شعبے کی روزی کمانا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ آدمی لوگوں کا محتاج بنے (اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلائے)۔“

جب کہ علامۃ العصر ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) اس سلسلے میں اس سے آگے کی راہ ہموار کرتے ہیں:

کل مالا يتم المعاش الا به فتحریمه حرج، وهو منتف
 شرعا۔ (۲)

”ایسی ہر وہ چیز جس کے بغیر لوگوں کی معیشت کا حساب نہ بیٹھ سکے اس کو حرام قرار دینا تنگی کا باعث ہے اور وہ شریعت کے لحاظ سے ناقابل اعتبار ہے۔“

بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے رزق حلال کے حصول کی ضرورت و اہمیت کے سلسلے میں قرآن و سنت کے یہ نصوص اور سلف کے آثار اور ان کی آراء اسلام کے ایک پیروکار کو جس حد تک آگے لے جانا چاہتے ہیں، وہ دن کے اجالے کی طرح روشن ہے۔ اس کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ اپنی اور دوسروں کی خدمت کے لیے حلال اور جائز ذریعہ سے اپنی آمدنی کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہیے۔ بل کہ مخصوص حالات میں نیچے اتر کر بھی بعض وہ راہیں اپنائی جاسکتی ہیں، جن کے سلسلے میں جواز و عدم جواز کی دو آرا ہو سکتی ہیں۔ فرد اپنے حالات کے لحاظ سے ان میں سے کسی ایک راے کو اختیار کر سکتا ہے۔ اس سے دور جدید کے معاشی منظر نامے میں معاملات کی ان بہت سی صورتوں سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش نکلتی ہے جن کے سلسلے میں عام طور پر ایک لگا بندھا اور بے لچک اور سخت گیر رویہ ہی مشہور و معروف ہے۔ لیکن دین کے مستند ترین شارحین کی اوپر کی تصریحات کی روشنی میں اس سختی میں نرمی کی راہ پیدا ہوتی ہے۔ پیغمبر رحمت ﷺ کی طرف سے دین کی رخصتوں پر عمل کی جو سہولت پہلے سے فراہم ہے، اس سے اس کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے آپ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

(۱) الشاطبی: الموافقات فی اصول الشریعة: ۳/۱۴، طبع مذکور۔

(۲) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۹/۶۴، طبع جدید، سعودی عرب۔

”ان اللہ یحب ان توتی رخصه کما یکره ان توتی معصية۔ (۱)
 ”اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ ان کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح کہ وہ
 اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ ان کی معصیت کا ارتکاب کیا جائے۔“

اصلاح معاش

حصول معاش کی یہ جدوجہد کام یاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اس کے ساتھ اصلاح معاش کے نکتے کو شامل نہ کیا جائے۔ اس کے سلسلے میں اقتصاد اور میانہ روی، اسراف اور فضول خرچی سے گریز، صبر و قناعت، دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے کم تر کو دیکھنے وغیرہ وغیرہ کی قرآن و سنت میں جو تلقین ہے، اس کا اہتمام تو حد درجہ ضروری ہے ہی جس کے بغیر انسان کی معاشی حالت کبھی بھی مستحکم اور پائیدار نہیں ہو سکتی۔ آدمی کتنا بھی کمالے اور اس کی آمدنی جس حد تک بھی بڑھ جائے اگر اس کو اصلاح معیشت کے ان اصولوں کا پاس نہ ہو تو زندگی میں کبھی بھی اس کو معاشی سکون و اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ اصلاح معاش کے اس عنوان کا تقاضا ہے کہ اللہ نے جس کو روزی کا جو ذریعہ اور معاش کا جو وسیلہ فراہم کیا ہے وہ اس کی زیادہ سے زیادہ قدر کرے اور اس کو ممکن حد تک ثمر بار آور نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کرے۔ معاش کے معاملے میں سستی، کاہلی اور سہل انگاری نہ صرف یہ کہ کوئی نیکی اور دین داری نہیں بل کہ ایک پہلو سے یہ سب سے بڑا گناہ ہے جس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بہ جائے صحیح الفکر مخلص مسلمان کا رویہ اپنی معاشی حالت کو بہتر سے بنانے کا ہونا چاہیے۔ جائز ذریعہ سے وہ معیشت کو جس حد تک مضبوط و مستحکم کر سکے اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس کو حد درجہ پسندیدگی اور اعتراف کی نظر سے دیکھتی ہے۔ یہ کسی اور کا نہیں بل کہ ان کے فقیہ اعظم اور حکیم اعظم ہونے کے ساتھ اس کے زاہد اعظم خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے جسے اس

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۲/۱۰۸، ایضاً رواہ ابن حبان بہ حوالہ: تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۴۔

(۲) اس سلسلے میں قرآن شریف کے مضامین معروف ہیں۔ اقتصاد اور میانہ روی اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے کم تر کو دیکھنے وغیرہ سے متعلق بعض احادیث کے مختصر حوالوں کے لیے: سنن ابوداؤد: ۲/۳۰۳، جامع الترمذی: ۲/۲۲، طبرانی: المعجم الصغیر: ۲۰۴، مطبع النصارى دہلی ۱۳۱۱ھ۔ مشکوٰۃ المصابیح: ۴۴-۴۳۸ نیز جامع الترمذی: ۲/۲۱۰، رشیدیہ دہلی۔

ذیلی اسلام کی نجات دہندہ تحریک اپنا عنوان اور سرنامہ بنا سکتی ہے:

واصلحوا اموالکم التی رزقکم اللہ، و تعلیل فی رفق

خیر من کثیر فی عنف۔ (۱)

”وہ مال جس کو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس کا بہتر سے بہتر استعمال کرنے کی کوشش کرو، اور جو سکون کے ساتھ تھوڑا مل جائے وہ آپادھاپی کے زیادہ سے بہتر ہے۔“

اسی سلسلے میں علماء اور حکماء کا یہ قول بھی دل چسپی کا ہے:

و قد زعموا ان الاصلاح احدا لكسبين كما زعموا ان

قلة العیال احد الیسارین۔ (۲)

”اہل نظر کا کہنا ہے کہ معاشیات کی بہتر تنظیم آدمی کی آدمی کمائی ہے جس طرح کہ ان کا یہ کہنا ہے کہ چھوٹا کنیہ آدمی کے لیے آدمی آسانی کا باعث ہے۔“

اللہ کے رسول ﷺ کی اس حدیث سے بھی اسی کا اشارہ نکلتا ہے:

اذا سبب اللہ لاحدکم رزقا فلا يدعه حتی يتغير له او

يتنكر له۔ (۳)

”جب تم میں سے کسی کے لیے اللہ تعالیٰ روزی کا کوئی ذریعہ پیدا کریں تو اسے وہ اس وقت تک نہ چھوڑے جب تک کہ وہ اس کے لیے بالکل ہی ناسازگار اور ناموافق نہ ہو جائے۔“

(۱) تاریخ الطبری: ۳/۲۱۶، طبع جدید، مجلہ بالا۔ اس سلسلے میں اہل نظر کا یہ قول بھی دل چسپی کا ہے کہ: القلیل الدائم اکثر من الکثیر المعقطع، کتاب البخلۃ، ۲۰۲، مجلہ صدر۔ مستقل آمدنی جو تھوڑی ہو وہ اس کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور نتیجہ خیز ہے جو ہوتو بہت زیادہ لیکن بیچ بیچ میں کٹتی رہے۔

(۲) جاحظ: کتاب الخلاء، ۱۵۔ دوسرے موقع پر جاحظ نے اس قول کو قدرے ترمیم سے نقل کیا ہے: القلم احد اللسانین کما قالوا: قلة العیال احد الیسارین: البیان والتبیین: ۱/۹۴، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۹۴۷ء۔ ۱۳۴۲ھ۔ قلم آدمی کی آدمی زبان ہے، جس طرح اہل نظر کا یہ کہنا ہے کہ چھوٹا کنیہ آدمی کے لیے آدمی آسانی کا باعث ہے۔

(۳) سنن ابن ماجہ، أبواب التجارات، باب اذا قسم للرجل رزق من وجه فلیلزمہ۔ نیز مسند احمد بخوالہ مشکوٰۃ، ۲۴۳۔

معاشرہ کی حصہ داری

لیکن بہت سی صورتوں میں اپنی بھرپور محنت اور جدوجہد کے باوجود آدمی اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل سے قاصر رہتا ہے۔ وہ پوری محنت اور اور سر سے پیر تک پسینہ بہا لینے کے بعد بھی اپنی ضرورت کے مطابق کمائیں پاتا اور زندگی میں اس کے بہت سے منصوبے تشنہ اور نامکمل اور اس سے متعلق بہت فرائض و واجبات اس کے ذمہ باقی رہ جاتے ہیں۔ بیماریاں، معذوریات، قدرتی افتاد اور آسمانی اور زمینی آفات وغیرہ اس کے علاوہ ہوتی ہیں جن کی وجہ سے بسا اوقات اچھا بھلا آدمی بھی مصائب میں گرفتار اور مسائل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ ایسی تمام صورتوں میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک اپنے خوش حال پیروکاروں کو غریب، محتاج، کم زور اور نادار و ناتواں لوگوں کی امداد اور تعاون کا پابند بناتی ہے۔ امیر کے مال میں غریب کا حق ہے۔ اسے دے کر وہ اس کے اوپر کوئی احسان نہیں کرتا^(۱) جس کا دل یتیم کو دیکھ کر نہ پگھلے اور جو مسکین کو کھلانے کے لیے بے چین نہ ہو قرآن کی نظر میں ایسے شخص کی ظاہری دین داری کا کوئی اعتبار نہیں^(۲) ایک اللہ کی بندگی کے بعد مسلمان کے اوپر جو دوسری سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں اور زیر دستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اور ان کی مالی ضروریات کی تکمیل میں ان کا ہاتھ بٹائے^(۳)

یہ حسن سلوک اور یہ معاشی خبر گیری بعض صورتوں میں مندوب و مستحسن ہے تو دوسری صورتوں میں یہ اس سے آگے بڑھ کر قرض و واجب کے دائرے میں آتی ہے۔ ماں باپ اور غریب رشتہ دار اگر وہ مدد کے محتاج ہوں تو شریعت کی قرار داد ترتیب کے مطابق ان کے اوپر خرچ کرنا اور ان کی مالی مدد کرنا متعلق افراد پر فرض و واجب ہے^(۴) اس کے ساتھ ہی، معاشرے

(۱) ذاریات: ۱۹، معارج: ۲۳-۲۵۔

(۲) ماعون: ۱-۷۔

(۳) نساء: ۳۶۔

(۴) تفصیل کے لیے ہماری کتاب 'مشرکہ خاندانی نظام اور اسلام اور بچوں کی مزدوری اور اسلام کے متعلقہ مباحث' شائع کردہ بہ ترتیب: ادارہ تحقیق، علی گڑھ، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

کے عام غریبوں، یتیموں اور محتاجوں کی خبر گیری ضروری ہے جن کے سلسلے میں اسلام زیادہ سے زیادہ اپنے ماننے والوں کو دینے دلانے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ وہ نیکی ہے جس سے اللہ رب العزت کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے^(۱) اس کے علاوہ قرآن و حدیث کے صفحات اس کی فضیلت اور ترغیب سے بھرے ہوئے ہیں۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ جینا دراصل انھی لوگوں کا جینا ہے جو دوسروں کی مدد کریں اور دوسروں کے کام میں آئیں۔ اپنی ضرورت سے جو کچھ زائد بچے اسے خدا کی راہ میں اور بندگان خدا پر لٹا دیں^(۲) بل کہ بسا اوقات اپنی ضرورتوں کو دبا کر اور ان کو موخر کر کے خدا کے دوسرے بندوں کو اپنے اوپر ترجیح دیں^(۳)

ریاست کا تعاون

لیکن ایسا ہو سکتا ہے کہ ان ضروریات کی تکمیل میں معاشرہ کی حصہ داری بھی کفایت نہ کر سکے۔ ایسی صورت میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک آگے بڑھ کر ریاست کو سامنے لاتی اور اسے اپنے عوام کی ضروریات کی تکمیل کا ذمے دار اور نگران قرار دیتی ہے۔ مسلمان اور غیر مسلم کی تفریق کے بغیر اسلامی ریاست کے ہر باشندے کی بنیادی ضروریات کو لازماً پورا ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ریاست اپنے افراد کی ذہنی اصلاح اور رضا کارانہ تعاون کے لیے ان کو زیادہ سے زیادہ آمادہ کرے گی۔ اور مال داروں اور صاحب ثروت لوگوں کو خاص طور پر اس کی طرف متوجہ کرے گی۔ لیکن ریاست کی یہ اپیل اگر کارگر نہ ہو اور لوگ خوش دلی کے ساتھ ریاست کی اس مہم میں اپنے کو شریک نہ کر سکیں تو ذمہ دار اسلامی حکومت آگے بڑھ کر اپنے مستحق عوام کی ضروریات کی تکمیل کے لیے دوسرے اقدامات کے لیے اپنے کو مجبور پائے گی۔ چنانچہ زکوٰۃ کی رقم اس مقصد کے لیے کفایت نہ کرے تو غیر مسلم عوام کے ساتھ وہ اپنے مسلمان عوام پر بھی دوسرے مالی واجبات کا اضافہ کر سکتی ہے۔ جیسا کہ حدیث سے اس کی

(۱) جامع الترمذی جلد ۱، ابواب السفر، باب ما ذکر فی فضل الصلوٰۃ، سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب کف

اللسان فی الفتنہ۔

(۲) بقرہ ۲۱۹۔

(۳) حشر: ۹۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

صاف گنجائش نکلتی ہے^(۱) اسلامی ریاست کے سربراہ، اس کے امیر اور خلیفہ کے اوپر یہ ذمہ داری قیامت تک کے لیے یکساں طور پر عائد ہوتی ہے^(۲) ضرورت کی یہ تکمیل مسلمان اور غیر مسلم کے کسی فرق و امتیاز کے بغیر ہوگی۔ یہودی ہو کہ عیسائی اور ہندو ہو کہ مسلمان اس معاملے میں عقیدے اور مذہب کے فرق و اختلاف کا کوئی لحاظ اور کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ اس کے سلسلے میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ اسوہ کفایت کرتا ہے جس میں اپنے عہد خلافت میں بوڑھے یہودی سے جزیہ ساقط کر کے بیت المال سے اس کے لیے آپ نے مستقل وظیفہ جاری فرمایا^(۳)

اسلامی ریاست اس معاملے میں جس درجہ حساس ہوگی اس کا اندازہ اس سلسلے میں ان کے اس مشہور قول سے لگایا جاسکتا ہے کہ:

لو ماتت شاة علی شاطئ الفرات ضائقه لظننت ان الله

عز وجل سائلني عنها يوم القيامة۔ (۴)

”اگر نگرانی کی کمی سے دریائے فرات کے کنارے پر ایک بکری بھی مر جائے تو میں سمجھوں گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں بھی باز پرس فرمائیں گے۔“

(۱) حضرت فاطمہ بنت قیس کی نبی ﷺ سے روایت: ان فی المال حقاً سوى الزکوة، اللہ کے رسول ﷺ نے اس موقع پر سورہ بقرہ کی آیت کریمہ: ۱۷۷، کا حوالہ بھی دیا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وُجُوْهُکُمْ لَیْلَۃٍ۔ جس میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کو مال دینے کا ذکر ہے۔ جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب الزکوٰۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء ان فی المال حقاً سوى الزکوة۔ یہاں اس روایت کی سند پر کلام ہے لیکن اس آیت کریمہ کے حوالہ سے اس کے حق میں جو سند حاصل ہوتی ہے، اس کے بعد اس استدلال میں کوئی کمی باقی نہیں رہتی ہے۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزکوٰۃ، باب ما ادى زکوٰۃه لیس بکنز۔ الضارواہ الداری۔

(۲) ہمارے رسالہ بچوں کی مزدوری اور اسلام کی بحث ریاست کا تحفظ۔

(۳) ابویوسف کتاب الخراج ۱۲۶، المکتبۃ السلفیہ، مصر ۱۳۵۲ھ طبعہ ثانیہ۔

(۴) ابن جوزی: سیرۃ عمر بن الخطابؓ اول حاکم دلمقراطی فی الاسلام ۱۱۳، الدار القومیہ، مصر، دوسری جگہ اس کے بجائے اونٹ کا لفظ ہے: لو مات جمد ضیاعاً علی شط الفرات لخشیت ان یسألنی اللہ عنہ۔ طبقات ابن سعد: ۳/۳۰۵، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء ۱۳۷۷ھ۔ دریائے فرات کے کنارے پر اگر ایک اونٹ بھی ضائع ہو کر مر جائے تو مجھ کو ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کی بھی ضرور باز پرس کرے گا۔

دوسری روایت میں ان کا یہ قول ان لفظوں میں ہے:

لو مات جدی بطف الفرات، فخشیت ان يحاسب الله

بہ عمر۔ (۱)

”اگر دریاے فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ عمر سے اس کا بھی ضرور حساب لے گا۔“

چنانچہ معلوم ہے کہ آپؐ نے اپنے عہد خلافت میں بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی بیت المال سے اس کے وظیفہ کا انتظام کر رکھا تھا۔ بچہ جیسے جیسے بڑا ہوتا وظیفہ کی مقدار بھی اس کے مطابق بڑھتی جاتی تھی (۲) اس سلسلے میں اسلامی ریاست کس حد تک آگے جاسکتی ہے اس کا اندازہ بھی انھی کے دوسرے مشہور قول سے لگایا جاسکتا ہے۔ معلوم ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ۱۸-۱۷ھ میں مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ میں بڑا شدید قحط پڑا تھا۔ جس کا سلسلہ کم و بیش ۱۷ھ کے آخر اور ۱۸ھ کے اوائل تک قریب ایک سال تک جاری رہا۔ اس میں ہواؤں کے چلنے سے جو مٹی اڑتی تھی قحط کی شدت سے اس کا رنگ جل کر کالا رکھا (رماد) کی طرح ہو گیا تھا (۳) اسی مناسبت سے تاریخ میں اس سال کو عام الرمادہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ خلیفہ دوم نے اس پوری مدت میں گھی، دودھ اور گوشت کھانا بالکل ترک کر دیا تھا۔ اور ان کا کہنا تھا کہ جب تک میں خود اس مشکل اور تکلیف سے نہ گزروں مجھ کو عوام کی مشکلات اور تکالیف کا صحیح اندازہ کیوں کر ہو سکے گا (۴) اس موقع پر اس قحط سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انھوں نے جو دوسری تدبیریں کیں وہ اپنی جگہ، اپنے صاحب زادے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ساتھ ہی ان کا

(۱) ابن جوزی: سیرۃ عمر بن الخطابؓ اول حاکم ديمقراطی فی الاسلام ۱۱۳، الدار القومية، مصر، دوسری جگہ اس کے بہ جائے اونٹ کا لفظ ہے: لو مات جمل ضیاعا علی شط الفرات لخشیة ان یسألنی اللہ عنہ۔ طبقات بن سعد: ۳/۳۰۵، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، ۱۳۷۷ھ۔ دریاے فرات کے کنارے پر اگر ایک اونٹ بھی ضائع ہو کر مر جائے تو مجھ کو ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کی بھی ضرور باز پرس کرے گا۔

(۲) طبقات بن سعد: ۳/۲۹۸، بحوالہ بالا۔

(۳) طبقات: ۳/۳۱۰۔

(۴) تاریخ الطبری: ۳/۹۸، طبع جدید، دار المعارف قاہرہ، طبعہ رابعہ، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، مزید: طبقات بن سعد: ۳/۳۱۳۔

یہ کہنا تھا، خلیفہ دوم کا یہی قول اس وقت دل چسپی کا ہے اور اس کا اوپر تذکرہ ہے:

لَوْلَمْ أَجِدْ لِلنَّاسِ مِنَ الْمَالِ مَا يَسْعُهُمُ إِلَّا أَنْ أَدْخُلَ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ عِدَّتَهُمْ فَيَقَاسُمُونَهُمْ أَنْصَافَ بَطُونِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِحَيَا فَعَلْتُ، فَانْهَمُ لَنْ يَهْلِكُوا عَنْ أَنْصَافِ بَطُونِهِمْ۔ (۱)

”اگر لوگوں کے لیے میرے پاس مال کی فراہمی کی اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہ بن سکے کہ میں ہر گھر میں اتنے ہی افراد اور داخل کردوں جو ان سے ان کے آدھے پیٹ کا کھانا بانٹ لیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش آجائے اور قحط ختم ہو جائے تو ایسا کرنے سے میں بالکل نہیں چوکوں گا۔ اس لیے کہ لوگ آدھا پیٹ کھانے سے مر نہیں جائیں گے۔“

اس سلسلے میں خلیفہ دوم کے دوسرے اقوال بھی دل چسپی کے ہیں جن سے اپنے عوام کے تئیں اسلامی ریاست کی بڑھی ہوئی معاشی ذمے داریوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

لَوْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ، لَأَخَذْتُ فَضُولَ

أَمْوَالِ الْغَنِيَاءِ، فَقَسَمْتُهَا عَلَى فَقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ۔ (۲)

”جو بات اس وقت میری سمجھ میں آرہی ہے اگر یہ اس سے پہلے مجھ کو سمجھ میں آجاتی تو میں مال داروں سے ان کے تمام فاضل مالوں کو لے کر انھیں فقرا مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔“

فقرا مہاجرین کی یہ تخصیص اس وقت کے مخصوص حالات کے لحاظ سے ہے جو ابتداء اسلام میں اپنی عظیم قربانیوں کے پیش نظر بجا طور پر ریاست کی خصوصی توجہ کے مستحق تھے۔ بعد کے حالات کے لیے ریاست کی یہ ذمہ داری اپنے عموم پر باقی رہتی ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس سلسلے کے دوسرے اقوال سے اس کی تائید ہوتی ہے:

وَاللَّهِ لَا زَيْدَنَّ النَّاسَ مَا زَادَ الْمَالُ، لِأَعْدَنَ لَهُمْ عَدَا فَا

أَعْيَانِي كَثَرَتْهُ لَأَحْثُونَ لَهُمْ حَثْوًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، هُوَ مَالُهُمْ

يَأْخُذُونَهُ۔ (۳)

(۱) طبقات بن سعد: ۳/۳۱۶، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، ۱۳۷ھ، مجلہ صدر۔

(۲) تاریخ الطبری: ۲/۲۲۶، مجلہ بالا۔

(۳) طبقات بن سعد: ۳/۳۰۵۔

”خدا کی قسم مال جس قدر بڑھتا جائے گا میں لوگوں کے وظیفہ اور راحت میں اسی قدر اضافہ کرتا جاؤں گا، پہلے تو میں انھیں گن گن کر دوں گا، لیکن اس کی فراوانی سے اگر مجھ کو دشواری محسوس ہوتی تو بغیر گنے بے حساب میں انھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے بھر کر دوں گا۔ یہ مال جب عوام کا ہے تو ان کے پاس نہیں جائے گا تو کس کے پاس جائے گا۔“

یہاں تک کہ اپنے زمانہ خلافت کے آخری حصہ میں یہ تک فرمایا کہ:

وَاللّٰهُ لَنَبْقِيَتِ اِلٰى هٰذَا الْعَامِ الْمَقْبِلِ لَا لِحَقْنِ اٰخِرِ النَّاسِ

بَاوْلَهُمْ وَلَا جَعَلْنَهُمْ رَجُلًا وَاحِدًا۔ (۱)

”قسم اللہ کی اگر میں اگلے سال تک زندہ رہ گیا تو مال کے لحاظ سے میں سماج کے آخری آدمی کو پہلے آدمی سے ملا دوں گا۔ یہاں تک کہ اس پہلو سے آدمی اور آدمی کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔“

دوسری روایت میں اس قول کے الفاظ ہیں:

لَنَبْقِيَتِ اِلٰى الْحَوْلِ لَا لِحَقْنِ اَسْفَلِ النَّاسِ بِاعْلَاهِم۔ (۲)

”اگر میں ایک سال زندہ رہ گیا تو مالی حیثیت سے سماج کے سب سے کم زور اور پست آدمی کو اس لحاظ سے اس کے سب سے مضبوط اور اونچے آدمی سے ملا دوں گا۔“

دور جدید کے معاشی فلاح کے سوشلزم کے فلسفہ میں اس سے آگے اور کیا کہا جاسکا ہے۔ اور معاصر دنیا کے عوام اور حکمرانوں ہر ایک کے لیے اس میں عبرت ہے جن کا اصرار ہے کہ سیکولر بنیادوں پر استوار ہونے والی حکومت ہی صحیح معنوں میں انسانیت کی فلاح کی ضمانت دے سکتی ہے۔ اس سے نکل کر جہاں وہ مذہب کے دائرے میں آئی تو ساری خرابیاں اسی کے بطن سے پیدا ہوں گی۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے اس آئینے میں اس غلط فہمی کے خدو خال کو آسانی کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔

(۲، ۱) طبقات: ۳/۲۰۲، جملہ صدر اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں پر مزید گفتگو کے لیے محمد نجات اللہ صدیقی:

اسلام کا نظریہ ملکیت/ ۳۹۱-۳۵۳، گیارہواں باب، اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں۔ مرکزی مکتبہ اسلامی

دہلی بار اول فروری ۱۹۷۸ء، مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی۔

خط افلاس

اس مرحلہ پر 'معاشی تحفظ' کی بحث میں خط افلاس (Poverty Line) یا (گسریبی رے خط) کے مسئلہ کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے جس کا آج کے زمانہ میں بڑا چرچا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک معاشی تحفظ کے اپنے انقلابی تصور میں دوسری چیزوں کی طرح خط افلاس کے مسئلہ میں بھی اپنا الگ ممتاز نقطہ نظر رکھتی ہے۔ جو ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک لمحہ فکر یہ فراہم کر سکتا ہے جو ہر وقت اسلام کو بس شک اور نقد کی نظر سے دیکھنا ہی ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس سے استفادہ اور اس سے ہم دردانہ رویے کو اپنے لیے خارج از سوال سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ کم از کم اس مسئلہ میں وہ اپنا رویہ بدلیں گے۔ اور اسلام کی پیش کردہ رہنمائی سے مثبت فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ جس سے امید ہے کہ اس پورے نظام رحمت کے بارے میں ان کا رویہ تبدیل ہوگا۔ اور اللہ کے آخری دین کو وہ اپنا حریف اور مد مقابل سمجھنے کے باوجود اسے اپنا حلیف اور ہمد و ہمدرد خیال کریں گے۔ زمانہ کے مذاق کی رعایت سے اللہ کی اسی آخری رہنمائی کو ہم اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا نام دیتے ہیں۔ وطن عزیز کے موجودہ معاشی لغت کے مطابق تکنیکی طور پر جس شخص کو دو وقت کی روٹی میسر نہ ہو سکے اور جو اسی طرح زندگی کی دوسری بنیادی ضروریات کپڑا، رہائش اور دوا، علاج وغیرہ سے قاصر ہو اسے خط افلاس سے نیچے باور کیا جاتا ہے۔ جسے سادہ لفظوں میں اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ انڈین یونین کے جس شہری کو دو وقت پیٹ بھر روٹی کھانے کو نہ ملے وہ خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرتا ہے^(۱) جس کا اندازہ جیسا کہ آپ نے کتاب کے پہلے باب میں دیکھا ہندوستان میں کم وبیش اس کی نصف آبادی پچاس کروڑ کا ہے۔

(۱) خیال رہے کہ ۹۴-۱۹۹۳ کے لحاظ سے امریکہ عظمیٰ میں چار افراد کے جس کی سالانہ آمدنی چودہ ہزار سات سو تترہ ۶۳۷۱۴ امریکی ڈالر نہ ہو وہ خط افلاس سے نیچے ہے۔ یہ رقم اس وقت کی ہندستانی کرنسی میں کم وبیش چھ لاکھ بنتی ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ ہندستانی کرنسی میں جس خاندان کی آمدنی ماہانہ پچاس ہزار یا اس سے کم ہو وہ امریکہ عظمیٰ کے لحاظ سے خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہیں تفاوت وہ ازگنا تا کجا۔ حوالہ کے لیے: دی ٹائمز آف انڈیا نئی دہلی ۸ اکتوبر ۱۹۹۴ء زیر عنوان: Poverty on rise in the U.S. (ریاست ہائے متحدہ امریکہ جہاں غربت کا گراف دن بدن بڑھتا جا رہا ہے)۔

اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا خط افلاس اس سے بہت مختلف ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے زکوٰۃ کے مسئلہ میں اپنی مشہور حدیث میں اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے جہاں اس کا اصول یہ بتایا ہے:

توخذ من اغنيائهم و ترد علی فقرائهم۔ (۱)

”زکوٰۃ مال دار مسلمانوں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔“

اس کے ظاہر الفاظ کا منشا بالکل واضح ہے کہ زکوٰۃ امیروں سے لی جائے گی اور غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔ لیکن اسی سے اس کا دوسرا یا باریک مفہوم بھی نکلتا ہے جس سے اسلام کا خط افلاس کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو زکوٰۃ دینے کا اہل نہ ہو یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ جو صاحب نصاب نہ ہو جس سے کہ آدمی کے اوپر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ مال دار غنی نہ ہو کر محتاج فقیر ہے۔ جس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ خط افلاس پر یا اس سے نیچے رہتے ہوئے جو شخص مفلس ہو اسی کا دوسرا نام ’فقیر‘ ہے جس کو حدیث بالا اسلامی معاشرہ میں زکوٰۃ کا مستحق قرار دیتی ہے۔ اس سے اپنے آپ نکلا کہ خط افلاس سے اوپر وہی ہے جو صاحب نصاب اور مال دار ہے۔ جس کے اوپر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جس کے سلسلے میں اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے مال داروں سے وصول کر کے اپنے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم کا اہتمام کرے۔ حدیث بالا کے سلسلے میں علامہ ابن رشد (م ۵۹۵ھ) کی اس تشریح کو آب زر سے لکھا جانا چاہیے:

و اذا كان الاغنياء هم الذين هم اهل النصاب وجب

ان يكون الفقراء عندهم۔ (۲)

(۱) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الامر بالایمان باللہ و رسولہ و شرائع الدین والدعاء۔ البتہ یہاں ’علی فقرائهم‘ کے ساتھ ’فی فقرائهم‘ کے بھی الفاظ ہیں۔ نیز جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب الزکوٰۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی کراهیۃ اخذ خیار المال فی الصدقۃ۔ یہاں بھی الفاظ ’علی فقرائهم‘ ہی کے ہیں۔

(۲) بدایۃ المجتہد ۱/۲۷۱، دار المعرفۃ، بیروت، طبع سادہ ۱۹۸۳ء، ۱۳۰۳ھ، طبع جدید۔

”جب مال دار وہ لوگ قرار پائے جو (زکوٰۃ کے لیے) صاحب نصاب ہوں تو اس سے طے ہو گیا کہ غریب وہ ہیں جو صاحب نصاب نہ ہوں۔“

فقہ کے دوسرے امام صاحب ہدایہ برہان الدین مرغیانی (م ۵۹۳ھ) کے یہاں یہ مسئلہ مزید وضاحت کے ساتھ ہے۔ چنانچہ پہلے وہ یہ جزئیہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص کسی بھی نوعیت کے مال کے ذریعہ صاحب نصاب ہو جائے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے:

ولا يجوز دفع الزکوۃ الی من یملک نصابا من ای مال کان۔ (۱)

”جو شخص صاحب نصاب ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے چاہے یہ نصاب جس کسی مال سے پورا ہو جائے۔ (سونا چاندی، سامان یا مال مویشی وغیرہ)۔“

آگے کے جزئیہ میں فرماتے ہیں جو اس وقت زیر بحث ہے:

و يجوز دفعها الی من یملک اقل من ذلک و ان کا صحیحاً مکتسباً۔ (۲)

”زکوٰۃ اس شخص کو دی جاسکتی ہے جو نصاب سے کم کا مالک ہو اگرچہ وہ تن درست اور کیرا ہو۔“

پھر اس کی دلیل میں فرماتے ہیں:

لانه فقیر والفقراء هم المصارف و لان حقيقة الحاجة لا یوقف علیها فادیر الحكم علی دلیلها و هو فقد النصاب۔ (۳)
”اس لیے کہ وہ محتاج ہے۔ اور محتاج ہی زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔ نیز اس لیے کہ ضرورت کی حقیقت کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا۔ تو حکم کو اس کی دلیل پر موقوف قرار دیا گیا اور یہ نصاب کا نہ پایا جاتا ہے۔“

اس میں صراحت ہے کہ جو شخص صاحب نصاب نہ ہو اگرچہ وہ تن درست اور کمانے والا ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس لیے کہ آدمی کی دوہی حالتیں ہو سکتی ہیں یا وہ مال دار ہوگا یا محتاج

(۱) ہدایہ: ۱/۱۸۵، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

(۲) ہدایہ: ۱/۱۸۵، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

(۳) ہدایہ: ۱/۱۸۵، کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

ہوگا۔ تو صاحب نصاب نہ ہو کر جب وہ مال دار نہیں رہا تو اسے فقیر یعنی کہ محتاج تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ ضرورت اور احتیاج کا معیار ہر شخص کے لیے الگ الگ ہوتا ہے اور اس کے لیے کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ مال داری اور محتاجی کے معیار کے لیے سب سے آسان اور موزوں صورت ہے کہ نصاب کو اس کا معیار مان لیا جائے۔ پس صاحب نصاب کے لیے زکوٰۃ دینا ہے اور جو صاحب نصاب نہ ہو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

مزید براں فقہ اسلامی میں جابجا فقہ کی بحث میں 'یسار' فراخی کا تذکرہ آتا ہے۔ آدمی کے اوپر اپنے مال باپ کا فقہ اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ وہ خود فراخ دست اور مال دار ہو (۱) اسی طرح کے موقع کے لیے فراخی 'یسار' کا تذکرہ آتا ہے۔ اس کا اندازہ بھی نصاب زکوٰۃ سے کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ شریعت میں یہی مال داری 'غنی' کا معیار ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے:

قدر اليسار بنصاب لتقدر الغناء في الشرع به۔ (۲)

”فراخی کا پیمانہ زکوٰۃ کے نصاب کو اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ شریعت کی نظر میں اسی سے مال داری کو ناپا جاتا ہے۔“

مشہور روایت کے مطابق زکوٰۃ کا نصاب $\frac{5}{4}$ تولہ چاندی یا $\frac{1}{4}$ تولہ سونا ہے۔ جس شخص کے پاس سال کے ابتدا اور اس کے آخر میں اس مقدار میں سونا یا چاندی یا اس کے برابر نقد روپیہ ہو، وہی صاحب نصاب ہوتا ہے اور اسی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی نظر میں وہی مال دار ہے جو خط افلاس سے اوپر ہے۔ جو اس

(۱) ہماری کتاب 'مشترک خاندانی نظام اور اسلام' کا آخری حصہ تحت عنوان: 'دوسرا مکانی شبہ اور اس کا جواب' محمولہ بالا۔

(۲) ہدایہ: ۱/۱۸۸، رشیدیہ دہلی۔

(۳) حدیث اور عربی وزن کے لحاظ سے یہ مقدار چاندی دو سو درہم یا پانچ اوقیہ اور سونا میں مثقال ہے۔ ہدایہ:

۱/۱۷۵-۱۷۴، محمولہ بالا۔ جس کا ہندی وزن معروف روایت میں وہی اوپر کا $\frac{5}{4}$ تولہ چاندی یا $\frac{1}{4}$ تولہ سونا

ہے۔ بعض محققین کے یہاں ہندی وزن میں یہ مقدار اس سے کم یعنی کہ دو سو درہم چاندی کا وزن چھتیس تولہ $\frac{5}{4}$ ماشہ

اور میں مثقال سونا پانچ تولہ $\frac{1}{4}$ ماشہ ہوتا ہے مولانا عبدالغفور فاروقی (م ۱۳۱۸ھ): علم الفقہ: ۲۹، ۲۸، ۳۰، مکتبہ

فاروقیہ، دریائی تولہ لکھنؤ، بدون سن۔ لیکن ہندی وزن کی مشہور روایت وہی چاندی اور سونے کی برتر تیب $\frac{5}{4}$ تولہ

اور $\frac{1}{4}$ تولہ کے لیے ہے۔ ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ $\frac{5}{4}$ تولہ کا وزن اس وقت کے معروف وزن میں چھ سو

تیس گرام اور $\frac{1}{4}$ تولہ کا نوے (۹۰) گرام ہے۔ ایک تولہ اس وقت کے بارہ گرام کے برابر ہوتا ہے۔ جیسا کہ

آگے اس کی تفصیل ہے۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

نصاب کا مالک نہ ہو وہ اس خط پر یا اس کے نیچے ہے۔ اس وقت کے ہندوستانی سکے میں سونے کے اعتبار سے یہ رقم ۷۰۰ لاکھ ۸۷ تیس ہزار سات سو روپے اور چاندی کے اعتبار سے ۲۶۳۱ چار ہزار چھ سو اکتیس روپے بنتی ہے (۱) پس جو شخص سال کی ابتدا اور اس کے آخر یا بالفاظ دیگر اس کے اکثر حصے میں اس مقدار کا مالک نہ ہو وہ صاحب نصاب نہیں اور اس طرح وہ محتاج اور مفلس ہے یا آج کی معروف اصطلاح بلودی پاورٹی لائن ہے۔ اہل نظر خود فیصلہ کریں اس معاملے میں اسلام اور غیر اسلام میں کس کا پلڑا بھاری ہے۔ اور خط افلاس کے سلسلے میں ان میں سے کس کا پیمانہ انسانیت کے لیے رحمت اور اس کو سہولت اور ترقی سے ہم کنار کرنے والا ہے۔ کاش کہ خاص طور پر ہندو بیرون ہند کا کمیونسٹ بلاک اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے اس نکتہ کی قدر افزائی کر سکے۔

زمینوں کی تقسیم اور دیگر انقلابی اقدامات

وطن عزیز کے معاصر منظر نامے میں معاشی تحفظ کا یہ مقصد زمینی اصلاحات اور ان کی نئی عادلانہ تقسیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا (۲) جب کہ دوسرے ملکوں اور خطوں میں بھی اس کی ایسی ہی

(۱) رائج رائے کے مطابق شریعت میں زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے سات تولہ $\frac{1}{4}$ سونا یا ساڑھے باون $\frac{1}{2}$ تولہ چاندی ہے۔ موجودہ وزن میں فی تولہ بارہ گرام کے حساب سے $\frac{1}{4}$ تولہ سونا نوے (۹۰) گرام کا ہوتا ہے جو فی دس گرام ۲۳۰۰ کے حساب سے ۳۸۷۰۰ کا ہوتا ہے، اسی طرح فی تولہ بارہ گرام کے مطابق $\frac{1}{2}$ تولہ چاندی کا وزن ۴۳۰ چھ سو تیس گرام ہوتا ہے جو ۳۵۰ فی کلو حساب سے ۲۶۳۱ کی پڑتی ہے۔ اس طرح چاندی کے حساب سے بھی جس مسلمان کے پاس سال کی ابتدا اور اس کے آخر میں ۲۶۳۱ سے کم کی بچت ہو وہ صاحب نصاب نہ ہو کہ مستحقین زکوٰۃ کے زمرے میں آتا ہے۔ فقہ حنفی کے علاوہ باقی تینوں فقہوں میں استعالیٰ زیور پر زکوٰۃ نہیں ہے (ہدایہ: ۷۵۱ ارشید یہ دہلی)۔ اس کے لحاظ سے سب سے کم چاندی کے اوپر کے نصاب سے جس شخص کے پاس زکوٰۃ کی دیگر انواع سے ہٹ کر ۲۶۳۱ سے کم نقد روپیہ سال کے اول اور آخر میں ہو وہ بھی صاحب نصاب نہ ہو کہ مستحق زکوٰۃ باقی رہتا ہے۔

(۲) فتنہ و فساد سے بچ کر ترغیب و تلقین کے ذرائع کو اختیار کرتے ہوئے فاضل مالکان آراضی سے بھی زمینیں لے کر مستحقوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں اور کی جانی چاہئیں۔ لیکن اس سے پہلے ملک میں خیر اور افتادہ زمینوں کی بے زمینوں میں تقسیم کی جامع اسکیم شروع ہونی چاہیے۔ جب کہ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں ابھی ابھی بیس کروڑ ہیکٹر آراضی خیر پڑی ہوئی ہے۔ اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی ۹ دسمبر ۱۹۹۹ زیر عنوان: سائنس دانوں سے کسانوں کی مدد کی اپیل۔

رخصہ ہندو پاک و بنگلہ دیش پوری دنیا میں جہاں کہیں زمینوں کی یہ صورت حال ہو وہاں اس کی نئی تقسیم کی تحریک شروع ہونی چاہیے۔ اس کے بغیر معاصر دنیا غنا و افلاس کے خاتمہ کی کوئی تدبیر موثر اور کارگر نہیں ہو سکتی۔

ضرورت ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اصلاح معیشت کے ایسے ہی دوسرے انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔ حصول معاش کی فرو کی جدوجہد کے ساتھ ریاست کا تعاون ضروری ہے۔ محنت کے لیے سرمائے، ملازمت اور زمین کی ضرورت ہے جس کے اوپر آدمی اور طاقت اور صلاحیت کا حوصلہ نکال سکے۔ پس ناگزیر ہے کہ جس کے پاس زمین نہ ہو، اس کو زمین فراہم کی جائے، دوسروں کو ملازمت اور روزگار سے لگنے میں مدد دی جائے۔ مال دار اور طاقت ور تو اپنی معاشی ترقی میں دن پر دن زمین پر زمین آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کا مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ اس عظیم اکثریت کا ہے جو اس دوڑ میں بہت پیچھے ہے۔ جس کے پاس سرمایہ، علم اور زمین کچھ نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ آگے بڑھ سکے اور معاشی بہتری کے اپنے خوابوں کو ثمر مندہ تعبیر کر سکے۔ اس طبقہ آبادی کے لیے صرف منج کاری، نرم کاری، اداری کرن اور بھوگولی کرن (Globalisation) کا حوالہ ہی کافی نہیں ہو سکتا۔ زمین پر اس کی ٹھوس معاشی ترقی کی ضمانت حاصل ہونی چاہیے۔ اور سماج کے ہر فرد کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کو یقینی بنانا چاہیے۔

اس گفتگو کی روشنی میں صاف لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کارحان مغربی سرمایہ داری کی عین ضد ہے۔ اس کے پیش نظر وطن عزیز میں معیشت کی منج کاری، کثیر کمپنیوں کے غلبے اور پبلک سیکٹر کے اضمحلال بلکہ خاتمے دوسرے لفظوں میں معیشت کے سرمایہ دارانہ رجحان کو اسلام کی نجات دہندہ تحریک بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور ملک اور انسانیت کے مفاد میں وہ اس رجحان میں فوری تبدیلی کو لازمی خیال کرتی ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا اوپر کا معاشی تحفظ کا نقشہ ملک کے ہر شہری کے لیے اس کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کی ضمانت چاہتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں اس ضمانت کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک معیشت کی تجدید کے اپنے منصوبے میں چاہے گی کہ اللہ کی زمین پر کوئی انسان ننگا بھوکا موجود نہ رہے، بلکہ اعتماد، تعاون اور ہم دردی کی فضا میں ہر شخص کے لیے اس کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کو یقینی بنایا جائے۔ ہماری اس گفتگو کا ضمنی تقاضا ہے کہ وطن عزیز اور اس کے باہر کے ہمارے مخلص سوشلسٹ احباب دنیا کی معاشی اصلاح کے اپنے فلسفے کے بجائے اسلام کی نجات دہندہ تحریک کو اپنا رہنما تسلیم کریں۔ اور اب اس کی مخلصانہ پیروی سے اس سلسلے میں ماضی کی اپنی غلطیوں اور بے اعتدالیوں کی تلافی کا سامان کریں۔

باب سوم

سیاست عادلہ

روحانیت، اخلاق، معاشرت اور معیشت کی طرح معاصر دنیا کی سیاست بھی بے حال ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک انسانیت کے اس دکھ کا بھی مداوا پیش کرتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آج کے دور میں فکر و نظر کی ترقی اور عقل اور تجربہ کی پختگی سے سیاست کے میدان میں بھی کافی بہتری اور بالیدگی آئی ہے۔ جمہوریت کا ارتقاء، حکمران اور عوام کے حقوق کا تعین، سیاست میں عوامی احتساب اور جمہوری ملکوں میں اقتدار کی پرامن منتقلی وغیرہ وغیرہ آج کی بہتر سیاست کے قابل قدر مظاہر ہیں۔ مسلمان ممالک سمیت دنیا کے جن ملکوں میں اس پہلو سے کمیاں ہیں اس ترقی کا فائدہ اٹھا کر ان کو اپنی کمیوں کو دور کرنا چاہیے اور پوری فراخ دلی کے ساتھ مطلوبہ اصلاحات کو قبول کرنا چاہیے۔ عقل اور تجربہ سے ہر میدان کی طرح سیاست کے میدان میں بھی جو ترقی ہو اور اس کی جو جزئیات ترتیب پائیں، آخری محمدی شریعت سے ٹکراؤ نہ ہونے کی صورت میں وہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا ایک حصہ ہیں۔ اور وہ پوری خوش دلی کے ساتھ ان کا استقبال کرتی ہے۔ اس پس منظر میں معاصر دنیا کی سیاست کی بہت ساری خوبیوں کے اعتراف کے باوجود اس کی کمیوں اور خرابیوں کا پلڑا اس کی اچھائیوں پر بھاری ہے۔ اور آخری خدائی رہ نمائی کا دوسرا نام ہے۔ دیکھنا ہے کہ وہ دور حاضر کی سیاست کو سنوارنے اور نکھارنے میں اپنا کیا کردار پیش کرتی ہے۔

امیر و مامور کا اعتماد

موجودہ دور کو اگر عقیدے کے بحران (Crisis of Faith) کا دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ بحران زندگی کے ہر حصے میں ہے۔ لیکن معاصر دنیا کی سیاست اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہے۔ چنانچہ جمہوریت کی ترقی اور اس کے بہت سارے مثبت پہلوؤں کے کھلے اعتراف کے باوجود آج حکمران اور عوام کے درمیان اعتماد اور عقیدت کی غیر معمولی طور پر کمی پائی جاتی

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

ہے۔ وہ ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے کے بہ جائے ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ محبت اور خلوص کے بہ جائے وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ اور دونوں طرف سے ایک دوسرے کی ہم دردی و مہمی خواہی کے بہ جائے ایک دوسرے کا بدخواہ اور اس کو نیچا دکھانے اور زک پہنچانے کا درپے نظر آتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس صورت حال کے لیے ایک فریق کو ہی ذمے دار قرار دے دیا جائے اور سارا الزام صرف حکمران طبقہ کے سر تھوپا جائے۔ اس کے بہ جائے حقیقت ہے کہ اس کی ذمے داری یکساں طور پر عوام اور حکمران اور امراء و مامورین دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ دریں حالے کہ بے اعتمادی اور بدگمانی کا یہ مرض اگر کسی چھوٹے سے گھر اور معمولی ادارے اور تنظیم میں پیدا ہو جائے تو یہ اس کے لیے سم قاتل ہوتا ہے، اس سے اس کی ترقی رکتی اور اس کے نظام کی تمام چولیس ہل جاتی ہیں۔ پھر اگر یہ مرض آج کے دور کے حکومت کے طاقت ور ترین اور وسیع ترین اور عظیم ترین ادارے کے اندر پیدا ہو جائے تو اس کی تباہ کاریوں اور اس کی لائی ہوئی آفتوں کا تصور آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک، فرد، خاندان اور معاشرے ہر ایک کو عقیدے اور اعتماد کے اس بحران سے نجات دینے کے ساتھ، آگے بڑھ کر وقت کی حکومت اور سیاست کو اس سے نجات دلانے کا بیڑا اٹھائی ہے۔ اس کے لیے وہ حکمران اور عوام ہر ایک کے اندر مخصوص اوصاف کی آب یاری کرتی ہے جس کی وجہ سے دونوں کی راہ آسانی ہوتی اور منزل تک پہنچنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی ہے۔

کتاب اللہ میں اس مقصد سے حکمران اور عوام کا تعلق نصیح و خیر خواہی کی احساس پر استوار ہوتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے۔ چنانچہ ہر زمانے میں اللہ کی طرف سے قوم کے جو پیغمبر ہوتے ہیں وہی اس کے حاکم اور مطاع اور آج کی اصطلاح میں امیر اور رہبر ہوتے ہیں۔ سورہ اعراف میں حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت شعیب علیہ السلام تک پوری انبیائی کہکشاں نے اپنی قوم کے سامنے اپنی یہی حیثیت پیش کی کہ وہ اس کے خیر خواہ اور اس کا دل سے بھلا چاہنے والے ہیں:

أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولِ رَبِّي وَ أَنْصَحُ لَكُمْ (الاعراف: ۶۲)

”تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔“

وَ قَالَ يَقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولِ رَبِّي وَ نَصَحْتُ لَكُمْ

(الاعراف: ۹۳)

”اور شعیبؑ نے کہا اے میری قوم! میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمھاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔“

اس کی روشنی میں اگر امیر اور حاکم کا یہ منصب ہے کہ وہ اپنی زیر نگرانی عوام کا بھلا چاہنے والا تو مامورین اور ماتحتوں کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ اس کا بیان سورہ توبہ میں ہے۔ جہاں کم زوروں، مرلیضوں اور ناداروں کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ راہ خدا میں ہونے والی جنگ میں شریک نہ ہوں۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا خیر خواہ اور وفادار رہنا ان کے لیے ہر حال میں ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی ان کا شمار اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ خوب کاروں ’محسنین‘ میں ہو سکتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (توبہ: ۹۱)

”کم زوروں، بیماروں اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس (جنگ میں) خرچ کرنے کے لیے پیسہ نہیں ہے، ان کے لیے حرج نہیں ہے (کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہوں) بہ شرطے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ رہیں، ایسے خوب کاروں کا مواخذہ نہیں ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

امیر و مامور کے اس باہمی اعتماد کا تذکرہ قرآن میں دیگر مقامات پر بھی ہے۔ سورہ آل عمران میں آپ ﷺ کے منصب نبوت کے حوالہ سے اس کی تردید ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجے میں اپنے عوام کے لیے آپ ﷺ کے اندر کسی قسم کا کھوٹ اور بدخواہی کا شائبہ ہو سکتا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلُّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

(آل عمران: ۱۶۱)

”کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ وہ (اپنے پیروکاروں کے تئیں) کھوٹ کو روا رکھے۔ اور جو کوئی کھوٹ کی راہ اپنائے گا وہ قیامت کے دن اپنے کھوٹ کے ساتھ حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کے ساتھ کوئی کٹوتی نہیں کی جائے گی۔“

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

اس سے اوپر اپنے پیروکاروں کے لیے آپ ﷺ کی غیر معمولی مہر و محبت، نرم خوئی اور عفو و درگزر اور استغفار و مشاورت کا تذکرہ ہے جس سے بڑھ کر باہمی اعتماد اور اپنائیت کا دوسرا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ
شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ (آل عمران: ۱۵۹)

”تو (اے پیغمبر!) آپ محض اللہ کے احسان کے باعث اپنے پیروکاروں کے لیے نرم خو ہیں، اس کے بہ جائے اگر آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، تو آپ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کیجیے (اللہ سے) ان کی معافی کی طلب کرتے رہیے، معاملات میں ان سے مشورہ کیجیے۔ پھر جب آپ رائے بنا لیجیے تو اللہ پر بھروسہ کیجیے (اور آگے بڑھیے)۔ بلاشبہ اللہ بھروسہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔“

آپ ﷺ کی اسی صفت کا بیان دوسرے مقام پر اس طرح ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (توبہ: ۱۲۸) (۱)

”تمہارے پاس تمہارے درمیان سے وہ رسول آگیا ہے جس کے لیے تمہارا نقصان میں پڑنا سخت بھاری ہے اور وہ تمہیں ہر طرح سے فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ دراصل وہ مسلمانوں کے لیے شفقت و رحمت کا پتلا ہے۔“

سورہ احزاب میں آپ ﷺ کے سلسلے میں اس سے بھی آگے کی بات کہی گئی ہے اور وہ یہ کہ اپنی پیروکار ایمانی جماعت کی بھلائی اور بہتری کا آپ ﷺ کو اتنا لحاظ اور اس کے لیے اتنی فکر مندی ہے جتنی کہ اس کے افراد کی خود اپنے لیے نہیں ہو سکتی ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۚ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۚ (۶)

(۱) مزید ملاحظہ ہو: انفال: ۶۳، حجر: ۸۸ اور شعراء: ۲۱۵۔

”نبی کو مسلمانوں کی اس سے زیادہ فکر ہے جتنی کہ ان کو اپنی ہو سکتی ہے اور اس کی بیویاں ان کی ماؤں کے درجے میں ہیں۔“

ذخیرہ حدیث میں اس کی مثالیں موجود ہیں جس میں آپ ﷺ نے اپنے اس مرتبہ و مقام کو عملاً ثابت کر کے دکھایا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن جابرؓ کی روایت ہے کہ اپنے اصحابؓ میں سے کسی کے متعلق آپ ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی کہ انھوں نے اپنی موت پیچھے اپنے غلام کو آزاد کر دیا ہے، جب کہ ان کے پاس اس کے علاوہ دوسرا اور کوئی مال نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے کمال شفقت سے ان کے اس فیصلے کو بدلواتے ہوئے اس غلام کو آٹھ سو درہم میں فروخت کر دیا اور اس رقم کو ان تک پہنچ وا دیا (۲) اس سلسلے کا دوسرا واقعہ بھی صحیح بخاری میں ہے۔ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن سہلؓ کے قتل کے واقعہ میں ثبوت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے بھائی حویصہؓ اور محیصہؓ اور عبدالرحمن بن سہلؓ خیبر کے یہود سے دیت وصول کرنے میں کام یاب نہ ہو سکے تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی طرف سے ان حضرات کو سواؤنٹیوں کی دیت ادا فرمادی (۳) نبی ﷺ کی احادیث میں اس مضمون کی مزید وضاحت ہے۔ جہاں حکمران اور عوام ہر ایک کو ایک دوسرے کا ہم درد و ہمتی خواہ ہونے کی تاکید ہے۔ حکمرانوں کے سلسلے میں نبی ﷺ کی مشہور حدیث ہے۔ صحابی رسول حضرت معقل بن یسارؓ نے حضرت عبداللہ بن زیاد کو یہ حدیث اس وقت سنائی تھی جب کہ وہ ان کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لیے گئے تھے۔

ما من عبد یستر عبد اللہ رعیتہ فلم یحطھا بنصحه لم یجد راحة الجنة۔ (۴)

”اللہ تعالیٰ جس بندے کو کچھ لوگوں پر حکمران بنائیں اور وہ ہر طرح سے ان کی بھلائی کے لیے مستعد نہ ہو تو اس کو جنت کی خوش بونصیب نہ ہوگی۔“

(۱) صدر اول کے پس منظر میں غلاموں اور باندیوں کی مختلف قسموں میں ایسے غلام (مدر) کہا جاتا ہے جو اپنے آقا کے مرنے پر اس کی وصیت کے مطابق اپنے آپ آزاد ہو جاتا ہے۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الاحکام، باب بیع الامام علی الناس اموالہم و ضیاعہم۔ طبع جدید، قاہرہ۔

(۳) صحیح بخاری، جوالہ سابق، باب کتاب الحاکم الی عمالہ، والقاضی الی امتائہ۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الاحکام، باب من أسترعی رعیتہ فلم ینصح، صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارۃ باب

فضیلة الامام العادل و عقوبة الجائر والحث علی الرفق بالرعية والنهی عن ادخال المشقة علیہم۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

اسی موقع پر یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ بھی ہے جس سے اس کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

ما من وال یلی رعیتہ من المسلمین فی موت و هو غاش
لہم الا حرم اللہ علیہ الجنة۔ (۱)

”مسلمان عوام کا جو حکمران ہو اور اس کو اس حال میں موت آئے کہ وہ ان کے ساتھ کھوٹ کرنے والا (اور ان کا بدخواہ) ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر جنت کو حرام قرار دے دیں گے۔“

صحیح مسلم میں یہ حدیث ان لفظوں میں ہے جس سے اس کا مطلب مزید نکھر تا اور واضح ہوتا ہے:

ما من امیر یلی امر المسلمین ثم لا یجہد لہم و ینصح
الا لم یدخل معہم الجنة۔ (۲)

”مسلمانوں کے معاملات کا جو مددگار ہو اس کے باوجود وہ ان کے لیے محنت نہ کرے اور ان کا خیر خواہ نہ ہو تو اس کو ان کے ساتھ جنت کا داخلہ نصیب نہیں ہوگا۔“

یہ تاکید امیروں کے لیے ہے۔ مامورین کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ ان کو بھی اپنے امیر و خلیفہ کا پوری طرح وفادار رہنا چاہیے۔ اور اس کی اطاعت و پیروی کو دنیوی مفاد کے تابع نہیں بنانا چاہیے کہ مفاد پورا ہو تو وہ اس کی بات مانے، اور مقصد حاصل نہ ہو تو اس کی بے وفائی میں اس کو کوئی تردد نہ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس رویے کے خلاف سخت وعید سنائی ہے۔ قیامت کے دن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی اور اس کی توجہ سے محروم ہوگا، جس سے بڑھ کر کسی دوسری بد نصیبی اور محرومی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

ثلاث لا یکلمہم اللہ یوم القیامۃ ولا یزکیہم ولہم
عذاب الیم..... و رجل بایع اماما لا یبایعہ الا لدنیاہ،

(۱) صحیح بخاری، حوالہ سابق، صحیح مسلم، حوالہ مذکور۔

(۲) صحیح مسلم، حوالہ بالا۔

ان اعطاه ما يريد و في له، والا لم يف له۔ (۱)

”تین طرح کے لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات کرے گا، نہ ان کو پاک صاف کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا..... انھی میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو کسی امام سے صرف اپنی دنیوی غرض کے لیے بیعت کرے گا، چنانچہ اس سے اگر اس کو اپنی من پسند چیز مل جائے گی نبی تو وہ اس کا وفادار ہوگا، دوسری صورت میں وہ اس کا وفادار باقی نہیں رہے گا۔“

اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اس کا دوسرا نام نصیحت اور خیر خواہی ہے جس کے سلسلے میں مسلمانوں کو عام طور پر ایک دوسرے کا ہم درد و یہی خواہ ہونے کے ساتھ خاص طور پر اپنے ائمہ اور امراء کے تئیں بے لوث اور بے آمیز ہونے کی تاکید ہے۔ اسلام میں اس کی غیر معمولی اہمیت کو جتانے کے لیے آپ ﷺ نے اس نفس دین سے تعبیر فرمایا:

عن تمیم الداری ان النبی ﷺ قال الدين النصيحة قلنا لمن قال لله و لكتابه و لرسوله و لائمة المسلمين و

عامتهم۔ (۲)

”حضرت تمیم داری (صحابی) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین نصیحت و خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے پوچھا کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے حکمرانوں اور ان کے عوام کے لیے۔“

اس حدیث میں ’نصیحت‘ کا جو لفظ ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے یہ نصیحت الرجل ثوبہ آدمی نے اپنے کپڑے کی رفوگری کی، سے ’رفوگری‘ کے معنی میں ہے۔ جس طرح آدمی اپنے کپڑے کی رفوگری کر کے اس کی اصلاح کرتا اور اس کے نقص کو دور کرتا ہے، یہی کام کوئی نصیحت گرا اپنے نصیحت کردہ کے ساتھ کرتا ہے۔ دوسری توجیہ میں اسے ’نصیحت العسل‘ سے ماخوذ بتایا گیا ہے۔ آدمی جب شہد سے موم کو الگ کرتا ہے تو اس کے اس عمل کو ’نصیحت‘ سے تعبیر کیا

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الاحکام، باب من بايع رجلا لا يبايعه الا للدنيا۔

(۱) صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الايمان، باب بيان انه لا يدخل الجنة الا المومنون و ان محبة المومنين من الايمان و ان اقتضاء السلام سبب لحصولها۔

جاتا ہے۔ اس صورت میں 'نصیحت' مطلب ہے کہ آدمی خالص شہد کے مانند اپنے نصیحت کردہ کی نسبت سے کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک بات کہے^(۱) آگے حدیث میں اللہ، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے سلسلے میں نصیحت کا مطلب ہے کہ آدمی کا اللہ پر سچا ایمان ہو، پورے خلوص کے ساتھ اس کی کتاب کے ہمہ جہتی تقاضوں کو پورا کرے، اس کے رسول سے اسے دلی محبت ہو اور وہ دل و جان سے ان کی اطاعت اور پیروی کا حق ادا کرے۔ اس کے بعد ائمہ مسلمین اور ان کے عوام کے تین نصیحت کا تذکرہ ہے۔ اس کے سلسلے میں آج سے چھ سات سو سال قبل کے زمانے کے پس منظر میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے آج کے دور میں اس کی وسعت و جامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ صحیح مسلم کے شارح امام نووی م ۶۷۶ھ کے اس کے متعلق الفاظ ہیں:

و اما النصيحة لائمة المسلمين فمعاونتهم على الحق و طاعتهم فيه و امرهم به و تنبيههم و تذكيرهم برفق و لطف و اعلامهم بما غفلوا عنه و لم يبلغهم من حقوق المسلمين و ترك الخروج عليهم و تالف قلوب الناس لطاعتهم۔ (۲)

”جہاں تک ائمہ مسلمین کے لیے نصیحت و خیر خواہی کا سوال ہے تو اس کا مطلب ہے حق کے معاملے میں ان کی مدد کرنا، اس کے سلسلے میں ان کی بات ماننا، ان کو اس کا حکم دینا اور نرمی اور ملاحظت سے ان کو اس پر متنبہ کرنا اور اس کی یاد دہانی کرنا اور ان کی کوتاہیوں پر ان کو باخبر کرنا اور مسلمانوں کے جو حقوق وہ ادا کرنے سے قاصر رہے ہیں اس سے ان کو آگاہ کرنا، ان کے خلاف بغاوت سے باز رہنا اور لوگوں کو آمادہ کرنا کہ وہ دل سے ان کی اطاعت اور پیروی کا حق ادا کریں۔“

آگے اسی سلسلے میں شارح سنن ابوداؤد صاحب معالم السنن امام خطابی م ۳۸۸ھ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

قال الخطابي رحمه الله و من النصيحة لهم الصلاة

(۱) شرح نووی للمسلم مع المسلم: ۱/۳۷، طبع جدید دار الريان للتراث، القاہرہ، طبع اولیٰ ۱۹۸۷ء
۱۴۰۷ھ

(۲) نووی: ۱/۳۸، حوالہ بالا۔

خلفہم والجهاد معهم و اداء الصدقات اليهم و ترك
الخروج بالسيف عليهم اذا ظهر منهم حيف او سوء
عشرة و ان لا يغفروا بالثناء الكاذب عليهم و ان يدعى
لهم بالصلاح۔ (۱)

”امام خطابي کہتے ہیں کہ مسلمان حکمرانوں کے ساتھ صبح و خیر خواہی میں یہ سب شامل ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے، ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے ان کو زکوٰۃ ادا کی جائے اور ان کی طرف سے ظلم و زیادتی اور بدسلوکی کا مظاہرہ ہو۔ جب بھی ان کے خلاف مسلح بغاوت سے گریز کیا جائے، اسی طرح ان کی جھوٹی تعریف سے ان کو دھوکے میں مبتلا نہ کیا جائے اور ان کو بھلائی اور بہتری کی راہ دکھائی جاتی رہے۔“

اسی طرح عام مسلمین کی نصیحت کی تشریح میں امام نوویؒ کا کہنا ہے:

و اما نصيحة عامة المسلمين و هم من عدا ولاة الامر
فارشادهم لمصالحهم في آخرتهم و دنياهم و كف
الاذى عنهم فيعلمهم ما يجهلون من دينهم و يعينهم عليه
بالقول و الفعل و ستر عوراتهم و سد خلاتهم و دفع
المضار عنهم و جلب المنافع لهم و امرهم بالمعروف و
نهيهم عن المنكر برفق و اخلاص و الشفقة عليهم و
توقير كبيرهم و رحمة صغيرهم و تخولهم بالموعظة
الحسنة و ترك غشهم و حسدهم و ان يحب لهم ما
يحب لنفسه من الخير و يكره لهم ما يكره لنفسه من
المكروه و الذب عن اموالهم و اعراضهم و غير ذلك
من احوالهم بالقول و قهم على التخلق بجميع ما ذكرناه

من انواع لنصيحة و تنشيط همهم الى الطاعات و قد
كان فى السلف رضى الله عنهم من تبلغ به النصيحة الى
الاضرار بدنياه والله اعلم۔ (۱)

”جہاں تک حکمرانوں کے علاوہ عام مسلمانوں کے ساتھ صح و خیر خواہی کا سوال ہے تو اس میں یہ سبھی باتیں شامل ہیں۔ ان کی دنیا و آخرت کی مصلحتوں کی طرف ان کو متوجہ کرنا اور ان کو کسی طرح کی تکلیف پہنچانے سے باز رہنا چنانچہ آدمی کو چاہیے کہ دین کی جو بات وہ نہ جانتے ہوں وہ ان کو بتائے اور دین پر عمل کرنے کے لیے ان کو زبان اور عمل دونوں سے مدد پہنچائے۔ ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرے ان کی کیوں کو دور کرے، نقصان سے ان کو بچائے اور ان کو فائدہ پہنچائے، ان کو بھلائی کا حکم دے اور نرمی اور خلوص کے ساتھ ان کو برائی سے روکے۔ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے، ان کے بڑوں کی عزت کرے اور ان کے چھوٹوں کے ساتھ شفقت رکھے، وقفہ وقفہ سے ان کو بھلی نصیحت کرے اور ان کے ساتھ کھوٹ اور حسد کا معاملہ کرنے سے باز رہے۔ اور جس بھلائی کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اسی کو ان کے لیے پسند کرے اور جس برائی کو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے ان کے لیے بھی اس کو اسی طرح ناپسند کرے۔ اور ان کے مال اور ان کی عزت و آبرو کو بچانے کی کوشش کرے۔ اسی طرح ان کے دیگر احوال میں زبان اور عمل سے ان کا مددگار بنے۔ اسی طرح وہ ان کو آمادہ کرے کہ وہ بھلائی اور خیر خواہی کی ان تمام باتوں کو وہ اپنائیں اور طاعت و بندگی کے لیے وہ ہر وقت اپنے کو کمر بستہ رکھیں۔ یہاں تک کہ سلف صالح میں ایسے لوگ تھے جو اس نصیحت اور خیر خواہی کی وجہ سے بسا اوقات اپنی دنیا کا نقصان کر لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔“

امیر و مامور کی ایک دوسرے کے لیے نصیحت اور خیر خواہی کے سلسلے میں یہ جو کچھ کہا گیا ہے، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ میں ان دونوں کو بڑی جامعیت کے ساتھ سمیٹا گیا ہے۔ رعایا کے ایک حصے کی طرف سے اپنے حکام اور امراء کے سلسلے میں ان تک شکایت پہنچی کہ وہ صحیح ڈھنگ سے کام نہیں کر رہے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک طریقے سے ادا نہیں کر رہے ہیں، اس پر آپؐ نے عمال کو طلب کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد یہ بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حکمران اور عوام دونوں کے لیے ان کے حقوق و فرائض کی جامع نشان دہی

کی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

ایہا الناس و ایتہا الرعیۃ ان لنا علیکم حقاً النصیحة بالغیب
والمعاونۃ علی الخیر ایتہا الرعایۃ ان للرعیۃ علیکم حقاً
فاعلموا انه لا شیء احب الی اللہ ولا اعز من حلم امام و
رفقہ و لیس جہل ابغض الی اللہ ولا اغم من جہل امام و
خرقہ و اعلموا انه من یأخذ بالعافیۃ فیمن بین ظہریہ
یرزق العافیۃ ممن هو دونہ۔ (۱)

”اے لوگو! اور اے عوام! ہمارا تمہارے اوپر ایک ضروری حق بتاتا ہے، اور وہ یہ کہ تم
پیٹھ پیچھے ہماری خیر خواہی کرو گے اور بھلائی کے کاموں میں ہماری مدد کرو گے۔ اسی
طرح اے حکمرانو! عوام کا بھی تمہارے اوپر ضروری حق ہے۔ تو جان لو کہ کسی حکمران
کی بردباری اور اس کی نرمی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو اللہ کو محبوب اور عزیز ہو اسی
طرح کسی حکمران کی نادانی اور اس کو پھوٹڑ پین سے بڑھ کر کوئی نادانی نہیں جو اللہ کو
مبغوض اور رنجیدہ کرنے والی ہو۔ اور جان رکھو کہ جو شخص اپنے سامنے کے لوگوں کے
ساتھ امن و عافیت کا معاملہ رکھتا ہے تو اپنے پیٹھ پیچھے لوگوں سے اس کو ایسی ہی عافیت
اور امن نصیب ہوتا ہے۔“

اس کے آئینے میں امیر و مامور کے غیر معمولی اعتماد و تعاون اور ان کے مخلصانہ تعلقات
کی پاکیزگی اور شفافیت کی جو تصویر ابھرتی ہے آج کی بے قدر سیاست میں اس کا تصور کرنا بھی
مشکل ہے۔ لیکن معاصر دنیا کی سیاست کی اصلاح میں یہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی ابتداء
ہے، آگے وہ نیچے سے اوپر اور جڑ سے لے کر پاتال تک ایک ایک کر کے اس کی کمیوں اور خامیوں
کو دور کرتی اور اس کو غیر معمولی رفعتوں اور بلندیوں سے ہم کنار کرتی ہے۔ سرفہرست سیاست
میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا امانت کا تصور ہے۔

(۱) امام غزالی م ۵۰۵ھ: احیاء علوم الدین: ۱۲/۳، طبع قدیم، عامرہ شریف، مصر ۱۳۲۶ھ و بہامشہ کتاب

امانت کا تصور

امیر و مامور کے اس اخلاص و اعتماد کے ساتھ دنیا کی سیاست کی کامیابی اس حقیقت سے وابستہ ہے کہ اس میں امانت کا تصور پیدا ہو جائے۔ حکمران اور عوام ہر ایک کے دل و دماغ میں یہ بات اچھی طرح سے بیٹھ جائے کہ سیاست اور اقتدار کی اس سب سے بڑی آزمائش میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب امانت ہے۔ نظام ملکی کو چلانے کے لیے نیچے سے لے کر اوپر تک اور چھوٹے سے چھوٹے منصب سے لے کر بڑے سے بڑے عہدے تک جہاں اپنے حاکم اور سربراہ کو منتخب کرنے کا آدمی کو اختیار حاصل ہو، تو یہ اختیار بھی امانت ہے۔ اور اس امانت کو اس کے مستحق تک پہنچانے کا مطلب ہے کہ کسی بھی عہدے اور منصب کے لیے اسی شخص کا انتخاب کیا جائے جو ہر طرح سے اس کی اہلیت رکھتا ہو اور اس کے اندر متعلقہ ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہو۔ میونسپلٹی اور کارپوریشن سے لے کر اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ممبری اور وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ تک ہر جگہ اسی 'امانت' کے تصور کو جاری و ساری ہونا چاہیے۔ اور اس کے سلسلے میں ذاتی، گروہی، قومی، نسلی اور لسانی ہر طرح کی عصبیت اور جانب داری سے اوپر اٹھ کر خالص اہل بیت اور صلاحیت کی بنیاد پر امیر اور حاکم کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔ اس کے بعد ہی دنیا میں عدل و انصاف کے مطابق معاملات کا فیصلہ ہو سکے گا جس کے بغیر عہدہ سیاست اور اچھی حکمرانی کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس پس منظر میں سورہ نساء کی آیت کریمہ کی تلاوت کیجیے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۚ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا
(النساء: ۵۸)

”بلاشبہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے مستحقین تک پہنچاؤ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بلاشبہ یہ بہترین نصیحت ہے جو اللہ تم کو کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ بڑا سننے والا دیکھنے والا ہے۔“

فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ کی کنجی کی حوالگی کے حوالہ سے تفسیروں میں اس آیت کریمہ کا ایک خاص پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ہر جگہ اس کی صراحت ہے کہ یہ آیت اس واقعہ کے

ساتھ خاص نہیں ہے۔ بل کہ یہ دین و دنیا ہر ایک کے سلسلے میں تمام طرح کی امانتوں کے لیے عام ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ کے یہاں اس کی تفسیر کی ابتداء ہی اس سے ہے:

امر المومنین فی هذه الآیة باداء الامانات فی جميع
الامور سواء كانت تلك الامور من باب المذاهب

والديانات او من باب الدنيا والمعاملات. (۱)

”اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تمام معاملات میں امانتوں کو (ان کے مستحقین تک) پہنچانے کا حکم دیا ہے، خواہ یہ معاملات مذہب اور اخلاق سے متعلق ہوں یا دنیا اور معاملات سے۔“

آگے اوپر کے واقعہ کی تفصیل کے بعد امانت کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت سے پہلے امام رازیؒ دوبارہ اس کے وسعت اور عموم کا تذکرہ کرتے ہیں:

اعلم ان نزول هذه الآیة عند هذه القصة لا یوجب كونها
مخصوصة بهذه القضية بل یدخل فیہ جميع انواع
الامانات. (۲)

”جاننا چاہیے کہ اس واقعہ کے موقع پر اس آیت کریمہ کے نزول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ اسی معاملے کے ساتھ خاص ہے، بل کہ اس کے اندر دوسری تمام طرح کی امانتیں اسی طرح شامل ہیں۔“

اس سے پہلے صاحب کشف کے یہاں بھی اس کا اسی طرح بیان ہے:

الخطاب عام لكل احد فی كل امانة. (۳)

”یہ خطاب ہر شخص کے لیے اور ہر طرح کی امانت کے معاملے کے لیے عام ہے۔“
دیگر مفسرین کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

(۱) مفتاح الغیب: ۲۳۶/۳، عامرہ شریف، مصر، ۱۳۰۸ھ، طبعہ اولیٰ۔

(۲) مفتاح الغیب: ۲۴۷/۳۔

(۳) الکشف عن حقائق التنزیل: ۵۳۵/۱، طبع جدید، مصطفى البابی الحلبي و اولاده، مصر، طبعہ اخیرہ
۱۳۹۲ھ، تحقیق روایات: محمد صادق القمحاوی۔

و هو يعم جميع الامانات الواجبة على الناس من حقوق
الله عز وجل على عباده..... و من حقوق العباد بعضهم
على بعض..... (۱)

”اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اپنے بندوں پر جو حقوق ہیں اس سے متعلق لوگوں پر جو تمام
طرح کی امانتیں واجب ہوتی ہیں وہ سب اس کے اندر شامل ہیں..... اسی طرح
بندوں کے ایک دوسرے پر جو حقوق ہو سکتے ہیں وہ بھی اسی طرح اس کے دائرے میں
آتے ہیں۔“

مفسر ابوالعالیہ کی اس تفسیر میں بھی اس کا یہی عموم برقرار ہے:

الأمانة ما الروا به و نهوا عنه. (۲)

”امانت کا مطلب ہے ہر وہ بات جس کا لوگوں کو حکم دیا گیا یا جس سے ان کو منع کیا گیا۔“
حضرت ربیع بن انس کا بھی اس کے سلسلے میں یہی کہنا ہے:

هي من الامانات فيما بينك و بين الناس. (۳)

”تمہارے اور لوگوں کے درمیان جو کسی طرح کی امانت ہو سکتی ہے وہ سب اس میں
شامل ہے۔“

حافظ ابن کثیر آگے اوپر کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد پھر فرماتے ہیں:

و هذا من المشهورات ان هذه الآية نزلت في ذلك و

سواء كانت نزلت في ذلك اولا فحكمها عام. (۴)

”یہ بات بہت مشہور ہے کہ یہ آیت کریمہ اس خاص واقعہ کے سلسلے میں نازل ہوئی، تو
چاہے وہ اس سلسلے میں نازل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن اس کا حکم عام ہے۔“

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۵/۱۵۱، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۹۳۷ء، ۵۶، ۱۳ھ۔

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۵/۱۵۱، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۹۳۷ء، ۵۶، ۱۳ھ۔

(۳) تفسیر ابن کثیر: ۵/۱۵۱، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۹۳۷ء، ۵۶، ۱۳ھ۔

(۴) تفسیر ابن کثیر: ۵/۱۶۱۔

یہاں تک کہ متاخرین میں صاحب جلالین بھی آیت کے مخصوص شان نزول کو پورے اہتمام سے نقل کرنے کے بعد اس صراحت کو ضروری خیال کرتے ہیں:

والآیۃ و ان وردت علی سبب خاص فعمومها معتبر

لقرینۃ الجمع۔ (۱)

”آیت کریمہ کا نزول چاہے کسی خاص سبب کے تحت ہوا ہو لیکن اس کے حکم کے عام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس میں صیغہ جمع کا استعمال ہوا ہے۔“

بلاشبہ اس ’امانت‘ میں سرفہرست روپے پیسے اور مال کی نوعیت کی چیزوں کی اداے کی ہے۔ جس کسی کے پاس ایسی کوئی امانت ہو وہ حسب وعدہ متعلق شخص کو مقرر شرطوں کے مطابق بے کم و کاست اس کو اس کی حوالگی کرے، جیسا کہ تفسیر میں اسی اہتمام سے اس کا تذکرہ ہے (۲) اسی طرح خدا اور بندوں کے حوالہ سے اس امانت کی تفصیلات میں بھی کافی وسعت ہے جس پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے (۳) اس کی روشنی میں حکمرانوں کے انتخاب میں امانت و دیانت کی ہماری اوپر کی تفسیر کی پوری گنجائش نکلتی ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ کے اگلے نکلنے ’جس میں لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہے‘۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کا تعلق امراء اور حکام سے ہے کہ نزاعات کے فیصلے میں ان کا قدم جادۃ انصاف سے نہ ہے (۴) لیکن آیت کے عموم سے اس کی پوری گنجائش نکلتی ہے کہ ان دونوں احکام اداء امانت اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کو حکمران اور عوام دونوں کے لیے یکساں طور پر عام رکھا جائے۔ عوام اپنے حکمرانوں کا کامل امانت داری کے ساتھ انتخاب کریں اور اس کا فیصلہ کرنے میں ذرہ برابر بے انصافی اور جانب داری میں مبتلا نہ ہوں۔ اسی طرح حکمران اس طرح منتخب ہو جانے کے بعد اپنے عوام کے تئیں ان کی ہمہ جہتی امانتوں کی اداے کی میں چوکس ہوں۔ خزانے اور اقتدار کی جو امانت ان کے پاس ہے اپنے عوام کے لیے اس کی تقسیم اور اداے کی میں معمولی سے معمولی درجے میں

(۱) تفسیر الجلالین ۱/۱۱۱ طبع جدید، بیروت۔

(۲) جلالین ۱/۱۱۰، ۱۱۱۔ مغالغ الغیب ۳: ۲۳۶-۲۳۷۔

(۳) تفسیر ابن کثیر ۱/۵۱۵۔

(۴) الکشاف عن حقائق التنزیل ۱/۵۳۵۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

خیانت اور بے انصافی کا ارتکاب نہ ہونے دیں۔ سیاست میں اس طرح جب امانت کی روح جاری و ساری ہو جائے گی تو عوام کے لیے اپنے حکمرانوں کی بے لوث اطاعت میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔ اور شریعت کے قرا دار دہ دین و دنیا کے دو گونہ مقاصد کی تکمیل کے لیے بلاشبہ ان کی پیروی بالواسطہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کے مترادف ہوگی۔ چناں چہ آگے ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي
الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ
وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ
خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا
(النساء: ۵۹)

”اے مسلمانو! اللہ کی بات مانو اور رسول کی بات مانو، اسی طرح اپنے میں سے اصحاب امر کی۔ پھر اگر تمہارا کسی بات میں جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پلٹاؤ، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور انجام کار کے لحاظ سے خوب سے خوب تر ہے۔“

یہ آیت کریمہ معاصر دنیا کی سیکولر سیاست کے لیے لمحہ فکریہ فراہم کرتی ہے۔ اسلام میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے۔ اور ایک سچا مسلمان اپنی زندگی کے ہر معاملے کی طرح سیاست میں امر اسب کا پابند ہوتا ہے۔ اسی کے بطن سے رسول کی اطاعت جنم لیتی ہے۔ اور انسان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی میں ان دونوں کے منشاء مراد کی تکمیل وقت کے امیر اور خلیفہ کے ذریعہ ہوتی ہے جس کا درجہ بہ درجہ ہر زمانے کے لحاظ سے نیچے سے اوپر تک الگ الگ نظام ہوتا ہے۔ خلیفہ وقت اور امیر زمانہ کی توثیق سے اس پورے نظام کی پیروی خلیفہ اور امیر کی پیروی کے مترادف ہوتی ہے۔ اگلے نکلنے میں اسی سے متعلق ایک عملی دشواری کا حل تجویز ہوا ہے۔ جو اسلام کی سیاست عادلہ کو رفعت و بلندی کے اس مقام پر لے جاتا ہے جس کا آج کے دور کی ترقی سے ترقی یافتہ جمہوریتیں بھی ابھی خواب دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اور وہ یہ کہ حکومت اور سیاست کے اس نظام میں نیچے سے اوپر تک جس مرحلے میں بھی حکمران اور عوام یا عوام اور عوام ان میں سے جن کے درمیان کوئی اختلاف اور نزاع ہو جائے تو اس کے فیصلے کے لیے بہ راہ راست اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور ان کے بعد سنت اور طریقے کی طرف رجوع کیا جائے جیسا کہ تفسیر میں ہر جگہ اس موقع پر اس کی صراحت ہے (۱) اس موقع پر دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ امیر و مامور کے اختلاف اور نزاع کی صورت میں حکم صرف قرآن و سنت کو تسلیم کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ایسی ہر کسی صورت میں معاملہ غیر جانب دار عدلیہ کی طرف منتقل ہوگا جس پر خلیفہ وقت اور امیر زمانہ کا کوئی دباؤ نہ ہو اور فریادی کو بے لاگ انصاف کی ضمانت حاصل ہو سکے۔ جیسا کہ اسلام کی صدر اول کی تاریخ اس کی روشن مثالوں سے معمور ہے (۲) بے لاگ انصاف کی اسی صورت میں سیاست میں 'امانت' کے اوپر کے تصور کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور بلاشبہ اس تفصیل کے ساتھ امیر کی اطاعت بالواسطہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے مترادف ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی مشہور حدیث میں اس کی صراحت ہے، جس کا اشارہ اس سے پہلے اوپر کیا گیا ہے:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصی اللہ، و
من اطاع امیری فقد اطاعنی و من عصی امیری فقد
عصانی۔ (۳)

”جس نے میری بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے امیر کی بات مانی اس نے میری بات مانی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔“

اسی موقع پر اسلام میں امیر و مامور کے پاکیزہ ترین رشتے کو نمایاں کرنے والی آپ ﷺ کی دوسری حدیث بھی ہے جس سے آخری محمدی شریعت میں سیاست میں امانت کے تصور کی مزید تشریح ہوتی ہے:

(۱) ایک حوالہ کے لیے تفسیر ابن کثیر: ۵/۱۸۱ جہاں اس نکتے کو بہت کھول کر اور بہت وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

(۲) ایک نمونہ کے لیے یہودی کے ساتھ ایک جھگڑے میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قاضی شریع کی عدالت میں حاضری۔ حوالہ کے لیے ہماری کتاب: اسلام کا تصور مساوات۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم، صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیۃ و تحریمها فی معصیۃ۔

الاکلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ فالامام الذی
 علی الناس راع و هو مسئول عن رعیتہ، والرجل راع
 علی اهل بیتہ و هو مسئول عن رعیتہ، والمرأۃ راعیتہ
 علی اهل بیت زوجها و ولدہ و ہی مسئلة عنہم، و عبد
 الرجل راع علی مال سیدہ و هو مسئول عنہ، الا فکلکم
 راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔ (۱)

”سن لو تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اپنے ماتحت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ تو
 جو لوگوں کا حکمران ہے وہ بھی ان کا نگران ہے اور اپنے ماتحت کے بارے میں جواب دہ
 ہے۔ اسی طرح مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اپنے ماتحتوں کے سلسلے میں
 جواب دہ ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور ان کی
 بابت جواب دہ ہے۔ اسی طرح آدمی کا غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس کی
 بابت جواب دہ ہے۔ تو سن لو تم میں سے ہر شخص نگران اور تم میں سے ہر شخص اپنے
 ماتحت کے سلسلے میں جواب دہ ہے۔“

سیاست میں امانت اور نگرانی کا یہی تصور تھا جس نے خلافت راشدہ کے زمانہ میں
 حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی رات کی نیندیں اڑادی تھیں اور ریاست کے سرکاری خزانہ کے سلسلے
 میں ان کو غیر معمولی طور پر حساس بنا دیا تھا جس کا ایک ایک واقعہ آج کی بے خدا اور کرپٹ
 سیاست کے تازیہ عبرت کا کام دے سکتا ہے۔ علامہ ابن جوزی کی سیرۂ عمرؓ میں خلیفہ دومؓ کی بیوی
 حضرت عائکہؓ کے حوالہ سے آپؓ کا مشہور واقعہ ہے۔ آپؓ کے زمانہ خلافت میں سرکاری خزانے
 میں بحرین سے بڑی مقدار میں شک و غمبہ آیا۔ حضرت عمرؓ کی خواہش ہوئی کہ اسے کسی اچھا وزن
 کرنے والی خاتون سے وزن کرا کے مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔ شاید یہ خواہش بھی اسی
 احتیاط کے پیش نظر ہو کہ ایسی نازک چیز کے لیے نازک ہاتھ کا وزن ہی مناسب ہوگا۔ ان کی بیوی
 عائکہؓ کی طرف سے اس وضاحت کے باوجود کہ وہ بہت اچھا وزن کرتی ہیں خلیفہ دومؓ نے ان سے
 یہ خدمت لینے سے انکار کر دیا۔ عندیہ تھا کہ وزن کے دوران انگلی میں لگ جانے والے مشک و غمبہ

(۱) بخاری حوالہ سابق صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارہ، باب فضیلة الامام العادل و عقوبة الجائر الخ۔

کو کہیں وہ اپنی کان کی لو اور گردن میں تل لیں اور اس طرح خلیفہ وقت کے حصہ میں اس مال میں سے عام مسلمانوں سے کچھ زیادہ پہنچ جائے^(۱) دوسرے موقع پر ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ مالیات کے سلسلے میں جو غیر معمولی احتیاط برتتے تھے تو اس کے لیے وہ اللہ کے رسول ﷺ کے اس ارشاد کا حوالہ دیتے تھے:

”من مات غاشا لرعیتہ لم یروح رائحة الجنة۔ (۲)
”جو شخص اپنی رعایا کے ساتھ کھوٹ کرتے ہوئے مرے گا، اسے جنت کی ہوا نصیب نہ ہوگی۔“

لیکن یہ چیز جتنی محبوب اور پسندیدہ ہے اس کے تقاضے اتنا ہی مشکل ہیں۔ اپنے محبوب صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس کی طرف توجہ دلا دی تھی:

یا ابا ذر ان الامارة امانة و هی یوم القيامة خزی و ندامة
الامن اخذها بحقها ثم ادى الذی علیہ فیها و انی له
ذلک یا ابا ذر۔ (۳)

”اے ابوذر! حکومت کی ذمہ داری امانت ہے اور قیامت کے دن یہ رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگی۔ اس سے صرف وہ شخص محفوظ ہوگا جو اس کو اس کے حق کے ساتھ لے اور اس میں رہتے ہوئے اس کا حق ادا کرے۔ اور اے ابوذر! ایسا کر پانا کیا آسان ہے؟“

سیاست میں اس امانت کے بہ جائے جب خیانت کا دور دورہ ہو جائے جیسا کہ ہمارے زمانہ کا یہ وبائی مرض ہے تو یہ خطرے کی گھنٹی ہے۔ آپ ﷺ کی دوسری حدیث کے مطابق جب معاملات دنیا نا اہلوں اور قیامت کاروں کے حوالہ ہو جائیں تو یہ قرب قیامت کی علامات سے ہے:

(۱) ابن جوزی: سیرۃ عمر بن الخطابؓ، ۱۱۱، الدار القومیہ، مصر۔

(۲) طبقات بن سعد: ۲۹۹/۳، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، ۱۳۷ھ۔

(۳) امام محمد ۱۸۹ھ: کتاب الآثار ۱۲۸۔ مطبع اسلامی لاہور ۱۹۱۸ء۔ امام ابو یوسف ۱۸۲ھ: کتاب الآثار ۲۱۳،

احیاء المعاریف: نعمانیہ، حیدر آباد الدکن الہند، طبعہ اولیٰ ۱۳۵۵ھ۔ تصحیح و تعلیق: ابوالوفاء نیز ملاحظہ ہو:

صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارہ، باب کراهۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ۔

اذا ضيعت الامانة فانتظر الساعة۔ (۱)

”جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔“

اس پر سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ یہ امانت کس طرح ضائع کی جائے گی تو اس

کی تشریح میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا استد الامر الى غير اهله فانتظر الساعة۔ (۲)

”جب اقتدار نااہلوں کے سپرد ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔“

اتباع ہوئی سے گریز

اگلے مرحلے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک سیاست کو خواہش نفس کے فتنے سے مامون کرنے کا سامان کرتی ہے۔ فلسفے اور نفسیات کی گہرائیوں میں نہ جاتے ہوئے انسان کے اندر ایک قوت ہے جو اکثر و بیشتر اسے جاہد حق سے ہٹانے کا سبب بنتی ہے۔ ذہن اور دماغ سے آدمی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے یا کرنے جا رہا ہے وہ غلط ہے اور اسے اس سے باز رہنا چاہیے، لیکن وہی قوت اور داعیہ جس کا اوپر ذکر ہوا اس کو بالکل بے بس بنا دیتا ہے اور وہ کچھ کرتا اور کر جاتا ہے جس کے ناحق اور نادرست ہونے میں اسے کوئی شبہ اور اشکال نہیں ہوتا ہے۔ انسان کی یہ قوت اور اس کا یہ داعیہ ہے خواہش نفس جس کے لیے قرآن ’ہوئی‘ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور جسے اس کے لغت میں ایک مستقل اصطلاح کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک اپنے عام ماننے والوں اور پیروکاروں کے ساتھ خاص طور پر حکومت کے ذمے داروں اور سربراہوں، اجتماعیت کے اس سب سے بڑے مرض سے بچانے کا اہتمام کرتی ہے۔ آخری نبی ﷺ قریب سولہ سو ۱۶۰۰ سال قبل کے خانوادہ بنی اسرائیل کے جلیل القدر پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالہ سے قرآن کا یہ پیغام قیامت کے لیے دنیا کے تمام حکمرانوں، حکومت کے سربراہوں، صدور مملکت اور وزراء اعظم کے لیے اسی طرح عام ہے:

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الرقاق، باب رفع الامانة۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الرقاق، باب رفع الامانة۔

يٰۤاٰدُوۤاْ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ
الْحِسَابِ ۝

(ص: ۲۶)

”اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں نائب قرار دیا ہے تو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجیے اور آپ خواہش نفس کی پیروی نہ کیجیے جس سے کہ آپ اللہ کے راستے سے بھٹک جائیں۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہوگا اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو یاد نہیں رکھ سکے۔“

یہ آیت کریمہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے نظام سیاست کی اصل و اساس ہے۔ اس کی ابتداء ہی میں اس کی صراحت ہے کہ انسان اس سر زمین میں بالکل آزاد اور خود مختار نہیں ہے۔ اس کے بہ جائے وہ اللہ کے نائب کی حیثیت سے محدود اختیارات کا ہی مالک ہے۔ اور اسی دائرے میں اپنی آزادی کے استعمال سے وہ دنیا و آخرت میں کام یابیوں سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہے جسے دنیا میں حکومت و سیاست کا اول و آخر کہا جاسکتا ہے۔ اسی سے متصل خواہش نفس سے بچنے اور دور رہنے کی تاکید اور اس سے متعلق یہ وعید ہے کہ اس کے دام میں گرفتار ہو کر آدمی اللہ کے راستے سے بھٹک جاتا اور بے راہ روی میں بہت دور نکل جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو حق کے ساتھ فیصلہ اور خواہش نفس سے گریز میں بڑا قریبی تعلق ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خواہش نفس آتی نہیں کہ حق و انصاف رخصت ہوا۔ اور جس حکمران اور بادشاہ کی ذات اس کی خواہش نفس کی آماجگاہ بن جائے، وہ ذات کبھی بھی حق و راستی کی جلوہ گاہ نہیں بن سکتی۔ مزید، خواہش نفس کی اس پیروی میں بڑی وسعت ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ یہ ہر حال میں ذاتی اور انفرادی ہی ہو بلکہ بہت سی صورتوں میں اس کا محرک اس سے آگے گروہی، نسلی، قومی، لسانی، علاقائی اور بین الاقوامی ہو سکتا ہے۔ خواہش نفس کا یہ محرک جتنا طاقت ور اور وسیع الجہات ہوگا اس کا لایا ہوا فساد اور اس کے نتیجے میں برپا ہونے والی زیادتی اور بے انصافی کا دائرہ بھی اسی کے مطابق وسیع سے وسیع تر ہوگا۔ معاصر دنیا کی ملکی اور عالمی سیاست کے منظر نامے

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

پر ایک سرسری نظر ڈال کر ہی اس حقیقت کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ آیت کریمہ کے آخری حصہ میں اس حکم کا لحاظ نہ کرنے والوں کے لیے آخرت کے سخت عذاب کی دھمکی ہے۔ یہ انسان کو اس کی خلاف ورزی سے باز رکھنے کا سب سے بڑا محرک ہے۔ چنانچہ آج زندگی کے دوسرے دائروں میں خرابی اور بگاڑ کے ساتھ سیاست کے میدان میں جو بھیانک فساد اور بگاڑ پایا جاتا ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ انسان آخرت کی جواب دہی کے احساس سے عاری ہو گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو جتنا ہی باختیار ہے اسی پیمانے پر وہ اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر رہا ہے۔ اور اپنے آخرت کے انجام کو تاریک سے تاریک تر کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اس سے اوپر کی بات اس سے آگے کہی گئی ہے اور وہ یہ کہ زمین و آسمان کی پیدائش بے مقصد نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کے لیے آزاد ہو اور اس کا کوئی محاسبہ نہ ہو:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِإِلَافٍ ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ
الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۚ أَمْ نَجْعَلُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ أَمْ
نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۚ

(ص: ۲۷-۲۸)

”اور ہم نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جو کفر کے راستے پر گامزن ہیں تو ایسے کافروں کے لیے دوزخ کی تباہی ہے۔ کیا ہم وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کو زمین میں فساد پر پا کرنے والوں کے مانند کر دیں گے۔ یا یہ کہ ہم (اللہ سے) ڈر کر رہنے والوں کو نافرمانوں کے مانند بنادیں گے۔“

روئے زمین پر حق و انصاف کی آب یاری میں معاصر دنیا کی سیاست کی آخری اڑان ہے کہ اس کے سلسلے میں ملکی و ساتیروں اور کچھ عالمی کنونشنوں اور ریزولوشنوں کا حوالہ دے دیا جائے۔ آیت بالا کے حوالہ سے اسلام کی نجات دہندہ تحریک اس مسئلہ کو آسمان کی بلندیوں تک لے جاتی ہے۔ کہا یہ جارہا ہے کہ خواہش نفس کے دباؤ میں حق و انصاف کی پامالی روح کائنات کے منافی ہے۔ پیدا کرنے والے نے زمین و آسمان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ جس کے نتیجے میں یہاں جو جیسے چاہے رہے اور جو چاہے کرے۔ اس کے بہ جائے اس کائنات کا بے مقصد آغاز اسی طرح ایک

خاص مقصد کے تحت اس کا انجام ہونا ہے۔ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہر شخص کی جو اچھی اور بری کارکردگی ہوگی تخلیق کائنات کی اس مقصدیت کے پیش نظر اس کو اس کے مختلف انجام سے دو چار ہونا ہوگا۔ اس کا برعکس خیال اہل کفر و شرک کی خام خیالی ہے اور بہت جلد ان کی اس خام خیالی کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ آگے اس سلسلے کی آخری نصیحت ہے کہ حکومت اور اقتدار کے نشے سے آزاد ہو کر لوگ کتاب اللہ کی قرار واقعی قدر دانی کریں۔ اس کے بیان کردہ حقائق پر لوگ تھوڑا سا بھی غور کر سکیں تو حقیقت حال ان کے سامنے آجائے اور بے انصافی اور خواہش نفس دونوں کی آفات سے وہ اپنے کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں۔

كِتَابُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبْرَكٌ لِّيَذَكَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

(ص: ۲۹)

”یہ کتاب جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بڑی برکت والی ہے۔ تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ سمجھدار لوگ (اس سے) یاد دہانی حاصل کریں۔“

یہی بات ہے جو سورہ شوریٰ میں نبی ﷺ کو خطاب کر کے اس طرح کہی گئی۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے اپنی خواہش نفس کے فتنہ سے مامون کر دیا جاتا ہے۔ لیکن مروت میں وہ دوسرے کے کہنے میں آسکتا اور اس کی خواہش نفس کا اثر لے سکتا ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کو آنے والی آیت کریمہ میں صاف لفظوں میں سمجھا دیا گیا کہ خواہش نفس کی پیروی کے ساتھ بے لاگ عدل کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔ خواہش نفس کی بادِ سموم کا کوئی جھونکا آیا نہیں کہ عدل و انصاف کی فصل نازک کا جھلس جانا یقینی ہے:

فَلِذَلِكَ فَادُعْهُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ ۚ
وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ
بَيْنَكُمْ ۚ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ
لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۚ

(الشوری: ۱۵)

”تو اس لیے (اے نبی!) آپ (لوگوں کو) دعوت دیجیے اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا جا رہا

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

ہے (اپنے راستہ پر) جسے رہیے اور مخالفوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔ اور کہہ دیجیے کہ اللہ نے مجھ کو جو عظیم کتاب دی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہمارے کام ہمارے کام آئیں گے اور تمہارے کام تمہارے لیے ہوں گے۔ اب ہم کو ایک دوسرے سے بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ ہم سب کو (اپنے پاس) اکٹھا کرے گا اور (ہم سب کو) اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔“

اس آیت کریمہ سے اتباع ہوئی کے اس مرض کی بڑھی ہوئی تباہ کاری اور ہلاکت خیزی کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں آدمی وقتی طور پر زیادتی اور بے انصافی کا ہی ارتکاب نہیں کرتا، بل کہ یہ مرض شدت پکڑ جائے تو اس کی وجہ سے آدمی قرآن اور پیغمبر کا انکار کر سکتا ہے اور توحید کے مقابلے میں کفر اور شرک کو ترجیح دے سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات مبارکہ میں ایسا ہو چکا ہے اور آج بھی پھیلی ہوئی دنیا میں اس کے بہت بڑے حصے پر اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ سورہ جاثیہ کی آیات ذیل میں اس مضمون کو کھول دیا گیا ہے۔ جہاں حیات و کائنات کی اس سب سے بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ بہت سی صورتوں میں یہ خواہش نفس آدمی کے لیے خدا کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور صبح سے شام تک وہ اسی کی پرستش میں گرفتار رہتا ہے۔ شرک و کفر کا یہ وہ مرحلہ ہے جس کی سرحدیں صاف الحاد اور انکار خدا سے جا ملتی ہیں۔ جس کے بعد انسان کی بصیرت اور بصارت دونوں پر ہمیشہ کے لیے گم راہی کا قتل چڑھ جاتا ہے اور ہدایت کی تمام راہیں اس کے لیے مسدود ہو جاتی ہیں:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ؕ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝ (جاثیہ: ۲۳-۲۴)

”تم کیا سمجھتے ہو کہ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود ٹھہرا لیا ہے اور اللہ نے جاننے ہوئے اس کی قسمت میں گم راہی لکھ دی ہے اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا

دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، تو اللہ کے بعد ایسے شخص کو کون راہ دکھا سکتا ہے، تو کیا تم یاد دہانی نہیں حاصل کرتے ہو۔ اور کافروں کا کہنا ہے کہ یہ تو بس ہماری دنیا کی زندگی ہے، ہم ایسے ہی مرتے اور جیتے ہیں اور یہ زمانہ ہی ہے جو ہمارا کام تمام کرتا ہے، لیکن ان کو حقیقت کا کچھ پتہ نہیں ہے، وہ تو بس اندھیرے میں ٹکا چلاتے ہیں۔“

لوگوں کی نظر میں یہ خواہش نفس معمولی چیز ہو سکتی ہے لیکن اللہ کی کتاب کے نزدیک اس سے بڑھ کر انسان اور کائنات کے لیے ہلاکت اور تباہی کو دعوت دینے والی کوئی دوسری چیز نہیں۔ حق بے اثر ہو جائے اور زمین پر لوگوں کی خواہشات کی حکمرانی قائم ہو جائے تو زمین اور اہل زمین کو تباہی اور بربادی سے بچانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگ اس یاد دہانی سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے:

وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۝

(مومنون: ۷۱)

”اور اگر حق اہل باطل کی خواہشات کا پابند ہو جائے تو زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جائے اور ان کے درمیان جتنے رہنے والے ہیں سب اس کی لپیٹ میں آجائیں حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کے پاس ان کی یاد دہانی کا سامان لے کر آئے ہیں لیکن وہ اپنی یاد دہانی سے منہ موڑتے ہیں۔“

حدیث سے بھی خواہش نفس کے اس مرض کی یہی برائی سامنے آتی ہے جس سے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام دائروں کی طرح ان کی حکومت و سیاست کو بھی محفوظ رکھنا ضروری ہے:

و اما المهلكات فهوى متبع و شح مطاع و اعجاب

المرء بنفسه و اهو اشد هن۔ (۱)

”رہیں ہلاک کرنے والی چیزیں تو وہ خواہش نفس ہے جس کے پیچھے آدمی بھاگنے لگے اور لالچ اور نکل ہے جس کا آدمی غلام ہو جائے اور خود رائی و خود پسندی جو ان سب میں بڑھ کر ہلاکت خیز ہے۔“

(۱) بیہقی فی شعب الایمان، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲۔ کتاب الآداب، باب الغضب و الکبر، فصل ثالث۔

خدا ترسی و خیر پسندی

معاصر دنیا کی سیاست کا نام آتے ہی ذہن میں مکرو فریب ہے۔ ایمانی و بدعنوانی، ناخدا ترسی اور جرائم پسندی کا تصور ابھرتا ہے۔ یہاں تک کہ سیاست کو ایک ایسا گند اتالا ب باور کیا جاتا ہے جس میں گھسنے کے بعد آدمی کا پاک باز اور پاک دامن باقی رہنا ممکن نہیں۔ یہی ہے جو بہت سے مخلص اور ایمان دار لوگ جو سیاست کے ذریعہ سماج اور معاشرے کی مخلصانہ خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، وہ اس کی زبوں حالی کو دیکھ کر اپنے قدم کو پیچھے ہٹانے کے لیے اپنے کو مجبور پاتے ہیں۔ اسلام کی نجات دہندہ معاصر دنیا کی سیاست کو جس بلندی اور پاکیزگی سے ہم کنار کرنا چاہتی ہے اور جس کا کام یاب ترین تجربہ آج سے چودہ سو سال پہلے خلاف راشدہ کی صورت میں وہ دنیا کو دکھانا چکی ہے، اس کا طرز و انداز اس سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے۔ اس کے مطابق دنیا کی امامت و سیادت کے منصب پر جو لوگ فائز ہوں گے اور جن کے ہاتھ میں حکومت و اقتدار کی زمام ہوگی، وہ نماز و زکوٰۃ کا اہتمام کرنے والے اور بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے والے ہوں گے:

الَّذِينَ اِنْ مَّكَّنْهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُورِ
(الحج: ۴۱)

”وہ لوگ کہ جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اسلامی ریاست کے حکمرانوں کے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا جو حکم ہے اس کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے طور پر اس کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ نہیں بلکہ اس کا مطلب ہے کہ خود تو وہ نماز کو قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہی ہیں، اس سے آگے وہ اپنی پوری مملکت میں اس کی فضا ہموار کرتے اور اس کا نظام قائم کرتے ہیں۔ معلوم ہے کہ اسلام میں نماز اور زکوٰۃ پورے دین کا عنوان ہے۔ نماز کے اہتمام کے ذریعہ انسان کا اپنے اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ بندہ مومن کی شعوری نماز انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر دائرے

میں اس کو نفس و شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھتی اور اس کو جادہ حق و صواب پر استوار رکھتی ہے۔ بچی زکوٰۃ کے ذریعہ آدمی خدا کے بندوں سے جڑتا اور ان کے دکھ درد میں ان کا شریک اور حصہ دار بنتا ہے۔ معاصر دنیا کی سیاست میں حکمران عوام کو لوٹتے اور چوستے اور ان کی گردن پر سوار ہوتے ہیں، اسلام کی سیاست عادلہ میں حاکم عوام کا خادم اور ان کا حاجت روا اور ہم درد و غم گسار ہوتا ہے۔ اپنے طور پر زکوٰۃ کی ادائے گی اور اس کا نظام قائم کر کے وہ اس ہم دردی اور بھی خواہی کا عملی ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اس کے بعد جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ دنیا کے اندر بھلائی کا نظام قائم اور برائیوں کا خاتمہ عمل میں آئے۔ سو اسلام کی سیاست عادلہ کے کارپردازوں کی آگے یہی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ معاصر دنیا کی سیاست اس وقت سر سے پیر تک برائیوں میں لت پت ہے۔ سیاست میں جس کا عہدہ اور منصب جتنا بڑا ہے اسی قدر بدکاری و بے حیائی اور بے ایمانی اور بدعنوانی میں بھی اس کا درجہ بلند ہے۔ ہمارا وطن عزیز اس سلسلے میں شاید سب سے زیادہ بد قسمت ہے، اس کا حکمران طبقہ بدی و بدکاری کی جس آخری حد کو پہنچا ہوا ہے، یہ محض اللہ تعالیٰ کا غنودہ گزر اور اس کی حلم و بردباری ہے جو اس کو اس کی پکڑ سے بچائے ہوئے ہے۔ اسلام کی سیاست عادلہ حکمران طبقے کا کردار اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ نہ صرف یہ کہ بھلائیوں سے قریب اور برائیوں سے دور رہنے والا ہے، بل کہ اس سے آگے اپنے حدود و مملکت میں آخری حد تک وہ بھلائیوں کو فروغ دینے والے اور برائیوں کو دبائے اور ان کو مٹانے والا ہوتا ہے۔ بھلائی اور برائی کی تعریف سے دنیا آشنا ہے۔ آخری محمدی شریعت میں جس چیز اور جس عمل کو بھلایا یا برا کہا گیا ہے، انسان کی فطرت سلیم اور اس کی عقل محفوظ بھی اس کو اسی طرح بھلائی اور برائی کے طور پر تسلیم کرتی ہے۔ آیت بالا کی روشنی میں اسلام کی سیاست عادلہ کے امین روئے زمین پر ان بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کے خاتمہ کا اپنے کو پابند تسلیم کرتے ہیں۔

دوسرے موقع پر بھی ان کی یہی خصوصیت اور ان کی یہی خوبی بیان کی گئی ہے۔ زمین میں حکومت و اقتدار مل جانے کے بعد وہ بے لگام نہیں ہوتے بل کہ اپنی پوری زندگی میں ایمان اور عمل صالح کی روش پر کاربند ہوتے ہیں۔ ایک خدا کی بندگی کے راستے پر مضبوطی کے ساتھ جے ہوتے ہیں۔ جس کی برکت سے ہی زندگی میں دین و دنیا کی بھلائیوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کے ساتھ وہ انفرادی اور اجتماعی کے ہر دائرے میں رسولؐ کے

بتائے ہوئے طریقے پر کاربند ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں دنیا و آخرت میں وہ رحمت ایزدی کو اپنا ہم رکاب پاتے ہیں:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرُّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (نور: ۵۵-۵۶)

”اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے ہوں گے وہ ان کو ضرور زمین میں اقتدار بخشے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو اقتدار بخشا اور ان کے لیے ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند کر رکھا ہے اور ان کی خوف کی حالت کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ (جس کے بعد وہ بے خوف و خطر) میری بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کر کے راستے پر جے رہیں تو یہی اصل نافرمان ہیں۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی پیروی اختیار کرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔“

عہدے اور مناصب سے دوری

معاصر دنیا کی سیاست کی آفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ، یہاں ہر شخص عہدے اور منصب کا بھوکا ہے۔ سیاست کے ذریعہ عوامی خدمت بس برائے نام ہی رہ گئی ہے۔ ورنہ اس کا ادنیٰ و آخر مقصود عہدوں اور مناصب کی طلب رہ گیا ہے۔ قصبہ کی معمولی میونسپلٹی سے لے کر وزارت عظمیٰ تک ہر جگہ اس کی لالچ اور اسی کی ہوس کا دور دورہ ہے۔ اس کے لیے ہر طرح کا جوڑ توڑ کیا جاتا ہے اور تمام طرح کی بے ضابطگی اور بد اخلاقی کو روا رکھا جاتا ہے۔ بدلے حالات میں ضرورت کے تقاضے سے امیدواری کے نظام کو جائز بھی تسلیم کر لیا جائے، جب بھی سیاست کو

صرف عہدوں اور مناصب کی آماجگاہ بنانے سے بہت کچھ محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں تو سیاست کی ہی اسی لیے جاتی ہے کہ جلد سے جلد اور بڑے سے بڑا عہدہ ہتھیا یا جاسکے۔ اسی کے نتیجے میں وطن عزیز کے منظر نامے میں مرکز سے لے کر ریاستوں تک مخلوط حکومتوں کی سیاست میں جبو کا بنا کس اور وزیروں کی فوج ظفر موج تیار کی جاتی ہے۔ کتنے وزیروں کی شکایت ہوتی ہے کہ ان کے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں ہے۔ جب کہ بہتوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ ان کے ذمے کام کیا ہے اور وہ کس محکمہ اور کس وزارت سے متعلق ہیں۔ ملکی سیاست میں وزیر بے قلم دان کا منصب ماضی میں کسی مصلحت سے رکھا گیا ہوگا۔ آج اس کا رنگ و آہنگ اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے وزراء باتدبیر صاحب قلم دان ہوتے ہوئے بھی عملاً بے قلم دان اور کسی کام کے بغیر ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عوام کا خزانہ بلا ضرورت خالی ہوتا ہے تو خالی ہوانہوں نے سیاست کو جو ایک کاروبار کی حیثیت سے اپنایا ہے تو اس کی لاگت کو مناسب منافع کے ساتھ تو ان کو ہر حال میں وصول کرنا ہی ہے۔ آنے والے انتخاب میں اسمبلی اور پارلیمنٹ کی نشست نکل پائے نہ نکل پائے اس لیے اس وقت جو موقع مل گیا ہے تو اس کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ سیٹ نکال لی ہے تو وزارت کی اہلیت اپنے آپ ثابت ہے۔ اب ہر حال میں اس کی کرسی چاہیے، اس کے باقی نفع نقصان پر ذہن لگا کر ان کو اپنے عیش کو مکدر کرنے کا بالکل یار نہیں ہے۔ سیاست کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک روشنی کی کرن لے کر سامنے آتی ہے۔ یہ رہبر اعظم ﷺ کی اپنے چاہنے والوں کو عہدہ و منصب کی دوری کی تلقین ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہؓ کو ایک موقع پر آپ ﷺ نے خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

یا عبد الرحمن بن سمرہ، لا تسأل الامارة، فان اعطيتها

عن مسألة وکلت اليها، و ان اعطيتها عن غير مسألة

اعنت عليها۔ (۱)

”اے عبدالرحمن بن سمرہ! حکومت دوسرے ہی کے طلب گار مت بنو اس لیے اگر یہ تم کو

(۱) صحیح بخاری ج ۱، کتاب الاحکام، باب من سأل الامارة و کل اليها، صحيح مسلم جلد ۳۔ کتاب

الامارة، باب النهی عن طلب الامارة والحرض علیها۔

مانگنے سے ملے گی تو تم کو اس کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیا جائے گا اور اگر یہ تم کو بغیر مانگے ملے گی تو تم کو اس کے لیے اچھے مددگاروں کی رفاقت نصیب ہوگی۔“

یہ سیاست میں روحانیت کی آمیزش کا مسئلہ ہے۔ ایک مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو تو وہ دین و دنیا کا کوئی کام ٹھیک طریقے سے انجام نہیں دے سکتا۔ حکومت و سیاست کی ذمے داری زندگی کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے جس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ جوڑ توڑ سے ایسے کسی منصب کو حاصل کر کے آدمی اگر اللہ کی مدد سے محروم ہو جائے، تو اس سے بڑھ کر اس کی دوسری بد نصیبی نہیں ہو سکتی ہے۔ اسی لیے سچے مسلمان کو ہمیشہ طلب اور کوشش کے بغیر کسی عہدے اور منصب کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہونا چاہیے۔ یہ اس حدیث نبویؐ کا بڑا اہم نکتہ ہے جس کے پیش نظر امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ زیر نظر باب کے علاوہ اس سے اوپر اس مضمون کو ممتاز کرنے کے لیے اس کا الگ باب قائم کرتے ہیں۔ جہاں اس سے پہلے وہ اس روایت کو الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

باب من لم یسأل الامارة اعانه الله علیها۔ (۱)

”اس کا باب کہ جو حکومت و سربراہی کا طلب گار نہ ہو اللہ اس کے معاملے میں اس کی مدد کرتا ہے۔“

اس کے بعد وہ دوسرا باب ہے جس سے ہم نے اوپر کی روایت نقل کی ہے:

باب من سأل الامارة و کل الیها۔ (۲)

”اس کا باب کہ جو حکومت و سربراہی کا طلب گار ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔“

دوسری روایت میں اس کی مزید تفصیل ہے۔ حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ ایک موقع پر میں اور میرے قبیلے کے دو اشخاص اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ دیر بعد ان دونوں آدمیوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم کو کوئی عہدہ اور منصب عطا فرمائے۔ دوسرے شخص نے آپ ﷺ سے اسی کی فرمائش کی۔

(۱) صحیح بخاری، حوالہ سابق۔

(۲) صحیح بخاری، حوالہ سابق۔

فقال احد الرجلین: امرنا یا رسول اللہ، و قال الآخر مثله، اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا لا نولی هذا من سألہ ولا من حرص علیہ۔ (۱)

”ہم کوئی عہدہ اور منصب اس شخص کو نہیں دیتے جو اس کا طلب گار ہوتا ہے یا اس کے اندر اس کا لالچ ہوتا ہے۔“

صحیح بخاری کے اسی باب میں آپ ﷺ کی دوسری حدیث بھی ہے جس میں آپ ﷺ نے قیامت تک کے لیے اصولی عہدہ اور منصب کے لالچ سے بچنے اور اس کی بڑھی ہوئی ذمہ داریوں میں کوتاہی کے پیش نظر قیامت کے دن اس کی وجہ سے ہونے والی شرمندگی اور پشیمانی کا تذکرہ کر کے اس سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔ وسائل حیات کی ترقی کے ساتھ معاصر دنیا کی سیاست بھی بہت پرکشش ہو گئی ہے۔ ایک بار جس کو اس کا مزہ مل جائے پھر وہ کسی طرح اس کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا ہے۔ حدیث کے آخری ٹکڑے میں اس کی بہت اچھی مثال دی ہے۔ بچے کو ماں کا دودھ پینے میں کتنا سکھ ملتا ہے، لیکن جب اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے تو اس کو اسی قدر تکلیف بھی ہوتی ہے۔ یہی حال حکومت و اقتدار اور عہدہ و منصب کا ہے کہ اس سے حاصل ہونے والی سہولت اور راحت تو آدمی کو بہت اچھی لگتی ہے۔ لیکن ذمہ داریوں میں کوتاہی کے نتیجے میں اللہ کی جناب اس کی جو جواب دہی کرنی ہوگی اس سے اس کی دنیا کا سارا سکھ ہرن ہو جائے گا۔ بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ زبان تہذیب اور عقیدے کی علم بردار ہوتی ہے۔ اس کی روشنی میں وطن عزیز کی سیاست میں ’ستا کا سکھ بھو گئے‘ کی تعبیر کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کو یہ تعبیر بالکل راس نہیں ہوتی۔ یہاں تو مسؤلیت ہی مسؤلیت ہے۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے خدا ترس و دین دار امیر اور خلیفہ کا دن کا چین اور راست کا آرام حرام ہو جاتا ہے۔ اب حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ پڑھیے جس کی روایت صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ کرتے ہیں:

(۱) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الاحکام، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارہ، صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارہ، حوالہ سابق۔

انکم ستحرصون علی المازة، و ستكون ندامة يوم

القیامة، فنعلم المرضعة و بنست الفاطمة. (۱)

”ایک وقت آئے گا جب کہ تمہارے اندر عہدہ و منصب کا لالچ پیدا ہو جائے گا، لیکن قیامت کے دن یہ سرتاسر پچھتاوا کا باعث ہوگا۔ تو اچھا ہے کہ یہ دنیا میں نہ ملے جس سے کہ آخرت میں پچھتانہ نہ پڑے۔“

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تو اس سلسلے میں یہاں تک کہنا ہے کہ:

لو علمت ان احدا اقوى علی هذا الامر منی لکان ان

اقدام فیضرب عنقی اهون علی فمن ولی هذا الامر بعدی

فلیعلم ان سیرده عنه القریب والبعید وایم الله ان كنت

لاقاتل الناس عن نفسی. (۲)

”اگر مجھ کو پتہ ہو کہ میرے مقابلے میں دوسرے کے اندر حکومت چلانے کی زیادہ

اہلیت ہے تو یہ بات کہ آگے بڑھا کر میری گردن مار دی جائے، اس کے مقابلے میں

یہ میرے لیے زیادہ آسان ہوگا۔ تو میرے بعد اس معاملے کا جو ذمہ دار ہو اس کو پتہ

ہونا چاہیے کہ اس کے نزدیکی اور دور کے سب مل کر اس کو اس سے بے دخل کرنے کی

کوشش کریں گے۔ اور خدا کی قسم اپنے دفاع میں لوگوں سے لڑتے میری عمر گزر گئی۔“

دوسرے موقع پر اس کی وضاحت ہے جہاں حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں قوم کی

سربراہی کے مقابلے میں انھوں نے اپنی گردن مار دیے جانے کو ترجیح دی:

لان اقدام فتضرب عنقی احب الی من ان اتأمر علی قوم

فیہم ابوبکرؓ. (۳)

”مجھے کھینچ کر لایا جائے اور میری گردن مار دی جائے یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ

پسندیدہ ہے کہ میں اس جماعت کی امارت قبول کروں جس میں کہ ابوبکرؓ جیسی ہستی

موجود ہو۔“

(۱) صحیح بخاری، حوالہ مذکور۔

(۲) موطا امام محمد ۴۰۰، باب النوادر، خورشید بیک ڈپو، لکھنؤ ۱۹۸۲ء۔

(۳) احیاء علوم الدین: ۲/۹۴، طبع قدیم، مطبعہ عامرہ شریف، مصر ۱۳۲۶ھ۔

معاصر دنیا کی سیاست کو اس بے نفسی اور احتیاط کا معمولی سے معمولی حصہ بھی مل جائے تو اس کی کاپی پلٹ ہو جائے۔ اسلام کی سیاست عادلہ اس کے لیے اس کا کاپی پلٹ کا پورا سامان کرتی ہے، اب اس کا انحصار ان سطور کے پڑھنے والوں اور سننے والوں پر ہے کہ وہ اپنے کو اس کے لیے کس حد تک آمادہ کر پاتے اور اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے چشمہ صافی سے اپنے کو کس قدر سیراب کرنا چاہتے ہیں۔

عدل و انصاف

عدل و انصاف پر ضمناً گفتگو اس سے پہلے اتباع ہوئی سے گریز کے عنوان کے تحت آچکی ہے۔ لیکن اسلام کی سیاست عادلہ میں یہ مضمون مرکزی اہمیت کا حامل ہے اس لیے اس پر الگ عنوان کے تحت گفتگو ضروری معلوم ہوتی ہے۔ سیاست اگر انصاف سے عاری ہو جائے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ جسم سے روح نکل جائے۔ اسلام کی سیاست عادلہ اپنے ہیکل سے اس روم کی جدائی کے لیے کسی صورت تیار نہیں۔ اسی لیے کتاب اللہ میں اس کی تاکید ہے کہ کسی لاگ پلیٹ اور کسی جانب داری اور تحفظ کے بغیر دنیا میں عدل و انصاف کا قیام اور اس کا بول بالا ہونا چاہیے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أُولَىٰ بِهَمَّا ۚ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىَٰ أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تُعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

(النساء: ۱۳۵)

”اے مسلمانو! عدل و انصاف کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے والے اور اللہ واسطے (حق کی) گواہی دینے والے بن جاؤ۔ چاہے یہ تمہاری اپنی ذات، تمہارے ماں باپ اور تمہارے رشتہ داروں کے خلاف ہی پڑنے والی کیوں نہ ہو۔ اس کی زد میں آنے والا مال دار یا محتاج جو بھی ہو ان کی اللہ کو زیادہ فکر ہے۔ تو تم خواہش نفس کی پیروی میں انصاف کے راستے سے نہ ہٹو۔ اس کے باوجود اگر تم (گواہی میں) گڑبڑی کرتے یا (اس سے) روگردانی کرتے ہو تو معلوم ہوتا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح پتہ ہے کہ تم کیا کچھ کرتے ہو۔“

اس آیت کریمہ میں ایک بات تو یہ کہی گئی ہے کہ انفرادی و اجتماعی کے تمام دائروں میں بے لاگ عدل و انصاف کے قیام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ انسان کا خواہش نفس کی پیروی میں گرفتار ہو جاتا ہے، جس پر اس سے پہلے تفصیلی کلام ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی یہ دستوری آیت کریمہ دنیا میں ہمہ جہتی انصاف کے قیام کے معاون اسباب کی نشان دہی کرتی اور اس کی آفات اور اس کی رکاوٹوں کا پتہ دیتی ہے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ جب تک ایک اللہ کی ذات پر آدمی کا سچا ایمان، دوسرے لفظوں میں اللہ کی ذات کو زندگی میں مرکزی مقام حاصل نہ ہو انسانی زندگی میں عدل و انصاف کی آب یاری کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ جب تک آدمی اللہ کو حاضر ناظر جان کر حق کی گواہی دینے کو تیار نہ ہو گا وہیں کی پنچایت سے لے کر عدالت عظمیٰ تک اور میونسپلٹی کی سطح سے وزارت عظمیٰ اور قصر سلطنت تک حق و انصاف کی آب یاری کی ضمانت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ کتاب اللہ کی تاکید ہے کہ یہ گواہی اپنے خلاف اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں جس کے خلاف بھی کیوں نہ جائے اس میں کسی قسم کا جھول اور پلک نہیں آنی چاہیے۔ بسا اوقات اس انصاف سے انحراف کا محرک یہ ظاہر پاکیزہ ہو سکتا ہے کہ غلط گواہی سے کسی غریب اور محتاج کا بھلا ہو جائے گا۔ اسی طرح اکثر صورتوں میں کسی شخص کی دولت مندی اور اس کے اثر و رسوخ سے مرعوب ہو کر آدمی غلط گواہی کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ جادۂ انصاف سے انحراف کے ان دونوں ہی محرکات کی نفی کی گئی اور خواہش نفس کے فریب میں نہ آ کر بے لاگ انصاف کو یقینی بنانے کا حکم دیا گیا۔ آخر میں پھر تنبیہ کی گئی کہ ان تاکیدات کے باوجود اس سلسلے میں اگر کمی کوتاہی ہوتی ہے۔ جی گواہی میں ہیر پھیر کیا جاتا ہے یا اس کو دینے سے انکار کیا جاتا ہے تو آخرت میں اس جرم عظیم پر اللہ کی پکڑ کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ جو دنیا میں آدمی کے ہر چھوٹے بڑے عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس کے ظاہر و باطن ہر ایک کو وہ یکساں طور پر سمجھتا اور جانتا ہے۔ افسوس ہے کہ سمجھدار انسانوں کی بہت بڑی اکثریت اللہ کی کتاب سے منہ موڑ کر اپنے مسائل کا حل چاہتی اور دنیا میں عدل و انصاف کی آب یاری کی آرزو مند ہے۔ لیکن ان تعلیمات کو نظر انداز کر کے اس کی اس خواہش کی کبھی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

دوسرے موقع پر بھی اس سلسلے میں اللہ کی کتاب کی تاکید کا یہی رنگ ہے۔ البتہ یہاں اس کا اضافہ ہے کہ انصاف کے معاملے میں اپنے اور غیر ہی نہیں دوست دشمن کے معاملے کا بھی

کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی اس کی آب یاری کے لیے خوف خدا کو لازمی شرط کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ فرد کی ذاتی زندگی کی طرح قوموں اور جماعتوں کی اجتماعی زندگی میں اس تقویٰ اور خوف خدا کا دور دورہ نہ ہو، آج کی ترقی انسانیّت کو انصاف کی ایک بوند بھی نصیب نہ ہو سکے گی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ ۭ لَا تَعْدِلُوا ۖ اِعْدِلُوا ۖ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

(المائدہ: ۸)

”اے مسلمانو! تم اللہ واسطے اٹھ کھڑے ہونے والے بنو انصاف کی گواہی دیتے ہو۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس گناہ میں مبتلا نہ کرے کہ تم عدل سے کام نہ لو۔ عدل کو مضبوطی سے پکڑ دینا خوف خدا سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ کو خوب پتہ ہے جو تم کرتے ہو۔“

سورہ نساء کی آیت بالا میں ’انصاف کو پکڑنے والے اور اللہ واسطے گواہی دینے والے‘ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ لِلَّهِ، ہے اور یہاں اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ، کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ پہلی آیت کریمہ میں انصاف کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا مطلب ہے اللہ واسطے پکڑنا اور اللہ واسطے گواہی دینے کا مطلب ہے انصاف کے لیے گواہی دینا۔ اسی طرح یہاں ’اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے‘ قَوَّامِينَ لِلَّهِ، کا مطلب ہے انصاف کے واسطے اٹھ کھڑا ہونا اور انصاف کی گواہی دینے ’شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ‘ کا مطلب ہوا اللہ واسطے اس کی گواہی دینا۔ اس سے انصاف اور توحید دوسرے لفظوں میں قانون اور اخلاق کے گہرے اور نازک ترین رشتے کی گتھی سلجھتی ہے۔ زندگی میں جب تک اللہ کی ذات کو مرکزیت حاصل نہ ہوگی، عدل و انصاف کی طرح دوسری تمام مطلوبہ قدروں کو ان کی جائز جگہ حاصل نہ ہوگی۔ آگے دشمن کے ساتھ انصاف نہ کر سکنے کے لیے لفظ جرم کا استعمال کیا گیا ہے ’وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ ۭ لَا تَعْدِلُوا‘ جس سے مزید اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اس کی عظمت اور اہمیت کا

اندازہ ہوتا ہے۔ آخری بات اللہ کے خوف اور تقویٰ کی ہے جس کے بغیر کبھی انصاف کی یہ نیل مینڈ چڑھنے والی نہیں، جیسا کہ اس کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے۔

احادیث و آثار سے بھی انصاف کی یہی اہمیت سامنے آتی ہے۔ انصاف کا الناظم ہے۔ جس سے بچنے اور دور رہنے کی اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی تاکید کی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات يوم القيامة واتقوا الشح

فان الشح اهلك من كان قبلكم حملهم على ان سفكوا

دماءهم و استحلوا محارمهم۔ (۱)

”ظلم سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا ہوگا۔ اسی طرح لالچ اور بخل سے دور رہو اس لیے کہ لالچ اور بخل تم سے پہلے لوگوں کو بری طرح تباہ کر چکی ہے۔ اس نے لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں اور ایک دوسرے کی عزت و ناموس کو تار تار کریں۔“

یہ حدیث شریف اسی مضمون کے سلسلے میں بہت جامع ہے۔ جس میں ظلم کے ساتھ اس کے سبب اور محرک کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہ حرص و طمع اور بڑھی ہوئی لالچ، شح، کا مرض ہے جس کے سامنے آدمی بالکل بے بس ہو کر رہ جائے اور اس کو اپنے اوپر بالکل قابو ہی نہ رہے۔ جس فرد اور قوم کے اندر یہ مرض پیدا ہو جائے یہ اس کو بالکل اندھا بنا کے رکھ دیا۔... موت کے گھات اتارے گئے اور ان کی جان کے ساتھ ان کے مال اور ان کی عزت و آبرو کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا اور ان پر طرح طرح سے مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اس کا اصل سبب اور محرک بھی وسائل کو ذخیرہ اندوزی اور ملک گیری کی ہوس کے سوا دوسرا نہ تھا۔ اور آج کی ایک قطبی دنیا کی واحد سپر پاور کے ذریعہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو بھی اسی حرص و طمع اور حد اعتدال کو پھاندنے والی لالچ، شح، کا شرہ اور نتیجہ کہنا چاہیے۔ دوسری حدیث میں بھی آپ ﷺ نے اس کی ایسی ہی ممانعت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

(۱) صحیح مسلم جلد ۴۔ کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم۔ نیز: مسند احمد: ۳/۳۲۳۔

انصر اخاک ظالما او مظلوما۔

”اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظلم کرنے والا ہو یا اس پر ظلم کیا جا رہا ہو۔“

بات چونکا نے والی تھی اس لیے لوگوں نے سوال کیا کہ مظلوم کی مدد کا مطلب تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن یہ ظالم کی مدد کرنے کا کیا مطلب ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ ظلم سے اس کے ہاتھ کو روک دیا جائے۔ (۱) دوسرے موقع پر آپ ﷺ کے سلسلے میں اس کی صراحت ہے کہ:

كان النبي ﷺ يتعوذ... من دعوة المظلوم۔ (۲)

”نبی ﷺ (اللہ سے) اس کی پناہ طلب کرتے تھے کہ... کسی مظلوم کی ان پر بددعا پڑے۔“

اسی جگہ اس دعا کے الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں:

... و اعوذ بک ان اظلم او اظلم۔ (۳)

”... اور (اے اللہ!) میں تجھ سے اس کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں کسی پر ظلم کروں یا یہ کہ کوئی دوسرا مجھ پر ظلم کرے۔“

قرآن شریف ہی کی طرح یہاں بھی اسی معاملے میں اپنے اور غیر اور مسلمان کا فرکا بھی فرق نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک صحابی رسول ﷺ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

اتقوا دعوة المظلوم و ان كان كافرا فانه ليس دونها

حجاب۔ (۴)

”مظلوم کی بددعا سے بچو چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ وہ بلا روک اوپر پہنچتی ہے۔“

اس کے برعکس جو لوگ زمین میں عدل و انصاف قائم کریں گے، اس کے حق میں فضا

(۱) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب المظالم والغصب، باب امن اخاک ظالما او مظلوما۔ جامع الترمذی:

۵۰/۲، ابواب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب بلا ترجمہ۔ سنن الدارمی جلد ۲۔ کتاب الرقائق، باب انصر

اخاک ظالما او مظلوما۔ نیز مسند احمد: ۳/۲۰۱، ۹۹۔

www.KitaboSunnat.com

(۲) سنن نسائی جلد ۲۔ کتاب الاستعاذہ، باب دعوة المظلوم۔

(۳) سنن نسائی، باب الاستعاذہ من الذلۃ، نیز: باب الاستعاذہ من القلۃ۔

اسلام ایک حجت دہندہ تحریک

بنائیں گے اور اس کا نفاذ عمل میں لائیں گے قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص اعزاز اور اکرام کے مستحق ہوں گے۔ صحیح بخاری و مسلم کی مشہور ترین حدیث کے بہ موجب حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ جن سات افراد کو خاص طور پر اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا ان میں سرفہرست عدل پرور اور عدل گستر حاکم اور فرماں روا ہوگا۔ اللہ کے نبی ﷺ کا یہ ارشاد حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے:

سبعة يظلهم الله يوم لا ظل الا ظله: الامام العادل... (۱)
 ”سات طرح کے لوگ ہوں جن کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) سایہ فراہم کرے گا
 جس دن کہ اس کے سائے کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔... ان میں سے ایک عدل
 پرور حکمران ہوگا۔“

’ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے:

ان المقسطين عند الله على منابر من نور۔ (۲)
 ”انصاف کرنے والے (قیامت کے دن) اللہ کے پاس نور کے ممبروں پر ہوں گے۔“
 دوسری احادیث میں بھی اس کا اسی اہتمام سے تذکرہ ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت
 میں مسلمانوں کے امام اور خلیفہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ اس کی بہ دولت مسلمانوں کے دین و
 دنیا کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ وہ ان کی جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کے بچاؤ کے مقصد
 سے ان کے لیے بہ طور ڈھال کے کام آتا ہے۔ اور اس کی سربراہی میں ان کے لیے اپنے ان
 مفادات کے لیے لڑنا آسان ہوتا ہے:

وانما الامام جنة يقاتل من ورائه و يتقى به۔ (۳)

(۱) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الاذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلوة، و فضل المساجد جلد ۴۔
 کتاب۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارۃ، باب فضيلة الامام العادل و عقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية
 والنهي عن ادخال المشقة عليهم۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الجهاد والسير، باب يقاتل من وراء الامام و يتقى به۔ صحیح مسلم
 جلد ۳۔ کتاب الامارۃ، باب الامام اذا امر بتقوى الله و عدل كان له اجر۔

”وقت کا حکم اس ڈھال ہوتا ہے جس کے پیچھے سے جنگ لڑی جاتی اور اس کے ذریعہ اپنا بچاؤ کیا جاتا ہے۔“

اس کے بعد کانگڑا ہے جو اصل دل چسپی کا ہے:

فان امر بتقوى الله و عدل فان له بذلك اجراء و ان قال

لغيره فان عليه منه۔ (۱)

”اگر وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے اور انصاف سے کام لیتا ہے تو اس کو اس کا بڑا بدلہ ملے گا، اگر اس کا طرز عمل اس کے برعکس ہوگا تو وہ اس کے وبال سے دوچار ہوگا۔“

یہ دراصل حضرت ابو ہریرہؓ کی اس مشہور حدیث کا آخری ٹکڑا ہے۔ جس کا ابتدائی حصہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق سے اوپر گزر چکا ہے۔ یہاں اس کے الفاظ ہیں:

من اطاعنى فقد اطاع الله، و من عصانى فقد عصى الله،

و من يطع الامير فقد اطاعنى، و من يعص الامير فقد

عصانى۔ (۲)

”جس نے میری بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جو امیر کی بات مانے اس نے میری بات مانی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔“

آپ ﷺ کی دیگر احادیث میں بھی امیر اور خلیفہ کی طرف سے اپنے عوام کے تئیں ان عدل و انصاف کی ایسی ہی تاکید ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

ان احب الناس الى الله يوم القيامة و ادناهم منه مجلسا

(۱) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الجہاد والسير، باب یقاتل من وراء الامام و یتقی بہ۔ صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارہ، باب الامام اذا امر بتقوى الله و عدل كان له اجراء۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الجہاد والسير، باب یقاتل من وراء الامام و یتقی بہ۔ حوالہ بالا۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

امام عادل و ابغض الناس الى الله و ابعدهم منه مجلسا

امام جائز۔ (۱)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ محبوب اور اس سے قریب باریابی پانے والا عدل پرور حکمران ہوگا، اسی طرح اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور اس سے دور بٹھایا جانے والا ظالم حکمران ہوگا۔“

اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان افضل عباد الله عند الله منزلة يوم القيامة امام عادل
رفيق و ان شر الناس عند الله منزلة يوم القيامة امام جائز
حرق۔ (۲)

”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک اس کے بندوں میں سب سے اونچے مرتبے پر فائز عدل پرور حکمران ہوگا جو ساتھ ہی نرم خو ہو۔ اسی طرح قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بری جگہ پانے والا ظالم حکمران ہوگا جو اسی طرح بے سمجھ بھی ہو۔“
یہاں تک کہا گیا ہے کہ:

ان الله يقيم الدولة العادلة و ان كانت كافرة، ولا يقيم
الظالمة و ان كانت مسلمة۔ (۳)

”اللہ تعالیٰ عدل پرور حکومت کو باقی رکھتا ہے اگرچہ وہ کفر کے راستے پر کیوں نہ ہو، لیکن وہ ظالم حکومت کو باقی نہیں رہنے دیتا اگرچہ وہ اسلام کی پیروی کا رہو۔“

(۱) جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب الاحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الامام العادل، قال الترمذی
هذا حديث حسن غريب لا لفرقة الا من هذا الوجه۔

(۲) بیہقی فی شعب الایمان، بہ حوالہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲۔ کتاب الامارۃ والقضاء، ثالث ص ۳۲۳۔ رشیدیہ دہلی۔

(۳) علامہ ابن تیمیہ م ۷۷۸ھ: الاستقامة: ۲/۲، طبع جدید، من مطبوعات جامعة الامام محمد بن سعود: لاسلامیہ، السعودیہ، طبعہ اولیٰ ۱۹۸۳ء، ۱۴۰۳ھ، تحقیق، الدكتور محمد رشاد سالم۔ نیز ملاحظہ ہو انہی کی: الحسب، مشمولہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳۶/۲۸، طبع جدید، السعودیہ۔ ترتیب: عبدالرحمن بن قاسم و ابنہ محمد۔

اسی بات کو دوسرے لفظوں میں بھی کہا گیا:

الدنيا قدوم مع العدل والكفر ولا تدوم مع الظلم

والاسلام۔ (۱)

”دنیا کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہے لیکن وہ اسلام اور ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی۔“

عدل و انصاف کے سلسلے میں شاید یہ آخری بات ہے جو کہی جاسکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم و انصاف کے نتیجے میں صرف حکومت و اقتدار ہاتھ سے نہیں جاتا بلکہ اس کا وبال بعض دوسری صورتوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے:

... ولا حکم قوم بغير الحق الافشا فيهم الدم۔ (۲)

”... جس قوم کے اندر حق کے خلاف فیصلے ہوتے ہیں اس کے یہاں قتل و خون ریزی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔“

ترجمان القرآن کا یہ پورا اثر بڑا چونکا نے والا اور عبرت انگیز ہے۔ اس لیے یہاں اسے پورا پورا نقل کیا جاتا ہے۔

ما ظهر الغلول في قوم قط الا القى في قلوبهم الرعب،
ولافشا الزنى في قوم قط الا كثر فيهم الموت، ولا تقص
قوم المكيال والميزان الا قطع عنهم الرزق، ولا حکم
قوم بغير الحق الافشا فيهم الدم، ولا ختر قوم بالعهد الا
سلط الله عليهم العدو۔ (۳)

”جس قوم میں بے ایمانی عام ہو جاتی ہے اس کے دلوں میں خوف و دہشت پیوست کر دی جاتی ہے، اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اس میں کثرت سے موتیں

(۱) علامہ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ: الاستقامة: ۲/۲۷۷، طبع جدید، من مطبوعات جامعة الامام محمد بن سعود: لاسلامیہ، السعودیہ، طبعہ اولیٰ ۱۹۸۳ء ۱۴۰۴ھ، تحقیق، الدكتور محمد رشاد سالم۔ نیز ملاحظہ ہو انہی کی: الحسب، مشمولہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/۱۲۶، طبع جدید، السعودیہ۔ ترتیب: عبدالرحمن بن قاسم و انبیہ محمد۔

(۲) موطا امام مالک: ۳۵۱/۱، کتاب الجہاد، باب ما جاء فی الغلول، مکتبہ تجاریہ کبریٰ (مصر) ۱۹۶۹ء ۱۳۸۹ھ۔

(۳) موطا امام مالک: ۳۵۱/۱، کتاب الجہاد، باب ما جاء فی الغلول، مکتبہ تجاریہ کبریٰ (مصر) ۱۹۶۹ء ۱۳۸۹ھ۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

ہونے لگتی ہیں اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے اس کی روزی گھٹ جاتی ہے۔
• اور جس قوم کے اندر حق کے خلاف فیصلے ہونے لگتے ہیں اس کے یہاں قتل و غول
ریزی کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اور جو قوم عہد شکنی کی عادی ہو جاتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ
دشمن کو مسلط کر دیتے ہیں۔“

کہاں اسلام کی سیاست عادلہ کا عدل و انصاف کا یہ منارہ نور اور کہاں معاصر دنیا کی
ظلمت آلود سیاست، جس میں اقوام متحدہ دنیا کی چند طاقت ور اقوام کو یو پاور کا خالمانہ اختیار
حاصل ہے۔ جس کی بدولت وہ آئے دن دنیا میں عدل و انصاف کی دھجیاں بکھیرتی اور زمین میں
سرکشی اور عدوان کے لیے میدان تیار کرتی ہیں۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی اوپر کی عدل و
انصاف سے بے لوث وفاداری و یو پاور کی اس روایت کو یکسر مسترد کرتی ہے اور اس کے خلاف
اپنی عقلی اور علمی جدوجہد میں اقوام عالم کے ضمیر کو اس کی تائید کے لیے مہمیز اور براہیختہ کرتی ہے۔
اس کے آئینے میں برادران وطن...

بدعہدی اور خیانت سے اجتناب

اسلام کی سیاست عادلہ کی ہماری زیر نظر گفتگو کا یہ آخری عنوان ہے۔ عدل و انصاف کی
طرح اس پر بھی اس سے پہلے ضمانت ہو چکی ہے۔ لیکن اسی کی طرح یہ بحث بھی قدرے مزید
تشریح اور تفصیل کی طالب ہے۔ معلوم ہے کہ اسلام میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے اس کے لحاظ
سے اللہ کے آخری رسول ﷺ جس طرح مسلمانوں کے روحانی اور اخروی پیشوا ہیں اسی طرح
سے ان کو ان کے سیاسی اور دنیوی رہنما اور قائد ہونے کا مقام حاصل ہے۔ ان کے سلسلے میں
قرآن کی صراحت ہے کہ نجی اور انفرادی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے کو لے کر قومی اور
اجتماعی زندگی کے بڑے سے بڑے مسئلہ میں آپ ﷺ کی طرف سے کسی قسم کے کھوٹ، بے ایمانی
اور خیانت اور بدعہدی کا تصور نہیں کیا جاسکتا:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغْلُظَ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ
ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

(آل عمران: ۱۶۱)

”اور کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ اس سے بے ایمانی کا صدور ہو۔ اور جو کوئی کسی طرح کی بے ایمانی کرے گا وہ اپنی بے ایمانی کے ساتھ قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اس کی نمائی کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے اور ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔“

یہ آیت کریمہ سورہ آل عمران میں غزوہ احد ۳ھ پر قرآن کریم کے لمبے تبصرے کا ایک حصہ ہے غزوہ احد کے سلسلے میں پتہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کی جنگی اسکیم پر پوری طرح عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو وقتی طور پر شکست ہوتی تھی اور ان کو کافی بڑا جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے پانسہ پلٹا، مسلمان فتح سے ہم کنار ہوئے اور ان کو اچھا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اس کے پس منظر میں ایک تفسیری روایت ہے کہ ایک چھوٹی سرخ چادر کے نہ ملنے پر کسی کہنے والے کی طرف سے کہا گیا کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اسے کہیں۔ نبی ﷺ نے تو اپنے پاس نہیں رکھ لیا۔ اس کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۱) نبوت سے پہلے بھی اللہ کے آخری رسول ﷺ اخلاق عالیہ کے جس بلند مقام پر فائز تھے اور جس طرح کہ صادق اور امین آپ ﷺ کا لقب قرار پا چکا تھا، اس کے پیش نظر آپ ﷺ کی طرف سے ایسے کسی ادنیٰ کام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، نہ کسی ایسے بے سرو پا الزام کو کوئی ہوش مند تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو سکتا تھا۔ لیکن پست طبیعت اور اندھے مخالف کی گراوٹ کی کوئی حد نہیں ہو سکتی، وہ بڑی سے بڑی ہستی پر بھی چھوٹے سے چھوٹا اور اوجھے سے اوجھا الزام لگا سکتا ہے۔ اسی طرح کے الزام کے رد میں یہ آیت کریمہ اتری۔ لیکن تفسیر کے مسلمہ اصول سے جس کا حوالہ اوپر بھی گزرا، اس طرح کے مخصوص شان نزول کے باوجود قرآنی آیات کا عموم اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔ اور ان کا اصولی درجہ اور ان کی اصولی حیثیت جوں کی توں باقی رہتی ہے۔ اپنی نمایاں ترین صورت میں یہی کچھ معاملہ اس آیت کریمہ کا ہے۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست اور جانی نقصان تو نبی ﷺ کی مخصوص جنگی اسکیم کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہوا تھا۔ اور یہ خطا بھی حضرات صحابہ کی اجتہادی خطا تھی۔ جان بوجھ کر ان کی طرف سے اللہ کے رسول ﷺ کے کسی فرمان کی مخالفت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ خطا ہوئی اور اس کا خمیازہ بڑے جانی نقصان کی صورت میں مسلمان جماعت کو

اسلام ایک نجلت و ہندو تحریک

برداشت کرنا پڑا۔ اس پر دین کے دشمن منافقوں نے یہ پروپیگنڈہ مہم چلائی کہ خدا ناکردہ یہ پیغمبر ﷺ اپنی جماعت کے سچے خیر خواہ نہیں، انھوں نے حالات کا صحیح اندازہ کیا، نہ موقع کی نزاکت کا اندازہ کر کے مناسب جنگی حکمت عملی وضع کی گئی جس کی وجہ سے بہت ساری معصوم جانیں ضائع کی گئیں اور مسلمانوں کو ایک ایسے بڑے صدمے سے دوچار ہونا پڑا جس کی تلافی بہت آسانی کے ساتھ نہیں کی جاسکتی۔ آیت بالا کے اس عموم کے پس منظر میں اس کے ذریعہ اعدائے دین کے اسی پروپیگنڈے کی تردید کی گئی ہے۔ جس سے آپ ﷺ کی اس سے برأت کے ساتھ قیامت تک کے لیے اسلام کی سیاست عادلہ کا یہ اصول برآمد ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ کسی وقت اور کسی حال میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے کسی معاملے میں اپنے عوام سے کھوٹ اور بے ایمانی اور ان کے تئیں کسی قسم کی خیانت اور بدعہدی کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ آیت زیر نظر سے اوپر اس کے برعکس اللہ کے آخری رسول ﷺ کی اس سے بالکل مختلف تصویر پیش کی گئی جس کے مطابق آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی یہ دولت آپ کے پیروکار آپ پر جان چھڑکنے اور آپ پر مکمل اعتماد کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا بھی اسی طرح اپنے اصحاب پر پورا بھروسہ ہے۔ چنانچہ باہمی مشاورت مسلمان اجتماعیت کے تمام قومی اہمیت کے حامل امور پوری خوش اسلوبی اور شفافیت کے ساتھ انجام پاتے ہیں:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ
فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ (آل عمران: ۱۵۹)

”(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی بری رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ اور درست خو ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے تو آپ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کیجیے اور ان کے لیے (اللہ سے) بخشش کے طلب گار رہیے اور معاملات میں ان سے مشورہ کرتے رہیے اس کے بعد جب آپ عزم کر لیتے تو اللہ پر بھروسہ کیجیے (اور آگے بڑھیے)۔ بلاشبہ اللہ بھروسہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔“

صدر اول کے پس منظر میں اس کھوٹ اور خیانت کے سلسلے میں دو چیزوں کی خاص طور پر نشان دہی کی گئی ہے اور ان کے سلسلے میں بڑی سخت وعید سنائی گئی ہے۔ جس میں امراء و عوام اور رعایا اور حکام دونوں کے لیے یکساں طور پر احتیاط اور تنبیہ کا سامان موجود ہے۔ اول یہ کہ جنگ میں فتح کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آئے اس کے امیر لشکر کے پاس یا دوسرے لفظوں میں اسلامی ریاست کے بیت المال میں داخل ہونے سے پہلے، چادر اور ہار تو بڑی چیز ہے^(۱)، اس میں سے کوئی معمولی سے معمولی چیز یہاں تک کہ جوتے کا تمہ اور ایک دھاگہ بھی کوئی شخص اپنے طور پر لینے کی خیانت نہ کرے، دوسرے یہ کہ جس شخص کو بھی کسی صوبے اور علاقے کا حاکم اور گورنر بنایا جائے تو اپنے عہدے اور منصب کا فائدہ اٹھا کر وہ عوام سے کسی قسم کا کوئی تحفہ اور ہدیہ قبول نہ کرے۔ پہلی کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کی طویل حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جس نے بھی اس طرح کی کھوٹ اور خیانت کی ہوگی وہ بکری، گھوڑے، اونٹ، سونے چاندی اور کپڑے کی جس صورت میں بھی ہوگا قیامت کے دن وہ اس کی گردن پر سوار اور اپنی موجودگی کا اعلان کر رہا ہوگا، اور اس کھوٹ اور خیانت کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اس کی کوئی بھی فریاد بالکل بے اثر اور بے نتیجہ ہوگی۔ (۳) امام بخاری نے اس پر جو باب باندھا ہے اس میں آل عمران: ۱۶۱، کا حوالہ بھی ہے جس سے اس کا مضمون مزید واضح ہوتا ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی اس سلسلے میں دوسری ہدایات بھی بہت واضح ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

من كان يومئذ بالله واليوم الآخر فلا يركب دابة من فني
المسلمين حتى اذا اعجفها ردھا منه و من كان يومئذ

(۱) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الجہاد والقلیل من الغلول۔ سنن ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب الجہاد، باب فی

تعظیم الغلول۔ جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب السیر عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الغلول، سنن

الدارمی جلد ۲۔ کتاب السیر، باب ماجاء فی الغلول من الشدة۔

(۲، ۳) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الجہاد والسیر، باب الغلول و قول اللہ عزوجل آل عمران: ۱۶۱، و من

یغلل یات بما غل، صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارۃ۔

بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبِسُ ثَوْبًا مِنْ فِتْنِ الْمُسْلِمِينَ
حتیٰ اذا اخلقه رده فيه. (۱)

”جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو وہ مسلمانوں کے فتنے کے مال (سرکاری مال) کے کسی جانور پر سواری نہ کرے یہاں تک کہ جب اس کو خوب کم زور اور لاغر کر لے تو اس کو لا کر اس میں لوٹا جائے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو مسلمانوں کے فتنے کے مال (سرکاری مال) کا کوئی کپڑا نہ پہنے یہاں تک کہ جب اس کو خوب پرانا کر لے تو اس کو اس میں لا کر لوٹا جائے۔“
اسی طرح دوسرے موقع پر آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ادوا الخيائط والمخييط، و اياكم و الغلول فانه عار على
اهله يوم القيامة. (۲)

”سوئی دھاگہ تک (سرکاری خزانے میں) جمع کرو اور بے ایمانی کے پاس بھی نہ پہنکو اس لیے کہ قیامت کے دن وہ ایسا کرنے والے کے لیے باعث شگ و عار ہوگی۔“
نیز یہ کہ:

اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه. (۳)
”جب تم دیکھو کہ کسی شخص نے بے ایمانی کی ہے تو اس کا سامان جلا دو اور اس کو مارو الگ سے۔“

یہاں تک فرمایا کہ:

من كتم غالا فانه مثله. (۴)

”جو کسی بے ایمان کو بچانے کی کوشش کرے تو وہ بھی اسی کے مانند ہے۔“

کھوٹ اور خیانت کی یہ صورت عامۃ الناس سے متعلق ہے۔ اس کی دوسری صورت

(۱) سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الجہاد، باب الرجل ینتفع من الغنیمۃ بشئ، سنن الدارمی جلد ۲۔ کتاب

السیر، باب النهی عن رکوب الدابة من المغمم و لیس الثوب منه۔

(۲) سنن الدارمی، حوالہ سابق، باب ما جاء انه قال: ادوا الخيائط والمخييط۔

(۳) ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الجہاد، باب عقوبة الغال، سنن الدارمی، حوالہ بالا۔ باب عقوبة الغال۔

امراء و حکام سے متعلق ہے جس میں وہ اپنے عہدے اور منصب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا ارتکاب کرتے ہیں اس کے سلسلے میں بھی آپ ﷺ کی اسی طرح کی سخت وعیدیں ہیں۔ ایک موقع پر قبیلہ بنو اسد کے ایک شخص ابن اللثیبہ کو آپ ﷺ نے صدقہ کی وصولی پر مامور فرمایا۔ واپس آنے پر وہ کہنے لگے کہ یہ مال تو مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیہ میں دیا گیا ہے۔ اطلاع ہونے پر آپ ﷺ اس پر سخت ناراض ہوئے اور موقع کی مناسبت سے یہ بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا:

ما بال العامل بنعته فياتي فيقول: هذا لك و هذا لي،
فهلا جلس في بيت ابيه و امه فينظر ايهدي له ام لا بر
ولذي نفسى بیده لا ياتي بشيء الا جاء يوم القيامة
يحمله على رقبته، ان كان بعيرا له رغاء، او بقرة لها
خوار او شاة تيعر۔ (۱)

”سرکاری کارندوں کا بھی عجب حال ہے کہ ہم ان کو بھیجتے ہیں تو وہ آکر کہتے ہیں کہ: یہ آپ کا ہے اور یہ ہمارا ہے۔ تو ایسا شخص کیوں نہیں اپنے باپ اور ماں کے گھر میں بیٹھتا پھر وہ دیکھے کہ اسے کون لا کر ہدیہ دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ایسے شخص کو اس طریقے سے جو چیز بھی ملے گی قیامت کے دن وہ اس کو اپنی گردن پر لا کر لے کر آئے گا تو اگر اس کی چوری کی ہوئی چیز اونٹ ہوگی تو وہ بلبلائے گا، اگر وہ گائے اور بیل ہو تو ڈکار مارے گا اور اگر وہ بکری ہوئی تو وہ اسی کی طرح میائے گا۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر تین بار اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الاهل بلغت۔ (۲)

”میرے اللہ گواہ رہنا کہ میں نے بات کو پہنچا دیا۔“

(۱) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب الاحکام، باب ہدایا العمال۔ صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارہ، باب تحریم

ہدایا العمال۔ البتہ صحیح مسلم میں الاهل بلغت، تین کے بجائے دو بار کہنے کی روایت ہے۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب الاحکام، باب ہدایا العمال۔ صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الامارہ، باب تحریم

ہدایا العمال۔ البتہ صحیح مسلم میں الاهل بلغت، تین کے بجائے دو بار کہنے کی روایت ہے۔

صحیح مسلم میں اسی موقع پر اس سلسلے میں آپ ﷺ کی یہ اصولی ہدایت ہے:

من استعلمناہ منکم علی عمل فکتمنا مخیطا فما تو فوقہ

کان غلو لا یاتی بہ یوم القيامة۔ (۱)

”تم میں سے جس کسی کو ہم کسی سرکاری کام پر لگائیں اور وہ سوئی یا اس سے اوپر کی کوئی

چیز سے ہم سے چھپائے تو یہ بے ایمانی میں شامل ہوگی۔ اور قیامت کے دن اس کو اس

کا حساب دینا پڑے گا۔“

نیز یہ کہ:

من استعلمناہ منکم علی عمل فلیجئ بقلیلہ و کثیرہ فما

اوتی منہ اخذ وما نہی عنہ انتہی۔ (۲)

”تم میں سے جس کسی کو ہم کسی سرکاری کام پر لگائیں تو تھوڑا یا زیادہ جو اس کو ملے وہ

اسے لا کر جمع کر لے اب (سرکاری طرف سے) اس کو جو ملے وہ اس کو لے لے اور جو

اس سے روک لیا جائے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔“

حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے ہوئے اس سے متعلق اللہ کے رسول ﷺ

نے ان کو جو نصیحت فرمائی اس سے یہ مضمون مزید نکھرتا اور صاف ہوتا ہے۔ اس پوری روایت کو

اصل الفاظ کے ساتھ دیکھیے:

عن معاذ بن جبلؓ قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی الیمن

فلما سرت ارسل فی اثری فرددت قال اتدری لم بعثت

الیک قال لا تصیین شینا بغير اذنی فانہ غلول و من

یغلل یات بما غل یوم القيامة لہذا دعوتک وامض

لعملک۔ (۳)

(۱) صحیح مسلم، حوالہ سابق۔

(۲) صحیح مسلم، حوالہ سابق۔

(۳) جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب الاحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی ہدایا الامراء۔

” (صحابی رسول) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ کو یمن کے لیے روانہ کیا تو جب میں کچھ دور نکل گیا تو آپ ﷺ نے مجھ کو واپس بلوایا تو جب میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سمجھو کہ میں نے تم کو کیوں واپس بلوایا میری اجازت کے بغیر کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگانا اس لیے کہ یہ بے ایمانی میں شمار ہوگا اور جو کوئی کسی طرح کی بے ایمانی کرے گا وہ قیامت کے دن اس کے ساتھ حاضر ہوگا، میں نے تم کو اسی لیے بلایا تھا اب تم جاؤ اور اپنے کام پر لگ جاؤ۔“

لیکن یہ وادی بڑی سنگلاخ اور بڑی پر خار ہے۔ کسی امیر اور حاکم کا اس سے بچ کر نکلنا بہت مشکل ہے۔ اسی سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نبی ﷺ کی ان کے لیے تنبیہ ہے اور اسی پر سیاست عادلہ کی گفتگو کا یہ مضمون تمام ہوتا ہے:

ما من امیر عشرة الا یوتی به یوم القيامة مغلوله یداه الی عنقه اطلقه الحق او اوبقه۔ (۱)

”جو کوئی دس آدمیوں کا بھی ذمہ دار ہوگا تو اس کو قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن سے بندھا ہوگا۔ اب اگر وہ سچا ہوگا تو اس کا ہاتھ کھل جائے گا ورنہ وہ اسی طرح بندھا رہے گا۔ اور اس کی تباہی کا پیش خیمہ ہوگا۔“

نیز یہ کہ:

لکل غادر لواء یوم القيامة یرفع له بقدر غدره الا ولا غادر اعظم غدرًا من امیر عامة۔ (۲)

”قیامت کے دن ہر بے ایمان اور بد عہد کی پہچان کے لیے اس کے ساتھ ایک جھنڈا

(۱) سنن الدارمی جلد ۲۔ کتاب السیر، باب التشدید فی الامارة، ص ۳۱۳۔ ایضاً رواہ البیہقی والبخاری و

رجالہ رجال الصحیح، ایضاً: صحیح الایمانی فی صحیح الجامع، دارمی، محمولہ بالا۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الجہاد والسیر، باب تحریم القدر، عامرہ، مصر۔ جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب

الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما اخبر النبی ﷺ اصحابہ بما ہو کائن الی یوم القیامة۔ روایت کے پہلے حصہ کے لیے صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب ما یدعی الناس بآبائہم۔ نیز مستدرک احمد: ۱۳۲/۳، ۱۵۰ وغیرہ۔

ہوگا جو اس کی بدعہدی اور بے ایمانی کے بہ قدر اونچا ہوگا اور سب سے بڑا بدعہد اور
بے ایمان کسی قوم کا سربراہ اعلیٰ ہوگا۔“

اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی سیاست عادلہ کی یہ ایک جھلک ہے۔ معاصر دنیا کے
سیاست داں اور حکمران اس کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ وطن عزیز کی کرپشن اور
جرائم میں ڈوبی ہوئی سیاست کے لیے خاص طور پر اس میں بہت کچھ عبرت اور نصیحت کا سامان
ہے۔ کاش کہ برادران وطن کا ذہن اور سمجھ دار طبقہ اسلام اور اس کی نجات دہندہ تحریک کے
خلاف بے بنیاد عالمی پروپیگنڈہ سے متاثر نہ ہو کر پوری غیر جانبداری اور جذبہ حق پسندی کے
ساتھ اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو قبول کرنے کا اپنے اندر عزم پیدا کر سکے۔

باب چہارم

امن کا فروغ

پچھلے باب میں دنیا کی زبوں حال سیاست کا ایک مظاہرہ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ ایک طرح سے یہ اس وقت جنگی جنون میں مبتلا ہے۔ اور جنگ عظیم دوم کے خاتمہ کے بعد پہلی بار یہ خطرہ سامنے آیا ہے کہ جمہوریت، آزادی عوام اور ملکوں کی خود مختاری اور ان کے اقتدار اعلیٰ کا احترام، کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ اور معمولی معمولی بہانوں سے پوری بے دردی کے ساتھ ان کو کچلا اور پامال کیا جاسکتا ہے۔ مہذب ترین دنیا کی طرف سے آج کی مہذب دنیا پر جو یورش اور یلغار ہے اس کا آج سے دس سال پہلے تک تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پچھلے دنوں سپر پاور امریکہ کے ذریعہ غریب ملک افغانستان کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ جب کہ اس پس ماندہ ملک میں اس کی اس دھونس اور دھاندلی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ عراق اس کا دوسرا نشانہ بن چکا ہے جس کے معاملے میں تہذیب و شرافت کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یک قطبی دنیا کا واحد سپر پاور ایسا لگتا ہے کہ اس کو بالکل ویران کرنے پر تلا ہوا ہے۔ شام اور ایران کو وہ آنکھیں دکھا رہا ہے۔ اور ان کو سبق سکھانے کے لیے ان کے خلاف سازشوں کا جال اس نے بننا شروع کر دیا ہے۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ آنے والے دنوں میں اپنی ان فتح مند یوں سے حوصلہ پا کر عظیم امریکہ کے دنیا کے دوسرے آزاد اور خود مختار ملکوں کے تئیں کیا عزائم ہوں گے۔ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ موجودہ جمہوریت اور آزادی عوام و اقوام کی بساط لپٹ کر دنیا پھر اسی پرانے استعماری نظام کی طرف آگے بڑھ رہی ہے جس سے کئی سو سال کی طویل اور صبر آزماء جدوجہد کے بعد اس کو نجات اور گلو خلاصی ملی تھی۔

ہو یہ رہا ہے۔ لیکن الزام اسی غریب اسلام اور اس کی نجات دہندہ تحریک پر ہے کہ دنیا کے اندر پائی جانے والی تمام تر بے امتی اور تشدد پسندی اسی کی دین ہے۔ یہی آنکھ واد کا سب

سے بڑی سرپرست ہے۔ اور معاصر دنیا میں جو جنگ و جدال، خون خرابہ اور لڑائی اور دشمنی پائی جاتی ہے اس کا سرا کہیں نہ کہیں سے جا کر اسی اسلام اور اس کی نجات دہندہ تحریک سے ملتا ہے۔ معاصر دنیا میں مسلمان امت کے ایک طبقے کی طرف سے اگر تشدد اور جارحیت کا اور نوجوان طبقے میں طاقت کے استعمال کا رجحان فروغ پا رہا ہے تو یہ بہت ہی محدود اور مخصوص نوعیت کا مسئلہ ہے اور اس کے ایسے ہی حدود و درجہ مخصوص اسباب و عوامل ہیں جس پر الگ سے غور کرنے کی ضرورت ہے^(۱) لیکن یہ اسلام اور اس کی نجات دہندہ تحریک کوئی دائمی عنصر نہیں۔ بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور مسائل حیات پر جن کی تحقیق کی نظیر ہے اس پہلو سے صورت حال ان کو بالکل الٹی نظر آتی ہے۔

ظلم و سرکشی سے گریز

تفصیل اس اجمال کی یہ کہ اسلام کو ظلم و نا انصافی، بغاوت و سرکشی اور زمین میں فساد اور بگاڑ سخت ناپسند ہے۔ اور جہاں کہیں اور جس کسی صورت میں بھی اس کا ظہور ہو وہ یکساں طور پر اس کو ناپسندیدہ اور قابل ترک قرار دیتا ہے۔ کتاب اللہ کا یہ بہت ہی ابھرا ہوا مضمون ہے جس کے اعادے اور تکرار سے اس کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ اس پہلو سے آج دنیا کا جو حال ہے وہ یہ کہ زبان سے دعوے تو ایک سے ایک کیے جاتے ہیں لیکن عمل سے جو کچھ سامنے آتا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اور اپنے کالے کرتوتوں کو خوب صورت اصطلاحات کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انسان کی جھگڑا و طبیعت اپنے پورے ایمان پر ہے۔ زبان سے دعویٰ ہے کہ ہم دنیا میں امن کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ اور تشدد اور جارحیت کو اس کے نقشے سے مٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں امن کے پردے میں فساد کا کھیل ہوتا ہے۔ اور اقتدار کے نشے میں اندھا دھند بمباریوں بھیتوں اور نسلوں کو برباد کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہے لیکن طرہ یہ ہے کہ ان کی حرکت و عمل پر انھیں کوئی نہ ٹو کے اور جہاں ایسا کوئی مظاہرہ ہوتا ہے۔ غصے میں اور ابال آتا اور آتش انتقام مزید بھڑک جاتی ہے۔ اس پس منظر میں آیات ذیل کو پڑھیے اور کتاب اللہ کی حقانیت کا کلمہ پڑھیے۔ ایسا لگتا ہے کہ معاصر دنیا کے تازہ ترین منظر نامے میں امریکہ عظمیٰ اور اس کے حواریوں اور حاشیہ برداروں کا بالکل نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے:

(۱) 'اسلام اور تشدد اور دہشت پسندی اور اسلام کے موضوع پر اردو زبان میں بہت سی چیزیں آچکی ہیں۔ کئی رسالے اور کتابچے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں ان سے مراجعت کی جاسکتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ
اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۖ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ
فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ
لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۖ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ
فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۖ

(البقرہ: ۲۰۳-۲۰۶)

”اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جس کی بات دنیا کے معاملے میں تم کو بہت بھلی معلوم
ہوتی ہے۔ اور اپنے دل کے راز پر وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے، حالانکہ وہ بدترین جھگڑا
لو ہے۔ اور جب اس کو حکومت و اقتدار ملتا ہے تو وہ زمین میں اس لیے دوڑ دھوپ
کرتا ہے تاکہ اس میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے دریں حالے کہ اللہ
فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر کر رہو تو گناہ کے
ساتھ وہ اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ
بدترین ٹھکانا ہے۔“

دوسرے موقع پر غافل انسان کی نفسیات کی تفصیل کی ہے جس کے نتیجے میں ہی وہ دنیا
میں ناحق بغاوت و سرکشی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ نقشہ خشکی اور سمندر کے سفر کا کھینچا گیا ہے۔ آج
کے حالات میں خشکی کے سفر میں زمین سفر کے ساتھ فضائی سفر بھی اسی طرح شامل ہے۔ اس کے
بعد سمندری سفر کی خاص طور پر تفصیل بیان کی ہے۔ جو بہت حد تک آج کے ہوائی سفر پر بھی اسی
طرح صادق آتی ہے۔ سمندری سفر میں غافل انسانوں کا ٹولہ کشتی میں سوار ہوتا ہے تو عمدہ اور
موافق ہوا میں وہ معمول کے مطابق چلنے لگتی ہے تو ان کی مسرت اور شادمانی کی کوئی انتہا نہیں رہتی
ہے، اتنے ہی میں اس کو تیز و تند ہوا سے واسطہ پڑتا ہے اور بلند و بالا موجیں اسے ہر طرف سے
گھیر لیتی ہیں۔ کشتی کے یہ سوار جب ہر طرف سے گھر جاتے ہیں تب ان کو ہوش آتا ہے۔ اور سب کو
چھوڑ کر وہ ایک اللہ کو پکارنا شروع کرتے ہیں کہ اس مصیبت سے انھیں نجات مل گئی تو وہ صدق دل
سے اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوں گے اور اس کے مقابلہ پر خود آئیں گے، نہ کسی اور کو لائیں گے۔
اس کے بعد زیر نظر اصل مضمون ہے:

فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ يَأْتِيهَا
النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ ۖ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ

إِنَّمَا مَرَجَعُكُمْ فُتِنَبُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (یونس: ۲۳-۲۴)
 ”تو جب اللہ ان کو پار کر دیتا ہے تو وہ زمین میں ناحق سرکشی پر اتر آتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہارے اوپر ہی آئے گا۔ اور یہ سب کچھ دنیا کی زندگی کا چند روز کا برتنے کا سامان ہے۔ پھر تم سب لوگوں کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم تم کو اچھی طرح بتائیں گے کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے رہے تھے۔“

جس کا حاصل یہ ہے کہ آفت اور مصیبت سے جہاں نجات ملتی ہے غافل اپنی اصل حیثیت کو بھول کر زمین میں ناحق بغاوت اور سرکشی پر اتر آتا ہے۔ وہ کم زوروں کو ستاتا اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑتا ہے۔ کسی کو ناحق قتل کرتا ہے اور کسی کی زمین اور جائیداد پر ناجائز قبضہ کرتا ہے۔ ایک باغی اور سرکش انسان یہ کام اپنی سطح پر کرتا ہے۔ اور جب ایسے باغیوں اور سرکشوں کی ایک پوری جماعت اکٹھا ہو جاتی ہے تو یہ ظلم و تعدی اتنے ہی بڑے پیمانے پر کی جاتی ہے اور اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر مظلوم انسانوں کی پوری پوری آبادیاں اس بغاوت اور سرکشی کی لپیٹ میں آتی ہیں پورے پورے ملکوں اور علاقوں پر غاصبانہ قبضہ جمالیا جاتا ہے اور ان کے اصل مالکوں کو اپنی جائز حکومت و اقتدار سے بے دخل کر کے ان کو تہ تیغ کر دیا جاتا اور ان کے نام و نشان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی ایک نہ ختم ہونے والی مہم شروع کر دی جاتی ہے۔ آگے بتایا کہ ابتداء میں یہ چیز بہ ظاہر بڑی اچھی لگتی ہے لیکن اپنے نتیجے کے لحاظ سے یہ اتنی ہی مہلک اور تباہ کن ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ایک بار اصول کی حکمرانی ٹوٹ جائے تو اس کا مطلب ہے کہ معاملات ہمیشہ کے لیے اندھی طاقت اور بے لگام زور آزمائی کے حوالہ ہو گئے۔ آج ایک باغی اور سرکش نے کسی کم زور کی گردن مروڑی اور اس کو اس کے جائز حقوق سے محروم کیا۔ کچھ عرصہ بعد اس سے بڑا جابر اور قاہر پردہ گیتی پر نمودار ہوا اور اس نے اپنے پیش رو کے پر نچے اڑائے اور اس کی دولت اور اقتدار پر اپنا قبضہ جمالیا۔ انجام کار ظلم و نا انصافی کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پوری انسانیت کا سکون غارت ہوتا ہے اور نیک و بد ہر ایک کی امان ختم ہو جاتی ہے۔ آخر میں فرمایا کہ یہ چیز کتنی ہی اچھی لگے لیکن یہ بڑی ناپائدار ہے۔ اس بغاوت و سرکشی کے نتیجے میں کسی کو بڑے سے بڑا فائدہ مل جائے جب بھی وہ چند روزہ زندگی ہی کے برتنے کا سامان ہے۔ اس کا رگزاری کے بعد بالآخر جانا اسے بڑے دربار میں ہے جہاں اپنے ہر اچھے اور برے عمل کا انسان کو حساب دینا ہے اور سب کے حضور اس کے تقاضوں سے عہدہ برآ آسان نہ ہوگا۔ یہ عجیب

اتفاق ہے آیات بالا کے مصداق آج کی غافل انسانیت کو بھی خشکی اور تری دونوں میں برتری حاصل ہے۔ اور اس سے حاصل ہونے والی طاقت کے نتیجے میں وہ آخرت کی ابدی ناکامی کے اپنے انجام سے بے خبر پورے شرح صدر کے ساتھ وہ اس بغاوت اور سرکشی کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہے۔

اسلام کی نجات دہندہ تحریک بغاوت و سرکشی کی ان تمام شکلوں سے اپنی برأت کا اعلان کرتی ہے۔ اللہ کی آخری کتاب نے جس طرح شرک و بت پرستی اور کھلے اور چھپے بدی و بے حیائی کے تمام کاموں اور اللہ کی نافرمانی اور گناہ کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے، بغاوت و سرکشی خواہ وہ کسی صورت میں پائی جائے ساتھ ہی اس کو بھی اسی طرح قابل نفرت اور قابل اجتناب قرار دیا ہے:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ
وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا
وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (الاعراف: ۳۳)

”(اے نبی!) کہیے کہ میرے رب نے صرف اور صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے چاہے وہ کھلے ہوں یا چھپے۔ اسی طرح گناہ اور ناحق سرکشی کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو ساجھی ٹھہراؤ جس کے حق میں اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ کے سر وہ بات منڈھو جسے تم خود نہیں جانتے ہو۔“

اس کے پہ جائے اللہ کی آخری کتاب ہمہ جہتی عدل و انصاف کا حکم دیتی ہے جس کے تقاضوں کو صحیح معنوں میں اسی وقت پورا کیا جاسکتا ہے جب کہ انسان کے اندر صحیح خدا پرستی آجائے اور اس کا تعلق اللہ سے مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے۔ ساتھ ہی اس کے اندر آخرت کا گہرا اور سچا یقین پیدا ہو جائے۔ اسی سورہ کی اس سے پہلے کی آیت کریمہ میں ان دونوں کو سمیٹ دیا ہے:

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝

(الاعراف: ۲۹)

”(اے نبی!) کہیے کہ میرے رب نے مجھ کو انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور اس کا کہ تم ہر نماز کے وقت اپنے رخ کو (ایک اللہ کے لیے) سیدھا کرو اور اس کو پکارو اس کے

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ (یاد رہے کہ) جیسا اس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے اسی طرح تم (اس کی طرف) پلٹو گے۔“

عفو و اعراض کی تلقین

آج کے ماحول میں یہ بات کتنی شد و مد سے کہی جاتی ہے کہ اسلام کو بس لڑنے جھگڑنے سے دل چسپی ہے۔ جنگجویت اور محاذ آرائی اس کے خمیر میں شامل ہے۔ قتل و خون ریزی اس کا محبوب مشغلہ ہے جس کے لیے بس اس کو بہانے کی تلاش ہوتی ہے۔ امن عالم سے اس کو کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ اس کی ترجیحات میں یہ بالکل آخری کنارے پر ہے جس کے لیے اس کے اندر کوئی امنگ اور ولولہ نہیں دکھائی دیتا ہے۔ لیکن یہ صرف آج کے مخالفانہ پروپیگنڈہ کی کرشمہ سازی ہے، حقیقت واقعہ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام کیا ہے اور آخرت کی بھلائی کے ساتھ دنیا کی تعمیر کا اس کی نجات دہندہ تحریک کا کیا نقشہ ہے، اس کا حقیقی چہرہ کیا ہے اور اس کی اصل طبیعت اور مزاج میں کیا چیز رچی اور بسی اور کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، اس کا فیصلہ عدل و انصاف کی میزان میں اعداء اسلام کی بیان بازیوں اور ان کے معاندانہ اقدامات سے نہیں ہو سکتا۔ بل کہ ہمیں اس کے اصل مأخذ اور مصدر اللہ کی آخری کتاب۔ قرآن۔ سے رجوع کرنا ہوگا۔ جس کا سرسری مطالعہ بھی اسی سلسلے کی تمام غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا پردہ چاک کرنے والا ہے اور حقیقت کے رخ زیا کو بے نقاب کرنے والا ہے۔

اس تمہید کے بعد آئیے اب اصل مسئلہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ اسلام کا واسطہ ابتداء سے بنیادی طور پر تین جماعتوں سے رہا ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ، اور مشرکین، صابئین اور مجوس جیسی دوسری جماعتیں ضمناً اور تبعا اہل کتاب میں شامل ہیں جنہیں بعد میں شہہ اہل کتاب کا درجہ دیا گیا۔ شرک و بت پرستی کے علاوہ مذہب کے سلسلے میں بے اعتدالی اور گم راہی کے شکار دنیا کی دوسری تمام جماعتوں کے لیے قرآن کی دوسری اصطلاح ’کفر‘ احاطہ کرتی ہے۔ جسے قرآن اکثر و بیشتر شرک کے ساتھ ملا کر استعمال کرتا ہے۔ ملحدین و منکرین خدا کی محدود اور بد قسمت جماعت بھی اس ’کفر‘ کی اصطلاح میں آ جاتی ہے۔ جس کی بہت تھوڑی تعداد زمانہ نزول قرآن میں ہو سکتی تھی اور آج بھی انسانی معاشرہ میں ان کا اوسط اسی طرح سے ناقابل لحاظ ہے۔ بہر حال قرآن نے

اول دن سے اپنے مخاطب ان تینوں بنیادی طبقات: اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور اہل کفر و شرک، سے یکساں طور پر عفو و اعراض کا حکم دیا۔ اور ان کی تمام تر زیادتوں اور مظالم کے جواب میں جس کی تاریخ انسانی میں دوسری نظیر ملنی مشکل ہے، ہمیشہ درگزر سے کام لینے اور انھیں معاف کرنے اور نظر انداز کرنے کو اہل ایمان کا شیوہ قرار دیا۔

اہل کتاب یہود و نصاریٰ

پہلے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو لیتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ میں محمدؐ اور پیروان محمدؐ اور رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہود و نصاریٰ کی عداوت اور دشمنی ایک ایسی کھلی ہوئی سچائی ہے جس سے کم و بیش ہر شخص واقف ہے۔ اہل علم اور اہل نظر اس کی تفصیلات اور تمام جزئیات سے واقف ہیں۔ دوسرے فی الجملہ اس سے واقفیت رکھتے ہیں اور اس سے انکار کرنے کی حالت میں نہیں ہیں۔ آغاز اسلام میں پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے جاں نثاروں کے خلاف تمام تر ریشہ و انیوں اور دسیہ کاریوں کا یہی لوگ مرکز تھے۔ تاریخ و سیرت کے ذخیرے اس کے گواہ ہیں اور قرآن کے واضح اشارات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ عرب کے عام کفار و مشرکین کو بھی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف صف آراء کرنے میں ان اہل کتاب یہود و نصاریٰ کلیدی کردار تھا۔ ان کی توقع کے مطابق چوں کہ آخری پیغمبر ﷺ ان کے خانوادے بنو اسحاقؑ بنو اسرائیلؑ میں مبعوث نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ ﷺ بنو اسماعیلؑ کے خانوادے کے چشم و چراغ تھے اور آپ ﷺ کی بعثت ان کے درمیان سے ہوئی تھی۔ اس لیے وہ امانت و دیانت اور اخلاق و شرافت کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محمدؐ اور پیروان محمدؐ اور رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اندھی مخالفت پر اتر آئے۔ عرب کی سادہ لوح اور علم نا آشنا سوسائٹی میں اپنے اہل علم اور صاحب کتاب ہونے کی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اپنی خاندانی اور گروہی عصبیت کے اندھے پن میں خود بھی پیغمبر ﷺ اور ان کے فداکاروں کی ہر طرح سے مخالفت کی اور ساتھ ہی بنو اسماعیلؑ کے بھولے بھالے لوگوں کو بھی برابر ان کے خلاف اکساتے اور بھڑکاتے رہے۔ لیکن اللہ کی آخری کتاب نے اس کے جواب میں اپنے ماننے والوں کو انتقام اور بدلے کی کارروائی کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس کے بہ جائے ان کے معاملہ کو اللہ کے حوالہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے تین عفو و درگزر

کے راستے پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین کی:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنِّ ۖ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ
كُفَّارًا مِّمَّا حَسَدُوا مِنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ ۖ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ
الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (البقرہ: ۱۰۹)

”اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے بہتوں کی خواہش ہے کہ تمہارے ایمان پیچھے تم کو دوبارہ کافر بنا ڈالیں ایسا وہ اپنی حسد کی وجہ سے کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ایسا اس کے بعد کرنا چاہتے ہیں جب کہ ان کے سامنے حق بالکل واضح ہو چکا ہے۔ تو (اے مسلمانو!) تم معاف کرو اور (ان سے) درگزر کا معاملہ کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے کر آجائے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں ایک جماعت حق پرست اور خیر پسند تھی، قرآن نے ہمیشہ کی طرح یہاں بھی ان کا استثناء رکھا۔ اور تمام اہل کتاب کے یہ جائے صرف ان کی اکثریت کو مورد الزام ٹھہرایا۔ صدر اول کے پس منظر میں اس وقت کی اہل ایمان جماعت کو معاذ اللہ معاذ اللہ کفر کی طرف پھیرنے کے لیے ان بد نصیب اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی طرف سے جس طرح کا دباؤ بنایا جاتا رہا ہوگا اور جس طرح کی مخالفت کی جاتی رہی ہوگی، اس کا تصور آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ کی آخری کتاب نے اپنے ماننے والوں کو اس کے جواب میں بدلے کی کارروائی کا حکم نہیں دیا بلکہ جیسا کہ گزر اس کے یہ جائے ان کو عفو و درگزر کی تلقین کی۔ آگے نماز اور زکوٰۃ کے ان اعمال خیر کی تلقین کی جن سے انسان کا اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اس کے راستے میں مخالفتوں کے سہنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ آخر میں آخرت کے بدلے کی تلقین سے اس عفو و درگزر کے لیے مزید قوت اور مضبوطی کا سامان کیا گیا:

وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَ مَا تَقْدِمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِّنْ
خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (البقرہ: ۱۱۰)

(البقرہ: ۱۱۰)

”اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور تم اپنے لیے بھلائی کا جو کام بھی آگے

بڑھاؤ گے تو اللہ کے یہاں اس کو (پورا پورا) پاؤ گے۔ بلاشبہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو دیکھنے والا ہے۔“

دوسرے موقع پر اس مضمون کو مزید صاف کر دیا ہے۔ جہاں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ عرب کے مشرکین و کفار کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اس سے ہمارے اوپر کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ اسلام اور پیروان اسلام کی مخالفت اور دشمنی میں دونوں کی ملی بھگت تھی۔ اور بنی اسماعیل کے سادہ مزاج مشرکوں اور کافروں کو بھڑکانے اور ورغلانے میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا کلیدی کردار تھا:

لَقَبَلُونُ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۖ وَ لَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ
اُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِنَّ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

(آل عمران: ۱۸۶)

”(اے مسلمانو!) ضرور تم کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے معاملے میں آزمایا جائے گا۔ اور تم کو ضرور ان لوگوں کی طرف سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ان کی طرف سے جنہوں نے بت پرستی کا راستہ اختیار کیا ہے بہت ساری تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی۔ لیکن اگر تم صبر سے کام لے سکو اور اللہ کے ڈر کے راستے پر قائم رہ سکو تو یہ بڑی عزیمت کا کام ہے۔“

اس آیت کریمہ سے یہ مضمون بالکل صاف اہل کتاب اور مشرکین کی اس اندھا دھند مخالفت میں اہل اسلام کو جانی اور مالی دونوں طرح کے نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے۔ ساتھ ہی ان کو معاندانہ پروپیگنڈے اور آج کے لفظوں میں الیکٹرک اور پرنٹ میڈیا کی یلغار کا بھی سامنا کرنا ہوگا۔ لیکن اس سب کے باوجود اسلام کے ماننے والوں کو اس کے جواب میں صبر و برداشت کی تلقین کی گئی ہے۔ اور خوف خدا کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے کہ اس کے بغیر اہنسا کے اس راستے پر قائم رہنا آسان نہیں ہے۔ آخر میں اس کو عزیمت کا اعلیٰ ترین کام بتا کر سبھی کے لیے مزید ترغیب دی ہے۔ اس لیے کہ زندگی میں حوصلہ مندی کے کاموں کی ہر کوئی طلب رکھتا ہے تو اہل اسلام و ایمان اپنے کو اس سے کس طرح دور رکھ سکتے ہیں۔

کفار و مشرکین

اللہ کی آخری کتاب کی دوسرے تمام اہل کفر و شرک کے ساتھ بھی اسی طرح غفور و درگزر کی تلقین اور تعلیم ہے۔ آج کے حالات میں اسلام اور مسلمانوں کی تصویر یہ ہے کہ نرمی اور رواداری نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں۔ بدلے اور انتقام کی کارروائی سے ہٹ کر ان کی کسی دوسری چیز سے دل چسپی نہیں۔ یہ قوم ایک عجیب قسم کے پندار میں مبتلا ہے اور اپنے علاوہ کسی اور کو خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں۔ اس کی مرضی کے خلاف جہاں کسی نے قدم رکھا اس نے اس کے مقابلے کے لیے آستین چڑھا لی۔ اب تو بس یا تو وہ اس کی شرطوں کے مطابق معاملہ کرے۔ ورنہ اپنے لیے بدترین انجام سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہے۔ لیکن اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی طرح دوسرے تمام اہل کفر و شرک کے سلسلے میں اللہ کی آخری کتاب کی اپنے ماننے والوں کو جو نصیحت ہے وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہاں اہل کفر و شرک سے مسلمانوں کو بچنے والی اذیتوں اور تکلیفوں کے مقابلے میں بدلے کی کارروائی کے بہ جائے ان کو معاف کرنے اور بخش دینے کا تاکید حکم دیا جا رہا ہے۔ زیر نظر آیت کریمہ سے اوپر کا پورا سلسلہ انھی کفار و مشرکین سے متعلق ہے۔ اس کے بیچ وحی الہی کا اعلان ہوتا ہے:

قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَ مَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝ (الحج: ۱۳-۱۴)

” (اے نبی!) مسلمانوں سے کہیے کہ وہ ان لوگوں کو معاف کریں جو اللہ کے فیصلے کے دنوں کا یقین نہیں رکھتے ہیں تاکہ اللہ کچھ لوگوں کو اس کا بدلہ دے سکے جس کی وہ کمائی کرتے ہیں۔ جو کوئی نیک کام کرے گا اس کا فائدہ اس کو حاصل ہوگا اور جو کوئی برائی کرے گا اس کا وبال اس کے اوپر ہوگا۔ پھر تم سب لوگوں کو پلٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہے۔“

پچھلی آیات کی طرح دوسری آیت کریمہ میں یہاں بھی عمل صالح کی ترغیب اور اللہ کے حضور اس کے انجام کی خوش خبری ہے۔ جس سے اہل اسلام کے اندر زیادہ سے زیادہ اس غفور و بخشش کے وصف کو اپنے اندر پروان چڑھانے کا داعیہ پیدا ہو۔ کفر و شرک کے رویے پر اڑ کر اور

اہل ایمان کو ستا کر اور ان کو ایذا نہیں پہنچا کر جو لوگ اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کریں گے، ان کو بھی اپنے رب کے پاس پہنچ کر اپنی کارگزاری کا حساب دینا ہوگا، مسلمانوں کے لیے آخری آیت کریمہ کا یہ پیغام بھی اسی طرح ان کے اپنے غفود بخشش کے رویے میں پختہ سے پختہ تر کر دینے کا باعث ہے۔ دوسرے موقع پر صاحب وحی ﷺ کی معرفت قیامت تک کے لیے اہل اسلام کو یہ تاکید کی گئی کہ زندگی کے ایک مستقل اصول کے طور پر برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی کوشش کریں۔ اہل کفر و شرک اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں جو کچھ کر رہے ہیں اور جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ رب العزت کو اس کا اچھی طرح پتہ ہے^(۱) وہ ان کی ان حرکتوں سے خود نمٹے گا اور ان کا قرار واقعی حساب چکائے گا، اہل اسلام و ایمان ان سے الگ کر اور ان کے خلاف صف آراء ہو کر آخرت کے اپنے اجر کو کم اور ضائع کرنے کا خطرہ مول نہ لیں:

ادْفَعْ بِالْيَمْنِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۝

(مومنون: ۹۶)

”برائی کو اپنی طرف سے بہترین بھلائی کے ذریعہ نالو، ہم کو اچھی طرح معلوم ہے جو بے سرو پا باتیں وہ کرتے ہیں۔“

جنگ کا آخری انتخاب اور اس کا محدود ترین دائرہ

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک ہر حال میں منفعل رہے، بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے یہاں جہاد و قتال کا کوئی تصور نہیں ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ راہ خدا میں جہاد و قتال اس دین کا طرہ امتیاز ہے۔ اس کے بغیر اس کی صحیح تصویر نامکمل رہتی ہے۔ لیکن یہ جہاد و قتال

(۱) ایام اللہ کی تفسیر عام طور پر وقائع اللہ سے کی گئی ہے۔ یعنی کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے وہ مخصوص دن جن میں نافرمانوں اور سرکشوں کا قلع قمع کیا گیا۔ یا تو آسمانی عذاب کے ذریعہ وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے یا دنیا میں اہل ایمان جماعت کے ذریعہ ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ لیکن ایام اللہ کی دوسری تفسیر بھی کی گئی ہے: الاوقات التي وقفها الله لثواب المؤمنين و وعدهم الفوز فيها۔ (الکشاف للزنجیزی: ۵۱۰/۳، طبع جدید، مصر) ”وہ دن جنہیں اللہ نے اہل ایمان کے بدلے کے لیے مقرر کیا ہے اور ان میں ان کی کام یابی و کامرانی کا وعدہ فرمایا ہے۔“ الحمد للہ کہ آیت کریمہ کے الفاظ ”یرجعون“ سے ہمارا رجحان اس تفسیر کی اس سے پہلے سے تھا۔ زنجیزی کی تائید سے شرح صدر حاصل ہوا۔ یہاں آیت کریمہ کی یہی دوسری تفسیر اختیار کی گئی ہے: نو للناس فيما يعشقون مذاهب۔

اسلام ایک تجارت دہندہ تحریک

اہل ٹپ اور بے لگام نہیں ہے۔ بل کہ اس کی بہت کڑی شرطیں ہیں اور جب تک ان کی تکمیل نہ ہو مسلمانوں کی طرف سے لڑی جانے والی ہر جنگ اور ان کی ہر مزاحمت کو 'جہاد فی سبیل اللہ' اور 'قتال فی سبیل اللہ' کا عنوان نہیں دیا جاسکتا۔ حاصل اس کا یہ کہ یہ جنگ اصولی جنگ ہے جس کا مقصد دنیا میں بے لاگ عدل و انصاف کا قیام ہے نیز یہ کہ اس کے ذریعہ اسلام اور اہل اسلام کے ناگزیر جائز مفادات کا دفاع کیا جائے۔ لیکن یہ بالکل استثنائی صورت ہے جسے اہل اسلام آخری چارہ کار کے طور پر ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ جنگ کا انتخاب (Option) مسلمان امت کے لیے مجبوری کا آخری انتخاب (Option) ہے۔ اور اس کا دائرہ ہمیشہ کے لیے محدود سے محدود تر ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ جسم انسانیت کی یہ وہ ناگزیر سرجری ہے جس کے بغیر اس کی زندگی خطرہ میں رہتی ہے اور اس کی صحت مند کارکردگی پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ جہاں یہ نہ ہو تو اسلام کا عام طریقہ اور اس کی معروف روایت جنگ کی نہیں امن کی اور لڑائی کی نہیں بل کہ صلح کی ہے۔ اس پس منظر میں اہل اسلام کے لیے قرآن کی نصیحت کو معاصر دنیا غور سے سنے اور کتاب اللہ کی صداقت و حقانیت کے اعتراف کا عزم کرے:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۖ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكُكُمْ
أَعْمَالُكُمْ ۝ (محمد: ۳۵)

”تو (اے مسلمانو!) تم کم زوری محسوس نہ کرو اور (مخالفوں کو) برابر صلح کی طرف بلاتے رہو اور (جان رکھو کہ) تم ہی اونچے رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تم کو تمہارے اعمال سے بے دخل نہیں کرے گا۔“

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کے لیے جو تسلی اور خوش خبری ہے اس کے نتیجے میں ان شاء اللہ العزیز وہ قیامت تک کے لیے امن و آشتی کے اسی راستے پر قائم رہیں گے اور مخالفین کے اکسادوں اور بہکاوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس سے یہ حقیقت الگ سے مبرہن ہے کہ آج کی اسلام بے زار یا اسلام نا آشنا دنیا کے پاس 'امن و آشتی' کے لیے مستقل اساس نہیں ہے۔ یہ مانگے کا اجالا ہے جو کبھی رہتا ہے اور کبھی غائب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آج کے منظر نامے میں یہ تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور صبح امیر کے آثار کہیں نظر نہیں آتے ہیں۔

باب پنجم

ماحولیات

ماحولیات کے پہلو سے بھی معاصر دنیا کا حال بہت خراب ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل بھی آپ کتاب کے پہلے باب میں دیکھ چکے ہیں۔ ہوا سانس لینے کے قابل ہے، نہ دریاؤں اور تالابوں کا پانی بے خوف ہو کر پیا جاسکتا ہے۔ بل کہ اس سے بھی آگے وطن عزیز کے حد تک زمین کے پانی کی ابتدائی سطح اس درجہ آلودہ ہو چکی ہے کہ صحت کو خطرہ میں ڈالے بغیر اس کو اطمینان کے ساتھ نہیں پیا جاسکتا۔ بڑے شہروں ہی میں نہیں قصبات اور دیہات تک میں گاڑیوں کی کثرت اور ان کے دھوئیں سے فضا آلودہ ہے۔ پلاسٹک کے استعمال سے زمین آلودہ ہے۔ صنعتی اکائیوں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور لائوڈ اسپیکر وغیرہ نے آواز کی آلودگی کا مسئلہ کھڑا کر رکھا ہے۔ ایر کنڈیشننگ اور بجلی کے دیگر استعمالات نے فضا میں اوزون کی سطح کو متاثر کر رہی ہیں۔ بلند ترین چوٹیوں پر گولی باری اور جنگ نے پہاڑوں اور جھرنوں سے آنے والے شفاف ترین پانی کو ناصاف اور مشتبہ اور مشکوک بنا دیا ہے۔ زیر زمین ایٹمی تجربات نے الگ سے فضا کی تاب کاری میں اضافہ کیا ہے اور انسانی آبادی کا بڑا حصہ ناقابل برداشت گرمی کی زد میں ہے۔ سمندر کی تہ میں ان تجربوں نے وہاں کے ماحول کو بگاڑا ہے اور وہاں زندگی کے لالے پڑ گئے ہیں۔ عراق اور افغانستان جیسے ملکوں پر جو لاکھوں گولے بارود اور زہریلے مادے برسائے گئے ہیں اس نے ماحول کے ساتھ موسم کے مزاج اور انداز میں تبدیلی پیدا کر دی ہے (۱) غرض یہ کہ جیسا کہ اس موقع

(۱) شاید امریکہ عظیمی کی انہی جیسی کارروائیوں کے پیش نظر اقوام متحدہ کے جنرل سکرٹری کوئی عنان کا کہنا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ آلودگی پھیلانے والا ملک امریکہ ہے۔ لہذا زمین کے درجہ حرارت کو قابو میں رکھنے کے لیے تدابیر کرنا اس کی خاص ذمہ داری ہے۔ اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی ۲۲ مئی ۲۰۰۱ زیر عنوان: امریکہ سب سے زیادہ آلودگی پھیلانے والا ملک: عنان۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

پر کہا گیا ہے، خشکی اور تری ہر جگہ انسان کی زندگی اجیرن ہے۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اس سے وہ کس طرح میرے اور اس کی مشکل کس طرح آسان ہو۔ سیکولر انسانیت اپنے اپنے طور پر ماحولیات کے ان مسائل سے عہدہ برآ ہو رہی ہے۔ اور اس کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اختیار کی جا رہی ہیں۔ لیکن بصیرت کی بنیاد پر دعویٰ ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام مسائل کی طرح ماحولیات کے اس مسئلہ کا بھی پائیدار اور تسلی بخش حل صرف اور صرف اسلام اور اس کی نجات دہندہ تحریک کے پاس ہے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت دونوں اس کے سلسلے میں درج درجہ حساس ہیں۔ اور ان کے ذخیرے میں اس مسئلہ کے ایک ایک جزئیہ کا استقصاء اور احاطہ کیا گیا ہے۔

پانی کا مسئلہ

ماحولیات کے سلسلے میں سرفہرست پانی کا مسئلہ ہے۔ سب سے پہلے اسی کو لیتے ہیں۔ اس سے پہلے 'معاشی تحفظ' کے مضمون میں قرآن و سنت کے حوالہ سے یہ بات تفصیل سے آچکی ہے کہ ضروریات زندگی کی فراہمی میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی ترجیح انسانی آبادی کو حیاتیاتی پانی دستیاب کر دینے کی نہیں ہے۔ بل کہ اس کو یہ پانی صاف ستھرا، غیر آلودہ، حیات بخش اور ضروری و مٹانوں سے بھرپور ہونا چاہیے۔ پس یہ پانی جس جس طریقے سے آلودہ ہو رہا ہے اس کے تمام ذرائع اور متاع پر فوری روک لگانا اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی اولین ترجیحات سے ہے۔ نہر، دریا، تالاب، ٹالا اور سمندر، اسی طرح زیر زمین پانی کا ذخیرہ یہ جس طرح اور جس وجہ سے بھی آلودہ اور ناقابل استعمال ہو رہا ہو، اس کے اسباب اور عوامل کا بلاتا خیر تدارک اور سد باب ضروری ہے۔ صنعتی آلودگی یا جس دوسرے سبب سے بھی بالائے زمین کے ان آبی ذخائر کی صفائی اور شفافیت مجروح ہوتی ہو اس پر فوری طور پر روک لگانا چاہیے۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک سائنس اور ٹکنالوجی کے دوسرے تمام صحت مند مظاہر کی طرح صنعتی ترقی سے بھی کوئی وحشت اور اجنبیت نہیں ہے۔ لیکن اس کی اسی صحت مند ترقی کا تقاضا ہے کہ اس کے گندے پانی کی نکاسی کا دوسرا ذریعہ نکالا جائے اور سمندر، دریاؤں اور نہروں اور تالابوں کو اس کی زد سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی طرح مصنوعی کھاد یا زمین کے کسی دوسرے بے جا استعمال کے نتیجے میں اگر زیر زمین پانی کا

ذخیرہ آلودہ اور کثیف ہوتا ہے تو اوپر کی طرح اس کا بھی فوری طور پر متبادل تلاش کیا جانا ضروری ہے۔ زمین کے نیچے اور اوپر پانی کے یہ وہ ذخائر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تیار کر کے انسان کے حوالہ کیا ہے۔ قرآن کے ایک بیان سے اس کے سلسلے میں اس سے آگے کی بات سامنے آتی ہے۔ دریا، سمندر اور قدرتی نہروں، نالوں اور تالابوں کے علاوہ اس مقصد سے الگ سے تالابوں اور نہروں کا پوری انسانی آبادی میں جال بچھایا جانا چاہیے جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بارش کا ہونے والا پانی بہہ کر سمندر میں گم ہو جانے کے بجائے اس کے قابل لحاظ حصے کو زمین کے اوپر محفوظ رکھا جاسکے:

وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَتْهُ فِي الْأَرْضِ نَّحِيلَ
عَلَىٰ ذَهَابٍ ۚ بِهِ لَقَدِرُونَ ۖ فَانْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّحِيلِ
وَ أَغْنَابٍ ۚ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاحِشٌ كَثِيرَةٌ وَ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ۖ وَ شَجَرَةً
تَخْرُجُ مِنْ طُورٍ سَيْنَاءَ تَنْثُبُ بِالذَّهْنِ وَ صَبِغَ لِّلْأَكْلِيلِ ۝

(المومنون: ۱۸-۲۰)

”اور ہم نے آسمان سے پانی اتار ایک اندازہ کے مطابق پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرا دیا حالانکہ ہم اس کو بالکل نثار کر سکتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ کھجور اور انگور کے بہت سارے باغات پیدا کر دیے جن میں تمہارے لیے پھلوں کی بہتات ہوتی ہے اور تم اس میں سے کھاتے بھی ہو۔ اور (زینوں کا) وہ درخت بھی جو سینا کی پہاڑی سے اگتا ہے جو (تمہارے لیے) تیل اور کھانے والوں کے لیے سالن دونوں کا کام دیتا ہے۔“

پہلی آیت کریمہ میں یہ بات بڑی وضاحت سے کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش کا جو پانی برسایا جاتا ہے اس کا زمین کے اوپر مناسب اور موزوں ذخیرہ کیا جانا چاہیے۔ اس لیے کہ اگلی آیت کریمہ میں کھجوروں اور انگوروں کی باغبانی کا جو تذکرہ ہے وہ صرف موسیٰ آسانی بارش کے ذریعہ ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے چشموں اور تالابوں میں اس کا محفوظ رہنا

ضروری ہے۔ اسی طرح آخری آیت کریمہ میں زمینوں کے جس درخت کا تند کرہ ہے جو اہل عرب کے مزاج کے مطابق ان کی تیل کی ضرورت کے ساتھ 'سالن' کے طور پر بھی کام آتا ہے، اس کی باغبانی کے لیے بھی اسی طرح بارش کے موسمی پانی کے ساتھ بعد کے اس کے محفوظ کردہ پانی کی ضرورت ہے۔ بارش کے پانی کے اس ذخیرہ اندوزی کے لیے ایک تو وہ پوکھر، تالاب اور نہریں اور دریا ہیں جو قدرتی ہیں، سماج اور معاشرے کی ضرورت کے لیے اگر یہ ناکافی ہوں تو شریعت محمدیؐ کے مسلمہ اصولوں کے مطابق ریاست کی طرف سے اس کا مصنوعی انتظام کیا جائے۔ اور خوش حال اور ترقی یافتہ آبادی کے لیے الگ سے پوکھر، تالاب، نہریں اور ڈیم تیار کیے جائیں۔ اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اس کے لیے اصول فقہ کا 'مصلح مرسلہ' کا جامع عنوان ہے۔ جو سماج اور معاشرے کی اس طرح کی تمام ضرورتوں کا قیامت تک کے لیے کفیل ہے۔ اس کا کوئی لگا بندھا فارمولہ اور قانون نہیں ہے۔ بلکہ 'مصلح مرسلہ' کا مطلب ہی ہے وہ مصلحتیں جو انسان کی عقل و فہم اور اس کی زیرکی اور فراست کے حوالہ کریں۔ وہ ان کا خود ادراک کرے، تجربے اور مشاہدے سے ان کو سیکھے اور دنیا اور احوال دنیا کے وسیع تر مطالعہ سے ان کی تفصیلات کو مرتب کرنے کی کوشش کرے۔ یہ دین دراصل مصلحتوں کا ہی دین ہے۔ شریعت کے طے کردہ معیار کے مطابق سماج اور معاشرے کے لیے جن کی حصول یابی اور فراہمی ضروری ہے اس کی نمائندہ ریاست کے لیے ان سب کا حصول اور فراہمی قرض واجب ہے۔ اور اس میں کوتاہی اور سہل انگاری کی صورت میں وہ خلق خدا کے سامنے تو جواب دہ ہے ہی اس سے بڑھ کر وہ خالق کائنات اور مالک یوم الدین کے سامنے جواب دہ ہے۔

پلاسٹک کا استعمال

ماحولیات کے مسائل میں جیسا کہ آپ نے کتاب کے پہلے باب میں دیکھا 'پلاسٹک' کی آفت سرفہرست ہے۔ دور جدید میں پلاسٹک انقلاب ایک بڑا سائنسی انقلاب ہے جس سے انسانی آبادی کے لیے راحت اور آرام کی نوع بہ نوع صورتیں پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس

نے ماحولیات کے بھی بہت سے مسائل پیدا کیے ہیں جس میں برصغیر ہند کے روایتی پھوہڑ پن میں اس کی آفات اور پریشانیاں کچھ اور بھی بڑھی ہوئی ہیں۔ کوڑے کڑکٹ میں پلاسٹک کے بے تحاشا ذخیرے نے جابجا دریاؤں کی روانی روک دی ہے۔ زرعی زمین میں جہاں اس کا انبار اکٹھا ہو جاتا ہے وہ کھیت اور زمین ناقابل کاشت ہو جاتی ہے۔ شہر کے اندر اور باہر کے پلاسٹک آمیز کچرے کے کھانے سے جانوروں کا مرنا ہمارے ملک میں ایک معمول کی بات بن گئی ہے۔ جس کے کچھ حوالے بھی کتاب کے پہلے باب میں زیر نظر عنوان میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس مسئلہ کا حل بھی شریعت کے اسی 'مصالح' و 'مسلئ' کے اصول میں ہے۔ اسلام کی نمائندہ ریاست یا تو پلاسٹک کے اس بے جا استعمال پر قابو پائے گی، نئی تحقیق سے اس کا دوسرا متبادل فراہم کرے گی جو موجودہ پلاسٹک کی طرح برسوں تک اسی حالت میں پڑے رہنے کے بجائے بہت جلد گل جائے اور زمین اور پانی میں تحلیل ہو جائے۔ دوسری صورت میں بلاتاخیر وہ اس پر پابندی (Ban) عائد کرے گی۔ اس لیے پلاسٹک کے تھیلوں کے بجائے کپڑے اور جوٹ وغیرہ کے دوسرے تھیلے تو اختیار کیے جاسکتے ہیں، لیکن زمین اور پانی کی آلودگی اور جانوں کے اتلاف کو وہ کسی صورت گوارہ نہیں کر سکتی ہے۔ بڑے نقصان اور چھوٹے نفع کے مقابلہ میں ترجیح بڑے نقصان کو حاصل ہوگی۔ اور اس کو ہر حال میں دور کرنے اور زائل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

صنعتی فضلات اور گاڑیوں کا دھواں

معاصر دنیا میں ماحولیاتی آلودگی کے یہ بڑے اسباب سے ہے۔ بڑے شہروں کی صنعتی کائیوں سے جو دھواں اور راکھ اسی طرح ان کا کچرا اور گند پانی جس بڑی مقدار میں نکلتا ہے، وہ فضا کو بہت بری طرح متاثر کرتا ہے۔ دہلی جیسے شہروں میں سفید کپڑا اگر صبح میں چھت پر پھیلا دیا جائے تو شام ہوتے ہوتے وہ بالکل سیاہ پڑ جاتا ہے۔ جب کپڑے جیسی بے جان چیز پر اس کا یہ اثر ہے تو غریب انسانوں کے سینے اور بھی پھڑپھڑے پر اس کا جواثر ہوگا اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چناں چہ سانس کی تکلیف اور تنفس (Asthama) ان بڑے شہروں کی

معروف بیماری ہے۔ جس کی زد میں بالخصوص بوڑھے اور نو عمر بچے آتے ہیں۔ دہلی جیسے شہر میں اس کثافت کا یہ حال ہے کہ علی گڑھ سے دہلی جانے والا واپسی میں غازی آباد کے بعد ہی اطمینان سے سانس لینے کے قابل ہوتا ہے۔ معروف جغرافیائی روایت کے مطابق ہمارے ملک کے بھی تمام بڑے شہر کسی نہ کسی ندی اور دریا کے کنارے آباد ہیں۔ دہلی اور آگرہ جمنائے کنارے ہیں تو کان پور اور بنارس گنگا کے کنارے آباد ہیں۔ ان شہروں میں صنعتی اکائیوں سے نکلنے والے کچرے اور گندے پانی کا ٹھکانا اب ہماری یہی غریب اور بے سہارا ندیاں ہیں۔ ہندوستان کے پس منظر میں یہ ایک قومی سانحہ ہے کہ گنگا اور جمنائے دریاؤں کا پانی آلودہ اور ناقابل استعمال ہو جائے جو برادران وطن کے ذہنوں میں ان سے وابستہ مذہبی تقدس سے ہٹ کر خالص طبی اور کیمیائی سطح پر بے شامیات بخش خصوصیات کا حامل ہے۔ گنگا کے پانی میں سلفر بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے جس کی انسانی جلد کے لیے افادیت مشہور و معلوم ہے۔ لیکن یہ غریب ندی کان پور کے آس پاس جس کسم پرسی کے عالم میں ہے، جس کی تفصیل کتاب کے پچھلے باب میں آپ نے دیکھی، اس کے پیش نظر جلد کی شفا تو کیا یہاں اس میں نہانے کا مطلب اپنے آپ کو جلدی امراض کے منہ میں ڈالنا اور اپنی صحت و تندرستی کو دانستہ خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ جمنائے کنارے اس سے مختلف نہیں ہے۔ جس کا پانی آگرہ کے بعد اس درجہ زہر آلود ہو جاتا ہے کہ اس کے پینے سے جانوروں کی موت ہو جاتی ہے اور جس کھیت کی اس کے پانی سے سینچائی ہو جائے وہ بنجر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل بھی اس سے پہلے اسی مقام پر آچکی ہے۔ صنعتی دھوئیں کے ساتھ گاڑیوں کے دھوئیں سے نکلنے والی آلودگی ان بڑے شہروں کا دوسرا سنگین مسئلہ ہے۔ جس کی مار سب میں بڑھ کر ملک کی راجدھانی ہماری پڑوسی دہلی پر پڑ رہی ہے۔ جہاں دو پہیا، تھپہا اور چار پہیا گاڑیوں کی تعداد ملک کے باقی دوسرے تمام میٹرو پولیٹین شہروں سے زیادہ ہے۔ اس سے ابرنے کے لیے یہاں ڈیزل اور پٹرول گاڑیوں کے بہ جائے سی۔ این۔ جی گاڑیوں کو رواج دیا جا رہا ہے اور اگلے مرحلے میں ان گاڑیوں کا بوجھ کم کرنے کے مقصد سے میٹرو ریلوے کا نیا نظام زیر تجربہ ہے۔ یہ بہت خوش آئند ہے۔ اور اسلام کی نجات دہندہ انسانی فلاح و بہبود اور

ماحول کی بہتری کے ان اقدامات کا پوری گرم جوشی سے استقبال کرتی ہے۔ وہ اس کی دل سے قدر کرتی ہے اور اس کے معماروں اور خاکہ سازوں کو دلی مبارک باد پیش کرتی ہے۔

اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں انفرادی اور اجتماعی کسی طرح پر کسی کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا واضح ارشاد ہے کہ:

لَا ضَرَّارَ وَلَا ضَرَّارَ (۱)

”نہ کوئی نقصان ہے اور نہ کوئی کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے۔“

جس کی بنیاد پر فقہ اسلامی کا یہ کلیہ وجود میں آیا ہے کہ:

الضرر يزال۔ (۲)

”نقصان جس صورت میں بھی ہو اس کو دور کیا جائے گا۔“

جس کو بعد میں اس کے ذیلی قواعد سے مزید وسعت دی گئی ہے:

يتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام۔ (۳)

”عام نقصان سے بچنے کے لیے خاص نقصان کو گوارا کیا جائے گا۔“

نیز یہ کہ:

درء المفسد اولیٰ من جلب المصالح۔ (۴)

”مصلحتوں کے حصول کے مقابلہ میں خرابیوں کو دور رکھنا زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔“

جس کی معروف مثالوں میں سے ایک یہ کہ کسی شخص کی خستہ دیوار اگر کسی عام راستے پر چھکی ہوئی ہو

(۱) موطا امام مالک میں یہ روایت مرسل اور متدرک حاکم، بیہقی، دارقطنی اور سنن ابن ماجہ میں مرفوعاً مذکور ہے۔ بحوالہ:

ابن نجیم المصری م ۹۷۰ھ: الاشباہ والنظائر مع شرح للعلامة الحموی ۱۳۹/۔ ادارة النشر والاشاعة،

دار العلوم دیوبند الہند ۱۴۰۶ھ طبع جدید دوم۔

(۲) الاشباہ والنظائر ۱۳۹، ۱۴۱۔ محولہ بالا۔

(۳) حوالہ سابق، ص ۱۴۲۔

(۴) حوالہ مذکور ص ۱۴۔

اس طرح کہ کسی وقت اس کے گرنے سے کسی کی جان جاسکتی ہو تو مالک کی مرضی نہ ہوتے ہوئے بھی اسی دیوار کو زبردستی گرا دیا جائے گا اور حکومت اور معاشرے کے اوپر ایسا کرنا واجب ہوگا ① دوسری مثال کپڑے کے بازار میں ہوٹل کی دوکان کھولنے کی ممانعت کی ہے۔ ایسے کسی بازار میں ایسا ہوٹل کھولا جائے جس میں ہر وقت کھانا پکنا اور آگ جلتی ہو اور اس کے دھوئیں اور چنگاریوں سے کپڑا فروشوں کو اذیت اور ان کے کپڑوں کو نقصان پہنچتا ہو تو کپڑے کے اس بازار میں ایسے ہوٹل کے کھولنے کی اجازت ہرگز ہرگز نہیں دی جائے گی ② انھی مثالوں پر مفاد عامہ کی دوسری تمام مثالوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اس کی روشنی میں صنعتی ترقی اور لوگوں کے سفر کے لیے گاڑیوں کی ضرورت اور افادیت اپنی جگہ، لیکن اس کی وجہ سے اگر لوگوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہو تو بڑے اور پھیلے ہوئے، اس نقصان سے بچنے کے لیے محدود و مخصوص نفع اور فائدے کو ترک کیا جائے اور ضرر عام کے مقابلے میں ضرر خاص کو انگیز کیا جائے گا۔ اسی طرح زندگی سائنس و ٹکنالوجی سے حاصل ہونے والی مصلحتوں کا حصول بلاشبہ پسندیدہ ہے، لیکن اس کے مقابلے میں جب خرابیوں اور نقصانات 'مفاسد' کا پلڑا بھاری ہو جائے تو اصول بالا کی روشنی میں مصلحتوں کے حصول کے بجائے نقصانات کے ازالے کے پہلو کو ترجیح حاصل ہوگی۔ پس جب تک اوپر کی صنعت اور گاڑیوں کی مصلحت اپنے کو وابستہ نقصانات سے آزاد نہیں کرا لیتی اس کو بے روک ٹوک اور لگاتار ماحول کو آلودہ اور خشکی اور تری کو تباہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

دریاؤں اور سمندروں میں اس کچرے اور گندے پانی سے جانوروں کی جو موت ہوتی ہے وہ الگ ایک مستقل تشویش کا موضوع ہے۔ اس سے دریا اور سمندر کی مچھلیاں تو مرتی ہی ہیں جن کی بے بدل غذائی اہمیت معلوم و معروف ہے۔ اس سے کھوے اور جو تک اور گھونگھے وغیرہ بھی مرتے اور ختم ہوتے ہیں جن کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے فطری طور پر دریائی اور سمندری آلائش کی صفائی کے کام پر لگا رکھا ہے۔

(۱) حوالہ سابق ص ۱۳۳۔

(۲) حوالہ مذکور ص ۱۳۳۔ البتہ اس موقع پر یہ مثال مختصر ہے۔ ہم نے اس کو کھول دیا ہے۔

آلودگی صوت

ماحولیات کے مسئلہ میں آلودگی صوت (Noise Pollution) کل کارخانوں، گاڑیوں اور موٹروں، مائیکروفون، اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ سے پیدا ہونے والی آواز اور شور اور چلاہٹ بھی آج کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ سو اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اس کا حل بھی موجود ہے۔ بل کہ اس سے بھی آگے اصل حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے تمام مسئلوں کی طرح اس مسئلہ کا قابل اطمینان اور دائمی حل صرف اور صرف اسلام اور اس کی نجات دہندہ تحریک کے پاس ہے۔ اللہ کی آخری کتاب نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس سلسلے میں حضرت لقمانؑ کی زبانی اپنی پسند ان لفظوں میں درج کرادی تھی۔ ان کی طرف سے اپنے صاحب زادے کو کی جانے والی بیش بہا نصیحتوں میں سے آخری نصیحت تھی:

وَاقْصِدْ فِي مَشِيكَ وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۖ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝

(لقمان: ۱۹)

”میانہ چال چلو اور دھیمے لہجے میں بات کرو، بلاشبہ سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔ (جوخنت ہونے کے ساتھ اتنی ہی ناگوار ہوتی ہے۔)“

اس کے علاوہ قرآن کا بار بار حکم ہے کہ آدمی ہمیشہ دوسروں سے ٹھیک اور بھلی بات کہے:

... وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ (الاحزاب: ۷۰)

”... اور (لوگو!) سیدھی بات کہو۔“

... وَ قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۝ (البقرہ: ۸۳)

”... اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔“

جس دوسرے بہت سارے تقاضوں میں سے یقیناً ایک یہ ہے کہ گفتگو میں آدمی کا لہجہ دھیمہ اور معقول اور وہ اپنی سخت اور کرخت آواز سے لوگوں کی ایذا رسانی سے اپنے کو محفوظ رکھے۔ یہاں تک کہ اہل ایمان کو نماز اور دعا کا بھی ادب یہ سکھایا گیا کہ یہ بہت آہستہ نہ ہو تو بہت زور سے بھی نہ ہو۔ بل کہ اس کو ان دونوں کے درمیان ہونا چاہیے:

... وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝

(بنی اسرائیل: ۱۱۰)

”... اور چلا کر دعامت مانگو اور نہ بالکل منہ ہی بند کر لو، بل کہ ان دونوں کے بیچ کاراستہ اختیار کرو۔“

اسی طرح سورہ اعراف میں ارشاد ہوا:

وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خِيفَةً وَ دُونَ الْجَهْرِ
مِنَ الْقَوْلِ... (الاعراف: ۲۰۵)

”اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو دعا جزئی کے ساتھ اور ڈر کے ساتھ اور زور سے بولنے سے کم لہجہ میں۔“

قرآن شریف کی تلاوت اور قرأت بلند آواز سے کی جائے یا چپکے چپکے کی جائے۔ ان دونوں کی فضیلت کے حق میں الگ الگ آثار موجود ہیں۔ علماء نے ان دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ خاموشی سے تلاوت کرنا اس شخص کے حق میں افضل ہے جس کو دوسری صورت میں ریاکاری کا اندیشہ ہو۔ لیکن اگر اس کو اس کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لیے قرآن کی تلاوت اور قرأت بلند آواز سے کرنا افضل ہے۔ لیکن اس سلسلے میں بھی شرط یہ لگائی گئی ہے کہ:

... فان لم يخف الرياء فالجهر افضل، بشرط أن لا يودی

غیره من مصل او نائم او غیر ہما۔ (۱)

”... البتہ اگر اس کو ریاکاری کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لیے قرآن کا بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے۔ البتہ اس کے ساتھ شرط ہے کہ اس کی وجہ سے کسی نمازی، کسی سونے والے یا کسی اور دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔“

دوسری حدیث میں اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اسے قیامت کی علامات سے قرار دیا کہ مسجدوں میں شور اور بڑھ بڑھ کر باتیں ہونے لگیں:

لا تقوم الساعة حتی يتباہر الناس فی المساجد۔ (۲)

”قیامت جب قریب ہوگی تو لوگ مسجدوں میں زور سے بولنا شروع کر دیں گے۔“

(۱) محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی م ۶۷۶ھ: الاذکار المتخبة من کلام سید الابرار رحمہ اللہ

۱۰۰۱ء دار العلوم الحدیث، بیروت، مکتبۃ المتنبی، و علیہ شرح العلامة ابن علان۔ ۱۹۷۹ء

۱۳۹۹ھ۔

(۲) مسند احمد: ۳/ ۱۳۴۔

اس کے علاوہ عام طور پر مسجد کے آداب میں سے ہے کہ دوسری چیزوں کے علاوہ اس میں بلند آواز سے گفتگو نہ کی جائے۔ حضرت واثلہ بن اسحقؓ کی روایت اللہ کے آخری نبی ﷺ کی حدیث ہے:

جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و شراء کم و

بیعکم و خصوصاتکم و رفع اصواتکم۔ (۱)

”بچوں اور پاگلوں کو مسجدوں سے دور رکھو، ساتھ ہی ان میں خرید و فروخت اور اپنے جھگڑوں کو نہانے اور آوازیں بلند کرنے سے پرہیز کرو۔“

حدیث میں بھی دعا کا ادب یہی بتایا گیا ہے کہ وہ دھیمی زبان اور مدہم آواز کے ساتھ ہو۔ مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ اس سلسلے میں اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

کنا مع النبی ﷺ فی سفر، فکنا اذا علونا کبرنا۔

”ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تو زور سے تکبیر کہتے تھے۔“

اس پر آپ ﷺ نے لوگوں کو تنبیہ فرمائی:

فقال النبی ﷺ: یا ایہا الناس، اربعوا علی انفسکم،

فانکم لاتدعون اصم ولا غائباً، ولكن تدعون سمیعاً

بصیراً۔ (۲)

”تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! دھیمی آواز میں دعا مانگو اس لیے کہ تم کسی بہرے یا

غیر موجود کو نہیں پکار رہے ہو، بل کہ ایک سننے والی ہستی کو یاد کر رہے ہو۔“

یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ صحیح مسلم میں روایت کے الفاظ سے اس کا مضمون مزید کھلتا

ہے۔ یہاں یہ روایت اس طرح ہے:

(۱) سنن ابن ماجہ، ابواب المساجد والجماعات، باب ما یکرہ فی المساجد۔ اصح المطابع لکھنؤ،

۱۳۱۵ھ طبع قدیم مع شرح: مفتاح الحاجہ۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الدعوات، باب لا ادعاء اذا علا عقبہ، سلفیہ، قاہرہ۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

عن ابی موسیٰ قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فجعل الناس یجھرون بالتکبیر فقال النبی ﷺ یا ایہا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لیس تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سميعا قریبا و هو معکم۔ (۱)

”حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو (کسی موقع پر) لوگ زور زور سے تکبیر پڑھنے لگے۔ اس پر آپ ﷺ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ لوگو! دھیمی آواز میں دعا مانگو اس لیے کہ تم کسی بہرے یا غیر موجود کو نہیں پکار رہے ہو بل کہ تم ایک سننے والی اور اپنے سے قریب ہستی کو پکار رہے ہو جو ہر وقت تمہارے ساتھ ہوتی ہے۔“

ظاہر ہے جس دین کا یہ اصول اور یہ مزاج ہو وہ آج کے دور میں شہروں اور قصبوں میں بلا روک ٹوک کل کارخانوں کے شور اور گاڑیوں اور مائیکروفون وغیرہ جیسی چیزوں کی صوتی آلودگی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ بل کہ وہ اپنی اولین ترجیح میں ان کے شور اور غل کو کم سے کم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس سلسلے کی تمام سائنٹفک اور انتظامی تدابیر اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی بنیادی ضرورت ہے۔ اور اس کے سلسلے میں وہ کسی قسم کی سستی اور سہل انگاری سے اپنے کو بالکل دور رکھے گی۔ دوسرے پہلوؤں سے بھی اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں صوتی آلودگی کی ناپسندیدگی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اسلام کا بڑا تاکید حکم ہے کہ مسلمان ہو کہ غیر مسلم، کسی کو کسی بھی انداز سے اور کسی بھی پہلو سے کسی طرح کی تکلیف نہ دی جائے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کے حوالہ اللہ کے رسول ﷺ کے یہ تاکید الفاظ ہیں:

یا معشر من قد اسلم بلسانہ ولم یغض الیایمان الی قلبہ لا

توذوا المسلمین ولا تعیروہم ولا تتبعوا عوراتہم۔۔۔ (۲)

(۱) صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب الذکر والدعاء والاستغفار، باب استحباب خفض الصوت بالذکر، عامرہ، مصر۔ صحیح بخاری و مسلم کی اس روایت پر امام نووی م ۶۷۷ھ نے دوسرے موقع پر یہ باب باندھا ہے: باب النهی

عن المبالغة فی رفع الصوت بالتکبیر و نحوه، الاذکار المنتخبة من کلام سید الابرار رحمہ اللہ ۲۰۰، تفصیل آئندہ (تکبیر وغیرہ میں آواز بہت زیادہ بلند کرنے کی ممانعت کا باب۔

(۲) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی تعظیم العومن۔

”اے وہ لوگو جو اپنی زبان سے تو مسلمان ہو گئے ہو لیکن ایمان جن کے دلوں میں ابھی جاگزیں نہیں ہوا ہے، تم مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، نہ بات بات پر ان کو شرم دلاؤ اور نہ ان کے پوشیدہ رازوں کو جاننے کی کوشش کرو۔“

مسند احمد کی روایت میں مسلمانوں ’مسلمین‘ کے بہ جائے ’اللہ کے بندوں‘ ’عباد اللہ‘ کا لفظ ہے، جس سے اہل اسلام کی طرح غیر مسلم انسانیت کے افراد بھی آخری نبی ﷺ کی اس تاکید میں اسی طرح شامل ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ سے حضرت ثوبانؓ کی اس روایت کے الفاظ ہیں:

لَتَوْذُوا عِبَادَ اللَّهِ وَلَا تَعِيرُوهُمْ وَلَا تَطْلُبُوا عُورَاتِهِمْ... (۱)

”اللہ کے بندوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور نہ ان کو شرم دلاؤ اور نہ ان کے سر بستہ رازوں کی ٹوہ میں لگو۔“

اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی ایک طویل روایت میں آپ ﷺ نے بہت سے اعمال خیر کی نشان دہی فرمائی۔ آخر میں سب سے اہتمام کے ساتھ اس کی تاکید کی کہ:

... تَكْفُفُ شُرَكَاءِ مِنَ النَّاسِ - (۲)

”... تم لوگوں کو اپنی بڑائی سے محفوظ رکھو۔“

یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔ مسند احمد میں اس کے یہ الفاظ ہیں:

... كَمْنٌ اِذَاكَ عَنِ النَّاسِ - (۳)

”... تم لوگوں کو اپنی تکلیف سے محفوظ رکھو۔“

مزید براں اسلام میں راستے کا ایک ادب یہ بتایا گیا ہے کہ وہاں آدمی ایسا کوئی اور ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس سے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچے:

... وَ كَفِّ الْمَاضِي - (۴)

”اور (لوگوں کو) تکلیف سے بچانا۔“

(۱) مسند احمد: ۲/۲۷۹۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الاعمال۔

(۳) مسند احمد: ۵/۱۵۰۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب المظالم والغصب، باب افغیة الدور والجلوس فیہا والجلوس علی الصعدات، صحیح مسلم جلد ۳۔ کتاب اللباس والزینة، باب النهی عن الجلوس فی الطرقات و اعطاء الطريق حقہ، نیز سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب الجلوس فی الطرقات۔ نیز: مسند احمد ۳/۳۶، ۳۷۔

اسلام ایک حیات دہندہ تحریک

دوسری حدیث میں سچے مسلمان کی پہچان ہی یہ بتائی گئی کہ:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یدہ۔ (۱)

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو کوئی ڈر نہ ہو۔“

نیز یہ کہ:

لا یومن احدکم حتی یحب لاخلیه ما یحب لنفسه۔ (۲)

”تم میں سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے دوسرے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو کہ وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

دوسرے موقع پر ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے جو چھ حق گنائے گئے ہیں ان

میں سے ایک یہ کہ:

... و یحب لہ ما یحب لنفسه۔ (۳)

”... اور وہ اس کے لیے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

ریڈیو، ٹیلی ویژن اور مائیکروفون وغیرہ کے شور و غل کا اکثر نقصان پڑوسیوں کو پہنچتا ہے۔ اس کے سلسلے میں مسلمان اور غیر مسلم کے کسی فرق کے بغیر مطلق پڑوسی کی بابت فرمایا کہ جس کی لائی آفتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو اس کے دین و ایمان کا کچھ اعتبار نہیں۔ تاکید کے لیے آپ ﷺ نے اس حصے کا تین بار اعادہ فرمایا:

واللہ لایومن واللہ لا یومن واللہ لا یومن قیل و من یا

رسول اللہ، قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ۔ (۴)

(۱) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یدہ۔ صحیح مسلم جلد ۱۔

کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الاسلام و ای اموره افضل۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخلیه ما یحب لنفسه۔ صحیح مسلم جلد ۱۔

کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخلیه ما یحب لنفسه من الخیر۔

البتہ یہاں اپنے بھائی (لاخیہ) کے علاوہ اپنے پڑوسی (لجارہ) کے بھی الفاظ ہیں۔

(۳) جامع الترمذی جلد ۲۔ ابواب الاستیذان والادب عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی تسمیت العاطس۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ۔ روایت حضرت ابو شریحؓ۔

”خدا کی قسم وہ مسلمان نہیں، خدا کی قسم وہ مسلمان نہیں، خدا کی قسم وہ مسلمان نہیں،
پوچھا گیا کہ وہ کون ہے اے اللہ کے رسول ﷺ فرمایا وہ جس کی لائی ہوئی آفتوں
سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔“

یہ روایت صحیح بخاری کی ہے (۱) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت میں
اس پر اضافہ ہے:

لا يدخل الجنة من لا يامن جاره بوائقه۔ (۲)
”وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے پڑوسی اس کی لائی ہوئی آفتوں سے
محفوظ نہ ہوں۔“

صحیح بخاری و مسلم کی دوسری روایت میں بھی اس کو خدا و آخرت پر ایمان کا اولین تقاضا
قرار دیا:

من كان يومن بالله واليوم الآخر فلا يوثر جاره... و من
كان يومن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا او ليصمت۔ (۳)
”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔۔۔
اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو وہ بھلی بات کہے یا چپ رہے۔“

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ۴/۲۲۲، کتاب الادب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، فصل اول میں، اس روایت کو
متفق علیہ لکھا ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ بخاری و مسلم دونوں میں ہے۔ جب کہ صحیح مسلم یہ روایت موجود نہیں۔ اس
میں صرف بعد کی روایت ہے جس کا مضمون اس سے مختلف ہے۔ مزید صحیح بخاری میں یہ حدیث حضرت ابو شریحؓ کی
روایت سے ہے۔ جب کہ مشکوٰۃ کے مولہ حوالہ میں اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح مشکوٰۃ میں اس
کے بعد صحیح مسلم کی بعد کی روایت حضرت انسؓ سے ہے، جب کہ صحیح مسلم میں یہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے۔ جیسا کہ
اوپر متن میں اس کی صراحت ہے۔ و نفس کی الحکم المفہر میں بھی یہ اشتباہ اسی طرح موجود ہے۔ اس کے
باوجود تعجب ہوتا ہے کہ لوگ اندکی طریقہ تحقیق کی اہمیت پر ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ اس کی روشنی میں
حضرات علماء کا مشکوٰۃ المصابیح پر انحصار مناسب نہیں۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب تحریم ایذاء الجار۔

(۳) صحیح مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، صحیح بخاری جلد ۴۔ کتاب الادب، باب من كان يومن بالله واليوم الآخر
فلا يؤذ جاره، باب الحث على اكرام الجار والضيف و لزوم الصمت الامن الخير و كون ذلك
كله من الایمان، سنن ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب حق الجوار۔ نیز: مسند احمد ۲/۶۷۷، ۳/۳۳۳۔

شجرکاری

ماحولیاتی آلودگی کو کم کرنے کا بڑا موثر ذریعہ شجرکاری ہے۔ درخت صنعتی فضلات، کل کارخانوں اور گاڑیوں اور سواریوں کے دھوئیں اور آلودگی کو جذب کرتے ہیں۔ ان سے یہ خود قوت حاصل کرتے ہیں اور انسانی آبادی کو فضائی آلودگی سے نجات دلاتے ہیں۔ دہلی جیسے دنیا کے آلودہ ترین شہروں میں جو لوگوں کو کسی قدر راحت حاصل ہے اور وہ جی لیتے ہیں اس میں ان درختوں کا بڑا دخل ہے۔ خوش قسمتی سے پچھلے وقتوں میں اس کی طرف توجہ ہو گئی تھی اور اس کا اہتمام کر لیا گیا تھا۔ ورنہ درختوں کو اچانک بڑا نہیں کیا جاسکتا جس سے کہ وقت کے وقت ان سے یہ فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ ماحولیات کے لیے شجرکاری کی افادیت دوسرے پہلو سے بھی ہے۔ سفیدہ (Ucliptus) جیسے دوسرے درخت بھی ہو سکتے ہیں جنہیں بڑی مقدار میں پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ شہری آبادی میں نالوں کے پانی اور ان کے فضلات کا مسئلہ ہے جو ماحولیاتی آلودگی کا خاص منبع ہیں۔ منصوبہ بند طریقے سے ان سے متصل سفیدہ جیسے پیڑوں کی شجرکاری کر دی جائے تو اس سے آکسیجن کی دولت بھی ملے جس سے اچھی صحت کی ضمانت حاصل ہو (۱) دوسرے ان نالوں کے پانی اور گندگی کو جذب کر کے وہ ماحول کو دوسرے طریقے سے صاف ستھرا بنانے میں معاون اور مددگار ہو۔ سو اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں اس شجرکاری کی بھی فضیلت ہے۔ اور اللہ کے آخری رسول ﷺ نے مختلف پہلوؤں سے اس کی طرف متوجہ کیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعاً فیاکل منه طیرا
و انسان او بهیمة الا کان له به صدقة۔ (۲)

”جو کوئی مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے یا کوئی کھیتی اگاتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ، انسان یا جانور کھاتا ہے تو یہ اس کے حق میں صدقہ اور خیرات ہوتا ہے۔“

(۱) خیال رہے کہ سفیدہ کا درخت رات میں بھی جب کہ دوسرے درخت کاربن ڈائی آکسائیڈ کی گندی ہوا خارج کرتے ہیں، یہ اس کے برعکس اپنے اندر سے آکسیجن نکالتا ہے۔ جس سے انسان کو زندگی ملتی ہے۔ اس خصوصیت میں اس کا تمثیل پتیل کا درخت ہے جو اس سے بڑھ کر رات میں آکسیجن نکالتا ہے۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب الحرث والمزارعة، باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منه۔ صحیح مسلم جلد ۳۔

کتاب البیوع، باب فضل الغرس والزرع۔

یہ حدیث مطلق ہے جس میں پہلے سے آباد اور غیر آباد دونوں طرح کی زمینیں شامل ہیں۔ مسند احمد کی دوسری روایت میں خاص طور پر مردہ زمین کا تذکرہ ہے کہ اس کو آباد کیا جائے اور افتادہ اور بے کام کی پڑی رہنے دینے کے بجائے اسے زراعت اور شجرکاری کے ذریعہ سرسبز و شاداب کیا جائے۔

من احیی ارضا میتة فله فیہا اجر وما اکلت العافیة منها

فہو لہ صدقۃ۔ (۱)

”جو کوئی کسی مردہ زمین کو آباد کرے تو یہ اس کے لیے باعث اجر ہے اور جو کوئی ضرورت مند (انسان یا جانور) اس سے کھائے تو یہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا۔“

یہاں تک فرمایا گیا کہ:

ان قامت علی احدکم القيامة و فی یدہ فسلۃ فلیغر سہا۔ (۲)

”تم میں سے کسی کو قیامت بالکل سامنے نظر آئے اور اس کے ہاتھ میں کوئی پودا ہو تو اس کو لگائے بغیر نہ رہے۔“

افسوس ہے کہ امت محمدیہ نے اپنے دین سے غفلت اور اس کے احکام پر عمل درآمد میں کوتاہی کر کے آخرت کے ساتھ اپنی دنیا کا بھی نقصان کیا۔ دوسری قوموں نے ان کی اچھی باتوں اور عمدہ تعلیمات کو اختیار کر کے اپنی مفید اور کارآمد پہچان بنالی اور اپنے کو دنیا کی امامت اور قیادت کے منصب پر فائز کر لیا۔ آج کے حالات میں انھی میں سے اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی اس شجرکاری مہم کو بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ جسے آج عمائدین کے دوروں میں خیر سگالی کی ایک علامت کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اس کے لیے مہم چلائی جاتی اور فضا ہموار کی جاتی ہے۔ اس پر آخری مہر اللہ کی آخری کتاب سے لگتی ہے جو زمین کو فصلوں اور درختوں سے آباد کرنے کے بجائے انھیں اجاڑنے اور تباہ کرنے کو فساد فی الارض سے تعبیر کرتی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے۔ بغاوت، سرکشی، غرور اور گناہ کے اس عمل کا انجام جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ جس سے بدتر کسی دوسری جائے قیام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ دیکھنے کی

(۱) مسند احمد: ۳/۳۷۷، ۳۸۸ وغیرہ۔

(۲) مسند احمد: ۳/۱۸۳، ۱۹۱۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

بات ہے قرآن نے فصلوں اور درختوں کی اس تباہی کو نسل کشی کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے جس سے اس کی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ درخت کو کاٹنا گویا کسی انسان کو جان سے مارنا ہے۔ شجر کاری اور زمین کی آباد کاری کے سلسلے میں شاید یہ آخری بات ہے جو کہی جاسکتی ہے:

وَ إِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ
وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۚ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ
أَخَذَهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۚ

(البقرہ: ۲۰۵-۲۰۶)

”اور (خدا بے زار کو) جب اقدار ملتا ہے تو وہ زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو وہ گناہ کے ساتھ اپنی انا کی گرفت میں چلا جاتا ہے، تو ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔“

قرآن اور اسلام کی تحریک اس کے بہ جانے زمین میں اصلاح کی تحریک ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا... (الاعراف: ۵۶) (۱)

”اور تم زمین میں اس کے پیچھے کہ اس کی اصلاح کا عمل شروع ہو چکا ہے، فساد نہ پھیلاؤ۔“

اس کے لازمی تقاضے کے طور پر وہ فصلوں اور درختوں کو اجاڑنے اور کاٹنے کے بہ جانے ان کی نگہداشت اور حفاظت اور ان کی تعداد کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کا اہتمام کرے گی۔ اس موقع پر ضمنتاً کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا اپنے مردوں کا تدفین کا طریقہ بالواسطہ شجر کاری کی اس مہم میں معاون ہے۔ جلانے کے بہ جانے ان کو زمین میں دفن کر کے ماحولیات کی دوسری بہت ساری خرابیوں کے علاوہ اس طریقہ میں لکڑی کی بچت کا بھی بہت سامان ہے جس سے بالواسطہ درختوں اور جنگلوں کے کاٹے جانے سے بچانے میں مدد ملتی ہے۔ اس کے بہ جانے ہندوؤں وغیرہ کا مردوں کو جلانے کا طریقہ لکڑی کی بڑی مقدار کی ضرورت سے درختوں اور جنگلوں کو کاٹنے کا سبب بنتا ہے۔ وطن عزیز میں جیسا کہ کتاب کے باب اول میں تفصیل گزری، درختوں اور

(۱) نیز: اعراف: ۸۵، دعوت شعیب کا ایک حصہ۔

جنگلوں کی کٹائی کا یہ ایک بڑا سبب ہے۔ اس کے باوجود افریقہ میں لکڑی کی عدم فراہمی سے اکثر و بیشتر غریب مردوں کو ادھ جلا چھوڑ دیا جاتا اور اکثر و بیشتر ان کو دریاؤں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ گنگا اور جمنا جیسی برادران وطن کی مقدس ندیوں کی ماحولیاتی زبوں حالی کا یہ ایک بڑا سبب ہے۔ جب کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے طریقہ تدفین کو اختیار کر کے اس برائی کا آسانی کے ساتھ خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ جلانے کے طریقے میں لکڑی اور گھی اور تیل کے نقصان کے ساتھ مردہ کے جلنے سے فضا میں جو بدبو اور چراندھ پھیلتی ہے۔ اس سے ماحولیات کی جو تباہی ہوتی ہے وہ اپنی جگہ زمین کے بار بار جلنے سے اس کی روئیدگی کی صلاحیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور ایسی زمین انجام کار بالکل اوسر اور بنجر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جلانے کے طریقے میں مردے کی بے حرمتی اور بے ستری وغیرہ کے دوسرے نقصانات اس کے علاوہ ہیں جو اہل نظر سے مخفی نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے طریقہ تدفین کی پیروی ان نقصانات سے بھی بڑی آسانی کے ساتھ بچا جاسکتا ہے۔ اس موقع پر ہم خاص طور پر اپنے کشادہ دل، کشادہ ذہن اور اداوار برادران وطن کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ امید ہے کہ وہ ہر طرح کے تعصب اور ذہنی تحفظ سے اوپر اٹھ کر ہماری اس پیش کش کا معقول جواب دیں گے۔ اور ہماری یہ درد بھری پکار صداً بصحرا ثابت نہ ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

اوزون پرت

آخری مسئلہ اوزون پرت کا رہ جاتا ہے۔ اور اسی عنوان پر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے۔ اوزون (Ozone) فضائے بسیط کا حد نظر کا آخری دیوار اور کثیف پردہ جو اپنے سے اوپر کی تاب کاری شعاعوں اور زمین اور اہل زمین کے لیے مضر اور نقصان دہ مادوں اور اجزاء کو نیچے اترنے سے روکنا اور ایک طرح سے ان کے لیے مزاحم (Barrier) کا کام دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صنعتی آلودگی، نوع بہ نوع کے بجلی کے سامان بالخصوص ایرکنڈیشن سے جو مادہ خارج ہوتا ہے وہ اس پرست کے لیے غیر معمولی طور پر نقصان دہ ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے جا بجا اس میں سوراخ ہونے لگے ہیں۔ اور اس سے دنیا اور انسانیت کو خطرہ درپیش ہے۔ اوزون پرت کے بارے میں اس سے ہٹ کر دوسری بات بھی کہی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ان آلات اور ان اسباب سے اگر

ایک طرف اوزون پرت میں سوراخ ہوتا اور شگاف پڑتا ہے تو دوسری طرف الہی نظام کے ماتحت یہ اپنے آپ بھرتا جاتا اور خود کار طریقے پر تلافی مافات کرتا جاتا ہے۔ اس مسئلہ کا تفصیلی سائنسی تجزیہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی ہماری گفتگو کے دائرے سے باہر ہے۔ البتہ اس کے اخلاقی اور انسانی پہلو کے حوالہ سے کہا جاسکتا ہے کہ دوسری رائے کے مطابق اگر یہ پرت ایک طرف سے بگڑ رہی ہے تو دوسری طرف اپنے آپ نہیں بھی رہی ہے تو اس صورت میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے لیے زیادہ مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اگر دوسری رائے درست ہو کہ ان آلات کے استعمال سے اس پرت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے جس سے زمین پر زندگی اور انسانیت کو سنگین خطرات لاحق ہو سکتے ہیں تو:

الضریر یزال۔ (۱)

”نقصان جس صورت میں بھی ہو اس کو دور کیا جائے گا۔“

اور اس سے ملحق دیگر اصولوں کے حوالہ سے اسلام کی نجات دہندہ اپنے دائرہ اقتدار میں ایسے تمام آلات پر بلاتا خیر اور یکلخت پابندی عائد کرے گی۔ اس لیے کہ ایر کنڈیشن اور دیگر ترقیاتی سہولیات کے بغیر آدمی زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن اوزون پرت کے تباہ ہونے سے انسانی آبادی کی بڑے پیمانے کی ہلاکت کا ظن غالب پیدا ہو جائے تو ان سہولیات کے مقابلے میں انسانی زندگی کی بقاء کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اور اس بڑے نقصان کے مقابلے آرام و آسائش کے چھوٹے نقصان کو گوارا کیا جائے گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے اس کا حوالہ بھی گزر چکا ہے۔

اسلام کی نجات دہندہ تحریک میں انسانی جان کا احترام سب سے اوپر ہے۔ اس سے جس چیز کا ٹکراؤ ہوگا اس کو راستے سے ہٹا دیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے موقع پر اگر لوگوں کو آدھا پیٹ کھانے پر مجبور کر سکتے ہیں^(۲)، تو انسانی جان کو خطرہ لاحق ہونے کی صورت میں آج کے دور میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کو لوگوں کے ترفہ اور تعیش میں کٹوتی کے معاملے میں کوئی تردد اور تحفظ نہیں ہوگا۔

(۱) الاشباہ والنظائر ۱۳۹-۱۴۱، مجملہ بالا۔

(۲) عام الرمادہ کے موقع پر آپؐ کا مشہور قول جس کا حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ زیر عنوان ’معاشی تحفظ‘۔

باب ششم

صالح حکمرانی

صالح حکمرانی کی دولت بھی معاصر دنیا کو اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی بہ دولت ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ حکومت و سیاست کے ادارے کو اسلام نے جو پاکیزگی عطا کی ہے، اس کی تفصیل اس سے پہلے آچکی ہے (۱) اس عنوان کے تحت اس کے نئے پہلو اجاگر کیے جاتے ہیں جو اس سے پہلے زیر بحث نہیں آسکے ہیں۔ اس گفتگو کی روشنی میں حکومت و سیاست کے سلسلے میں اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا نقطہ نظر مطابق حال ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

سیاست کی ترقی

معاصر دنیا کے حالات پر نظر ڈالنے والا اس حقیقت کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ زندگی کے دوسرے تمام دائروں میں پیش رفت اور ترقی کے ساتھ حکومت اور سیاست کے ادارے میں بھی آج کے دور میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ خاص طور پر سیاست میں عوامی جمہوریت کا رجحان، حکومت و اقتدار میں عوام کی موثر اور باوقار شرکت، وقفہ وقفہ سے حکومتوں کی تبدیلی اور خون خرابہ کے بغیر پر امن طریقے پر اقتدار کی منتقلی وغیرہ، سیاست حاضرہ کے ایسے مظاہر ہیں جو آدمی کو متاثر کرتے ہیں اور اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کراتے ہیں۔ معاصر دنیا میں اس سلسلے میں ہندستان اور امریکہ کی طرف نگاہیں خاص طور پر اٹھتی ہیں جو بڑے رقبے اور بڑی آبادی کے ساتھ عوامی جمہوریت کا کامیاب تجربہ پیش کر رہے ہیں۔ اس معاملے میں بعض پہلوؤں سے وطن عزیز ہندستان کا معاملہ امریکہ عظمیٰ سے بھی ممتاز ہے جو اپنی ایک ارب سے زائد آبادی کے بے مثال تنوع اور لسانی، تہذیبی، نسلی اور گروہی اختلافات کے باوجود عوامی جمہوریت کے راستے پر گامزن ہے اور وقت کے گزرنے کے ساتھ اس ادارہ میں اس کی پختگی گہری ہوتی جاتی ہے۔ امریکہ کے لفظوں میں 'قدیم یورپ' کے بڑے ممالک جرمنی، فرانس اور برطانیہ وغیرہ کا معاملہ بھی

(۱) اسی کتاب کا مضمون 'سیاست عادلہ' جو اس سے پہلے گر چکا ہے۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

اس خصوص میں امریکہ اور ہندوستان سے مختلف نہیں ہے۔ جن کے یہاں عوامی جمہوریت کی پختہ روایت قائم ہو چکی ہے اور اس کی ایک طویل تاریخ ان کے یہاں رقم ہو چکی ہے۔ یورپی یونین کے ذریعہ جس میں اب تک مغربی اور مشرقی یورپ کے پچیس ممالک شامل ہو چکے ہیں، اس کا دائرہ مزید وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ یورپین یونین میں مزید یورپی ملکوں کی شرکت اور شمولیت کا سلسلہ جاری ہے اور بہت جلد پورا یورپ اس کے دائرے میں سمٹا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی مشترکہ یورو تو بازار میں آ ہی چکی ہے جو مختلف سمتوں سے اب تک کے کرنسی کی دنیا کے سب سے بڑے دیو امریکی ڈالر کو آنکھیں دکھا رہی ہے۔ اس کے ساتھ ان تمام ممالک کا مشترکہ دستور زیر تجویز ہے۔ اور آثار صاف دکھائی دیتے ہیں کہ بہت جلد وہ دفاع، سفر، مواصلات اور خارجی پالیسی کو یکساں کر لیں گے۔ اور اس طرح ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے طرز پر ریاست ہائے متحدہ یورپ کا دوسرا سپر پاور عالمی منظر نامے پر ابھر آئے گا۔ ان کی بٹی ہوئی طاقت کی وجہ سے امریکہ عرصہ سے عالمی معاملات میں ان یورپی ملکوں کو نظر انداز کر رہا تھا۔ لیکن افغانستان اور خاص طور پر اس کے بعد عراق کے معاملہ ان ملکوں کو امریکہ کے ہاتھوں جس رسوائی اور تحقیر کا سامنا کرنا پڑا ہے اس نے امریکہ کے قدیم یورپ کی شاید آنکھیں کھول دی ہیں۔ اس کے ایک ملک برطانیہ نے یورپی یونین سے قدرے دوری بنا کر عراق کے معاملہ میں امریکہ کا دم چھلایا۔ ان کی اپنی عظمت رفتہ کی یاد تازہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ملک کے داخلی دباؤ نے شاید اس کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے لیے مجبور کر دیا ہے۔ اور درحقیقت وہ امریکہ سے قدرے فاصلہ بنا کر اپنے کوئی یورپی یونین سے قریب کرنا چاہتا ہے۔ بل کہ اس سے آگے وہ اس میں اپنا موثر کردار ادا کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنے بعض تحفظات سے اوپر اٹھ کر نئی یورپی یونین میں پوری طرح شامل ہونا چاہتا ہے۔ عوامی جمہوریت کی اس پرکشش دنیا سے دنیا کے بڑے ملکوں میں صرف روس اور چین دو ہیں۔

عالم اسلام کی پس ماندگی

تیسرا بدقسمت خطہ مسلمان ملکوں کا ہے جس کی پچاس سے زائد حکومتوں میں یا تو پامال بادشاہت ہے یا فوجی ڈکٹیٹر شپ۔ مصر اور لیبیا جیسے بعض ملکوں کے ساتھ عوامی جمہوریہ کے جو ٹائٹل لگے ہوئے ہیں وہ محض دکھاوے کے اور برائے نام ہیں اصلانہ عوامی جمہور یا کم فوجی عمل داریاں ہیں جہاں عوامی امنگوں اور عوامی رائے عامہ کا کوئی احترام نہیں ہے۔ ترکی اور پاکستان جیسے مسلمان ملکوں کا حال مصر اور لیبیا سے بہتر ضرور ہے اسی صف میں انڈونیشیا کو بھی

شامل کیا جاسکتا ہے، لیکن ہندستان امریکہ اور یورپ کی معروف جمہوریتوں سے یہ بھی بہت پیچھے ہیں۔ ان تینوں مسلمان ملکوں میں سب سے بہتر حال پڑوسی ملک پاکستان کا ہے۔ لیکن شاید یہ طاقت ور ہندستانی جمہوریت کا عکس ہے جس کے طفیل میں بڑی حد تک ملکی عوام کو آزادی رائے اور بنیادی حقوق کی ضمانت حاصل ہے۔ پورے عالم اسلام میں صرف بلیشیا اور ایران ہیں جن کے معاملے میں اس سلسلے میں قدرے اطمینان کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ صرف عمل کی کوتاہی ہے۔ ورنہ عوامی حکومت یا حکومت و اقتدار میں عوام کی باوقار شرکت درحقیقت اللہ کے آخری دین 'اسلام' کی خصوصیات سے ہے۔ یہ قرآن کے عطا کردہ تصور شورا ایت لازمی تقاضا ہے جو اسلامی اجتماعیت کی اصل و اساس ہے۔ جس کا مظاہرہ وہ گھر کی اکائی سے لے کر حکومت کے ایوان تک دیکھنا چاہتا ہے۔ البتہ یہ معاملہ اصول کی حد تک ہی ہے۔ عملی طور پر معاصر عالم اسلام کو اس معاملے میں اپنی کوتاہی اور پس ماندگی کا کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیے۔ اور اسلام کی مطلوبہ شورا ایت کے مطابق جلد سے جلد اپنی تنظیم نو کا عزم کرنا چاہیے۔ عوام اور خواص کو ہر ایک کو اس کار عظیم میں اپنی بساط کے مطابق اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

طرز حکومت سے زیادہ روح حکمرانی کی اہمیت

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طرز حکومت سے زیادہ روح حکمرانی کی اہمیت ہے۔ معاصر دنیا کے تازہ منظر نامے پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت مزید روشن اور مبرہن ہوتی ہے۔ طرز حکومت کی ترقی میں یورپ، امریکہ اور ہندستان کا ذکر اوپر آیا ہے۔ آخری محمدی شریعت اس کے اس پہلو کی دل سے قدر داں ہے جس میں عامۃ الناس کی باوقار شرکت سے اس کے جمہوریت اور شورا ایت کے ابدی اصولوں کی توسیع ہوتی ہے۔ اسلام کو مغربی طرز جمہوریت سے اختلاف صرف اس وجہ سے ہے کہ اس میں عوام کو اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) اور حکومت اور قانون سازی کا مطلق اختیار دے دیا گیا ہے۔ اسلام کو اس سے جوہری اختلاف ہے۔ اس کے نزدیک اس زمین پر انسان کا حکومت و اقتدار کا اختیار مطلق نہیں بل کہ تفویض کردہ ہے۔ ایک اللہ کی پرستش اور بندگی کے ساتھ وہ اپنی پوری زندگی میں احکام الہی کا پابند ہے۔ اور فرد سے لے کر ریاست زندگی کے ہر قدم پر اس کے لیے اس کی پیروی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں جو احکام و ہدایات قرآن و سنت میں صاف اور صریح طور پر بیان کر دی گئی ہیں ان کی اسی طرف لفظ

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

بہ لفظ پابندی لازمی ہے۔ ان کے منشا و مراد کی تعیین اور غیر منصوص دائرے میں ان کی توسیع امت کے علماء اور فقہاء کے سپرد ہے جو عہد نبوت سے لے کر آج تک اس کام کو مثالی انداز سے انجام دیتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک اس کا سلسلہ اسی طرح دراز رہے گا۔ اس قانون سازی ایک دائرہ وہ ہے جو اصطلاح میں استحسان اور مصالح مرسلہ کے دائرے میں آتا ہے۔ اس میں بڑی وسعت ہے۔ اور اس میں امت اپنے داخلی اجتہاد کے ساتھ اس سلسلے کی امت کی باہر کی کوششوں کو بھی اسی طرح اس کے دائرے میں شامل کر سکتی ہے بشرطے کہ اس کا شریعت کے کسی اصول اور کسی حکم سے ٹکراؤ نہ ہوتا ہو۔ اس لحاظ سے ماضی قریب کے قریب تین سو سال کے عرصے میں جمہوریت، حکومت و سیاست اور نظام ملکی کے تفصیلی ڈھانچے کی تشکیل میں امت کے باہر کی سیکولر دنیا کی طرف سے جو محنت، ترقی اور توسیع ہوئی ہے وہ بہ حیثیت مجموعی آخری محمدی شریعت کا حصہ ہے۔ اور جس سے اخذ و استفادے میں اس کو کسی طرح کا تحفظ اور تردید نہیں ہے۔ لیکن بہتر حکومت اور عامۃ الناس کی حقیقی راحت و رسانی کے مقصد سے صرف قانون سازی کی یہ ترقی اور توسیع کافی نہیں ہے۔ معاصر دنیا کے منظر نامے پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت دن کے اجالے کی طرح صاف ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں پہلے امریکہ اور یورپ کے ممالک پر نظر ڈالتے ہیں، بعد میں وطن عزیز ہندستان کا جائزہ لیں گے۔

امریکہ اور یورپ کے ممالک

آج سے قریب پانچ سو سال پہلے امریکہ کی اصطلاح میں آج کے قدیم یورپ نے مسلمانوں سے سائنس کے ساتھ سماجیات و سیاسیات کا درس لے کر دنیا پر حکومت کرنے کا ہنر سیکھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنی ترقی کو مستحکم کر لینے کے بعد اس نے اس کے نسخے کو سب سے پہلے اپنے استاد کے خلاف ہی آزمایا۔ اس کے بعد کا زمانہ عالم اسلام کا استعمار (Colonialism) کا زمانہ ہے۔ جس میں معاصر دنیا کے دیگر اور ملکوں اور علاقوں کے ساتھ پورا عالم اسلام جبرمنی، فرانس، اٹلی اور برطانیہ کی نوآبادیوں 'مستعمرات' (Colonies) میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس کا سلسلہ قریب دو سو سال تک دراز رہا۔ ان استعماری ملکوں میں سرفہرست اس وقت کا برطانیہ عظمیٰ

(۱) عام طور پر سائنس میں یورپ کے مسلمانوں سے استفادے کا ذکر بہت ہوتا ہے۔ اور اس موضوع پر مضامین اور کتابوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ لیکن خاص طور پر سیاسیات اور سماجیات میں ان سے اس استفادے کا ذکر بہت کم آتا ہے۔ یہ ایک نیا موضوع ہے جو گہرے اور مبسوط ریسرچ اور تحقیق کا طالب ہے۔

(Great Britain) رہا جس کے سلسلے میں یہ محاورہ زباں زد عوام و خواص تھا کہ اس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ فرانس سے الجزائر پر اپنا ایسا تسلط جمایا کہ اس غالب مسلمان اکثریتی ملک کی زبان اور تہذیب کو اس نے بالکل تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۰ کے دہے میں اس کے بچہ استبداد سے رہائی میں اس کے دس لاکھ جیالوں کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ اس کا پڑوسی لیبیا اٹلی کی چیرہ دستیوں کا اسیر رہا۔ مصر پر فرانس اور برطانیہ دونوں کا تسلط رہا۔ اسی طرح بلقان کی ریاستوں سے لے کر پورا عالم عرب اور عالم اسلام جس میں مشرق وسطیٰ کے ملکوں کے ساتھ افریقہ کے ممالک بھی اسی طرح شامل ہیں اوپر کی یورپ معروف جمہوریتوں فرانس، جرمنی، اٹلی اور برطانیہ کے بچہ استبداد تلے کراہتے اور سسکتے رہے۔ اس فہرست میں بلاشبہ اٹلی اور جرمنی، ملکر اور مسولینی کے عہد میں فاشزم کا گہوارہ رہے، لیکن اس سے پہلے جب کہ ان کی یہ شناخت نہیں رہی ان کی استعماری چیرہ دستیوں دوسروں سے کم نہ تھیں۔ اسی فہرست میں انڈونیشیا پر ایلینڈ اور ملیشیا پر برطانیہ کا تسلط رہا جب کہ ایک مختصر عرصے کے لیے ان دونوں پر جرمنی کے قوم پرست حلیف جاپان نے مظالم کے پہاڑ توڑ رہے تھے غیر منقسم ہندوستان پر برطانیہ عظمیٰ کا دو سالہ استعماری تسلط تاریخ کا ایک الگ مستقل باب ہے۔ وطن عزیز کی مناسبت سے اس بحث میں اس کا قدرے تفصیل سے ذکر ضروری ہے۔

۱۷۸۹ کے فرانس کے انقلاب کے بعد یورپ کے یہ ترقی یافتہ ممالک اپنے عوام کے تئیں تو جمہوریت اور ان کے انسانی حقوق کے معاملے میں غیر معمولی طور پر حساس رہے۔ لیکن اپنے اپنے ملکوں سے باہر اپنی مستعمرات اور نوآبادیوں میں وہاں کی آبادیوں کے معاملے میں ان کو یہ حقوق بالکل یا نہیں رہے۔ چنانچہ بلا استثناء ہر جگہ اپنے زیر تسلط عوام کو ناقابل بیان

(۱) جنگ عظیم دوم کے زمانہ میں ملیشیا پر جاپان کے تسلط کے اسی عرصہ کے درمیان والد مرحوم جاپانی سپاہی رفوجی کی گولی کا شکار ہوئے۔ لیکن اللہ نے زندگی رکھی تھی وہ شفا یاب ہوئے اور وطن واپس آکر چودہ سال حیات رہ کر ۱۹۶۳ میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ و اعلیٰ اللہ درجہ فی الجنة۔ اس جاپانی سپاہی رفوجی نے صرف شرارت میں والد مرحوم سے ایک لمبے درخت پر چڑھنے کا مطالبہ کیا۔ ان کی طرف سے اس کی بات نہ مانے جانے پر کچھ دور جانے کے بعد اس نے ان کو گولی کا نشانہ بنادیا۔ گولی گردن کے پاس سے ہنٹلی کی ہڈی کو توڑتے ہوئے باہر نکل گئی۔ اور والد مرحوم اس وقت بچ گئے۔ ملک پر جاپانی تسلط کے نتیجے میں برطانوی کرنسی کے رد ہو جانے سے والد مرحوم کا غیر معمولی خسارہ بھی ہوا تھا۔ لیکن ایمان مضبوط تھا۔ اور اس سے وہ متاثر نہیں ہوئے۔ اس واقعہ سے اپنی نوآبادیوں پر استعمار یوں کے مظالم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

مشکلات و مصائب میں گرفتار رکھا۔ جس کی تفصیل کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں جب کہ ان مظالم و مصائب کا ایک حصہ وہ ہے جو نہ اس وقت رکارڈ میں آیا اور نہ آج کسی ذریعہ سے اس کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ ان مظالم کے ساتھ اپنی اپنی نوآبادیوں میں ان کے معاشی وسائل کا ان ملکوں نے جس طرح استحصال کیا اور ایک طرح سے ان کو بالکل چوس کر رکھ دیا وہ گفتگو کا الگ موضوع ہے جس کی طرف اس وقت صرف اشارہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان ترقی یافتہ ملکوں کی اپنی نوآبادیوں میں آمد سے ان کی کچھ ترقی بھی ہوئی۔ سائنس کی تعلیم کو فروغ مثلاً۔ ملک کے بنیادی ڈھانچے (Infrastructure) کو ترقی نصیب ہوئی۔ لیکن ان آبادکاروں نے اپنی نوآبادیوں سے اس کی جو قیمت وصول کی وہ اس فروغ اور ترقی کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ متعلق ملکوں میں حکومت و سیاست کا انھوں نے جو فساد برپا کیا وہ اس کے علاوہ خود گفتگو اور تحقیق کا مستقل موضوع ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے صرف غیر منقسم ہندوستان کے جائزے سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔ ترقی یافتہ یورپ کے ان ممالک کی دوسری نوآبادیوں کے معاملات کو اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

غیر منقسم ہندوستان پر برطانیہ کا دو سو سالہ تسلط

غیر منقسم ہندوستان پر برطانیہ کے دو سو سالہ تسلط کی داستان بہت طویل ہے۔ اس موقع پر اس کی صرف ایک جھلک ہی پیش کی جاسکتی ہے۔ اور پیش نظر مقصد سے یہ کفایت کرتی ہے۔ دنیا کے دوسرے استعماری ملکوں کی طرح برطانیہ بھی اس برصغیر میں اس دعوے کے ساتھ آیا تھا کہ وہ اس ملک کو تہذیب کے آداب سکھائے گا، اس کی صنعت و حرفت کو ترقی دے گا اور سائنس اور ٹکنالوجی کی اپنی ترقی سے اس برصغیر کو بھی مالا مال کرے گا۔ انسانوں کی طرح قوموں، تہذیبوں اور حکومتوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں مغلیہ سلطنت کی یہ عمر پوری ہو گئی اور اس ملک کو دینے کے لیے اس کے پاس بہت زیادہ نہیں رہ گیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی سنت کے مطابق اس کی بساط لپیٹ دی گئی۔ اور انگریز کے حق میں اس ملک پر حکمرانی کا فیصلہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے اس ملک کو بہت کچھ دیا۔ اس ملک پر انگریزوں کا باقاعدہ تسلط تو ۱۸۵۷ء میں زمانہ ہوا جس کو تاریخ میں 'مُتَنَر' (Mutiny) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ برصغیر ہند پر انگریزوں کا عملی تسلط ۱۷۵۷ء کی پلاسی کی جنگ کے بعد سے ہی ہو گیا تھا۔

۱۸۵۷ء میں اس تسلط پر ضابطہ کی مہر لگ گئی اور حکومت شاہ از دہلی تا پالم کا بھی خاتمہ ہو کر برطانیہ کا تخت شاہی برصغیر ہند کا تنہا مالک و مختار ہو گیا۔ اس دو سو سال کی مدت نے انگریزوں نے اس ملک کے بنیادی ڈھانچے میں دور رس تبدیلیاں کیں۔ اس کو اس کے طرز کھن سے نکال کر آئین نو سے آشنا کیا۔ زمین کا بندوبست ہو یا پولیس اور عدلیہ کا نظام ہر جگہ انھوں نے جوہری تبدیلی کی۔ صنعت و حرفت کی بھی جدید کاری ہوئی اور ملکی دفاع کو نئے دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا گیا۔ ڈاک خانہ اور ریلوے برطانوی استعمار کی اولین ترجیحات میں سے تھا۔ یہ اس کی ضرورت بھی تھی۔ اس لیے کہ اپنی محدود افرادی قوت کے ساتھ وہ اس وسیع و عریض ملک پر تیز رفتار ڈاک سسٹم اور ایسی ہی سواری کے بغیر حکومت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود ان دونوں چیزوں ریلوے اور ڈاک خانے کو اس ملک پر برطانوی استعمار کا سب سے بڑا تھقہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس وقت ابلاغ (Communication) میں ملک کی حیرت انگیز ترقی سے ڈاک خانے کی تجدید کاری ہو رہی ہے لیکن اس کا بنیادی ڈھانچہ انگریز کا ہی فراہم کردہ ہے۔ اسی طرح ٹکنالوجی کی ترقی سے ہندوستانی ریلوے میں بھی غیر معمولی ترقی ہوئی ہے۔ کونسل کی جگہ اب تیز رفتار ڈیزل اور بجلی سے چلنے والی ٹرینیں ہیں۔ لیکن اسٹیشن اور پٹریاں بڑی حد تک ابھی تک انگریزوں کی ہی بنوائی کام دے رہی ہیں۔ یہاں تک کہ ٹکنالوجی کی ترقی سے ملک میں اس وقت ریلوے کے وہ انجن تیار ہونے لگے ہیں جو اس کو آسانی کے ساتھ دو سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلا سکتے ہیں۔ لیکن انڈین ریلوے کے پاس اس کے مطابق نئی پٹریاں نہیں ہیں جن پر ان انجنوں کو دوڑایا جاسکے۔ چون کہ بیشتر پٹریاں وہی انگریزوں کی بچھائی ہوئی پرانی ہیں ضرورت کے مطابق ان میں جزوی ترمیم اور ترقی ہی کی گئی ہے، اس لیے ان کی صلاحیت کے لحاظ سے ٹرینوں کی رفتار کو ایک خاص حد کے اندر باندھ کر رکھا گیا ہے۔ انگریزی دور استعمار کے یہ دو نمایاں عطیات ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی طرف سے کی جانے والی دیگر ترقیات و اصلاحات کے سلسلے میں مزید بھی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس دینے کے بدلے میں برطانیہ نے اس ملک سے لیا بھی بہت کچھ ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ نفع و نقصان کے اس میزانیہ میں نفع کے مقابلے نقصان بھی کم نہیں ہوا ہے اور دینے کے مقابلے میں لینے کا اوسط بھی غیر معمولی رہا ہے۔ سرفہرست اس عرصہ میں ہندوستان کے باشندوں پر برطانوی اقتدار کے مظالم ہیں۔

ہندوستان کے باشندوں پر برطانوی اقتدار کے مظالم

۱۷۵۷ء سے جب سے غیر منقسم ہندوستان پر انگریزوں کا غلبہ ہوا ہندوستان کے باشندوں کی طرف سے ان کو ملک سے نکالنے اور ان کو اقتدار سے بے دخل کرنے کی تحریک بھی اسی وقت سے شروع ہو گئی۔ تاریخ کی یہ ایک حقیقت ہے کہ اس آزادی کی تحریک میں ملک میں اپنی آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کی حصہ داری غیر معمولی طور پر بڑھی رہی۔ خاص طور پر اس کے ابتدائی سو سالوں میں یہ تحریک تمام تر ان کی جدوجہد اور قربانیوں سے چلتی رہی۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ بعد کے مرحلے میں ہندو برادران وطن کی بھی اس میں سرگرم شرکت ہوئی، لیکن قائدانہ کردار اور قربانیوں کا اوسط اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کا زیادہ رہا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب کہ دہلی کے برائے نام مغلیہ سلطنت کے خاتمے سے پورے ملک پر انگریزوں پر مکمل غلبہ ہو گیا، آزادی کی اس تحریک کی شدت اور وسعت میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر اور اس سے متصل عرصہ میں انگریزوں نے چوں کہ اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا اور ان کے اصل حریف یہی مسلمان تھے اس کے نتیجے میں قابض انگریزوں کی طرف سے مظالم کے پہاڑ بھی اٹھی پروٹوڑے گئے اور انگریزوں کے خلاف لڑائی میں بھی پیش پیش رہے۔ چنانچہ معروف روایت کے مطابق غدر کے وقت صرف دہلی میں علماء کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ (۱) اور اس سے متصل عرصہ میں پورے ملک میں قریب لوگ انگریزوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ (۲) اور ملک کے چپے کی گواہی ہے کہ اس قربانی میں مسلمانوں کا حصہ دوسروں کے مقابلے میں بہت بڑھا رہا۔ ایک اندازہ کے مطابق آزادی کی اس پوری دوسو سالہ جنگ میں لوگ کام آئے۔ (۳) جن کی بڑی تعداد مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ انگریزوں کا یہ ظلم ہندوستانی عوام پر بہ راہ راست تھا۔ ان کے اوپر ان کا دوسرا ظلم بالواسطہ تھا جو بعض پہلوؤں سے اس سے زیادہ وحشت ناک اور کرب انگیز تھا۔

ہندوستانی عوام پر انگریزوں کے بالواسطہ مظالم

ہندوستانیوں پر انگریزوں کا یہ بالواسطہ ظلم ملک کے نظام میں نظام جاگیر داری اور زمین داری کی سرپرستی اور اس کے فروغ سے وابستہ تھا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، انگریزوں کے پاس اتنی نفری قوت نہیں تھی کہ وہ اس وسیع و عریض ملک پر بہ راہ راست حکومت کر سکتے اور اس کے لیے اس کے چپے چپے پر ان کے کارندے موجود ہوتے۔ اپنی اس مجبوری کا حل انھوں نے یہ نکالا کہ ہندو اور

مسلمان جو کہ مغلیہ سلطنت کی کم زوری سے ۱۸۵۷ء سے پہلے سے ہی خود مختار ہو چکی تھیں، انگریزوں نے ان کے اس اقتدار کو اور مستحکم کیا اور اس کی جڑوں کو مضبوط سے مضبوط تر ہونے دیا۔ ریاستوں کے اندر ذیلی ریاستوں اور جاگیرداروں کا سلسلہ قائم ہوا۔ جو اس سے آگے مرحلے میں چھوٹی چھوٹی زمین داروں تک دراز ہو گیا۔ اس ظالمانہ نظام کے تحت جس کی دوسری نظیر معروف انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، ماتحت عوام کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا گیا۔ نواب، جاگیردار زمین دار کے سامنے نہ ان کی کوئی عزت و وقار، نہ ان کے حقوق کا کوئی تصور۔ ان کے نہ سامنے نہ ان کی جان محفوظ نہ ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کی کوئی ضمانت۔ نہ یہ ان کی برابری میں بیٹھنے کے قابل، نہ ان سے آنکھ ملا کر ان سے بات کرنے کی ان میں ہمت۔ یہ ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر ناچیں تب تو ان کی خیر و نہ جہاں ان کی طرف سے اپنے کسی حق کا اظہار ہوا اور اپنی حیثیت کو منوانے کی کوشش کی گئی ان کی جان کی امان ملنی مشکل۔ یہاں تک کہ دین دار نوابوں کی عمل درآمد، میں بھی عوام مسلمان ہوں کہ ہندو اپنا پختہ مکان تک بنانے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے، اور اگر چوری چھپے ان کی طرف سے مکان میں ہزار دو ہزار اینٹ لگا بھی لی گئی تو خبر پہنچنے پر بڑے دربار کے کارندوں کے ذریعہ یہ اینٹیں اکھڑ والی جاتی تھیں۔ (۱) تفصیل میں مزید کیا عرض کیا جائے۔ اس اجمال کی روشنی میں تفصیلات کا اندازہ اپنے آپ لگایا جاسکتا ہے۔

معاشی استحصال

بسا اوقات معاش کی مار آدمی کے لیے جسمانی مار سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ انگریزوں کے ذریعہ ہندوستانی عوام پر بالواسطہ مظالم میں ان کے معاشی استحصال کی مصیبت بھی غیر معمولی تھی۔ اس کے لیے بھی انھوں نے اسی نامبارک نظام جاگیرداری و زمین داری کو آلہ کار بنا رکھا تھا۔ انگریز کو اس ملک سے صرف اپنے محصول (Revenue) سے دل چسپی تھی جس کے لیے وہ درجہ بہ درجہ نظام جاگیرداری و زمین داری کی سرپرستی کرتے تھے۔ چنانچہ ہر بڑے نواب، جاگیردار اور زمین دار کو کھلی چھوٹ تھی کہ وہ ماتحت رعایا پر اپنی مرضی کے مطابق ٹیکس اور لگان کا بوجھ لادے۔ دربار اور چھاؤنی سے اس سلسلے میں جو پروانہ آگیا وہ پتھر کی لکیر تھا جس میں کسی تبدیلی اور ترمیم کا سوال نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اب یا تو غریب کسان کو وہ محصول اور لگان دینی ہے ورنہ زمین دار کے کارندے اس کو مار مار کر ادھوا کر دیں گے (۱) یہاں تک عوام اپنی مرضی

(۱) ہندوستان کی ماضی قریب کی تاریخ کے یہ معروف حقائق ہیں۔ جو اہر لال نہرو کی کتاب 'ملاش ہند' (Discovery of India) کی بنیاد پر تیار کردہ معروف ٹی وی سیریل بھارت۔ ایک کھوج میں بھی اس کے مناظر جا بجا دیکھے جاسکتے ہیں۔

سے اپنے کھیت میں کاشت تک نہیں کر سکتے تھے۔ تاج برطانیہ کو ہندستان کی سروٹی اور پٹن کے ساتھ مائجسٹر کی رونق بڑھانے کے لیے بڑی مقدار میں نیل کی ضرورت تھی تو غریب کسان کا دل چاہے نہ چاہے اس کو اس کی کاشت کرنی ہی پڑتی تھی۔ چاہے اس کے نتیجے میں اس کا کھیت بخر ہو جائے اور اس کے بچے بھوک سے ہلکنے کے لیے مجبور ہو جائیں۔ اس سلسلے میں ذرا سی حکم عدولی زمین دار کے لٹھیٹوں کے ذریعہ، جن کی فوج کی فوج ان کے یہاں اسی مقصد سے پالی جاتی تھی، ان کے ہوش ٹھکانے کر دیے جاتے تھے^(۱) اس عرصہ میں اس ملک کے معدنی ذخائر کو جو انھوں نے لوٹا وہ گفتگو کا الگ موضوع ہے۔ بنگلور کی سونے کی کان انھوں نے بالکل خالی کر دی۔ ایک اندازے کے مطابق وہ اپنے دور اقتدار میں اس سے ٹن سونا نکال کر لے گئے۔ چٹا چڑ آزادی کے بعد سے اس کان سے اب تک کل سونا ہی نکالا جاسکا ہے۔ (۲) تحت طاؤس اور کوہ نور جیسے نوادرات کو تو وہ اٹھا کر لے ہی گئے، تاریخی عمارتوں میں سونے چاندی کے جو کام تھے وہ بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہیں رہے۔ قدیم اثاثے، مخطوطات اور قیمتی کتابوں کے ذخیرے وہ الگ اپنے ساتھ لے گئے۔ جس پر شاعر مشرق علامہ اقبال کا ماتم معروف ہے^(۲) آج کی عالمی جمہوریت میں متعلق ملکوں کو یورپ سے ان کی نوادرات کی واپسی کا پرزور مطالبہ ہونا چاہیے۔ یہاں کی تجارت اور صنعت کو جو انھوں نے نقصان پہنچایا وہ ایک الگ موضوع ہے۔ انگریز کی آمد سے پہلے ہندستان زراعت کے ساتھ صنعت و حرفت کا بھی ایسا ہی مرکز تھا۔ لیکن منصوبہ بند طریقے پر اس کی صنعتوں کو زوال آشنا کیا گیا۔ اور ان کی راکھ پر اپنے یہاں کے بازاروں کو پر رونق بنایا گیا^(۳)

کہنے کو تو انگریز اس ملک کو ترقی کے بام اوج پر اٹھانے کے دعوے کے ساتھ اس میں

(۱) مذکورہ سیریل میں راقم سطور نے خود اس کے انتہائی دل دوز مناظر دیکھے ہیں۔ اپنے ہی ملک کے ایک طبقہ کے ذریعہ اس کے دوسرے طبقے پر اس طرح کے ظلم اور بربریت کی مثال شاید ہی کہیں اور دیکھنے کو مل سکے۔

(۲) مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی۔ جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے ہی پارا کلیات اقبال ۱۸۰۔
نظم بعنوان: خطاب بحوانان اسلام (صدی ایڈیشن) ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۸۷۔

(۳) اس کے ایک جائزے کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب 'ہندستان کا صنعتی زوال اور اس کے اسباب' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ نیز مولانا کے بڑے بھائی: ابوالخیر مودودیؒ کا مضمون: 'ہندستان کی معاشی حالت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر' مطبوعہ المعارف لاہور جنوری۔ مارچ ۱۹۹۸ نیز: اپریل۔ جون ۱۹۹۸ یہ مضمون اس سے پہلے ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ کے جولائی، اگست ۱۹۷۷ کے دو شماروں میں شائع ہوا تھا۔ یہیں سے لے کر اس کو المعارف لاہور کے دونوں شماروں میں شائع کیا گیا ہے۔

آئے تھے۔ لیکن عملاً اس سلسلے میں انھوں نے کچھ نہیں کیا۔ اور جو کچھ کیا اصلاً اپنے فائدے اور اپنی غرض کے لیے کیا۔ اپنی سائنسی ترقی کے باعث وہ اس ملک کی زراعت کی تجدید کاری بڑی آسانی کے ساتھ کر سکتے تھے۔ ہندوستان میں جو انقلاب سبز آج آزادی کے بعد رونما ہوا ہے وہ آج سے سو سال پہلے رونما ہو سکتا تھا۔ لیکن ملک کے اس کلیدی شعبہ کو انھوں نے اپنی روایتی پس ماندگی سے ایک انچ آگے نہیں بڑھایا۔ شہروں میں بھی انھوں نے صرف ممبئی، کلکتہ اور مدراس پر توجہ کی جو ہمارے بیدار مغز شہری ترقی کے وزیر کے لفظوں میں اس ملک کے وسائل کو باہر نکالنے کے مراکز تھے۔ جن شہروں سے ان کی یہ دل چسپی نہیں تھی اس کو انھوں نے ہاتھ تک نہیں لگایا (۱) بنارس اور پٹنہ جیسے شہروں کو وہ کیا خاطر میں لاتے، دہلی جو سمندر سے متصل نہ تھا اس کی ترقی سے بھی ان کی دل چسپی بس اپنی ضرورت کی حد تک تھی۔ اس مقصد سے چوں کہ لاہور بھی بے مصرف تھا اس لیے یہ بھی ان کی ترجیحات میں کسی شمار میں نہ تھا۔ بل کہ ایک صاحب نظر کے یہ قول پنجاب سے انگریزوں کی دل چسپی صرف دو چیزوں کے لیے تھی۔ غلہ اور فوج۔ ان دونوں کا تو انھوں نے اس سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ اس سے آگے بڑھ کر سر زمین پنجاب کے سب سے بڑے ثقافتی مرکز لاہور کے لیے ان کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں تھا (۲) یہ حال اس وقت کے برطانیہ عظمیٰ (Great Britain) کا تھا۔ اب ذرا جدید یورپ کے نمائندے اس وقت کے عظیم امریکہ (America the Great) کے کارناموں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

امریکہ کے کارنامے

۱۷۷۶ء میں برطانیہ سے آزادی کے بعد جنگ عظیم دوم ۱۹۴۱ء تک قریب پونے دو سو سال تک اس وقت کے یک قطبی دنیا کے واحد سپر پاور امریکہ نے اپنے پیش رو برطانیہ عظمیٰ کی طرح جس نے ۱۹۰۲ء تک عالمی سیاست سے شان دار علحدگی (Splendid Isolation) کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ جنگ عظیم دوم تک امریکہ نے بھی اسی طرح عالمی سیاست سے علحدگی کی پالیسی اختیار کی۔ اور عالمی سیاست سے اپنے کو تقریباً بالکل الگ تھلگ رکھا۔ اس پورے عرصے

(۱) سابق قومی جمہوری اتحاد (N.D.A) کے مرکزی وزیر شہری ترقی جناب جگ موہن اس موضوع پر اپنے مضامین میں اس نکتے کو بڑی قابلیت سے پیش کیا ہے جو قابل توجہ ہے۔ ایک حوالہ کے لیے موصوف کا مضمون:

(۲) پڑوسی ملک کے ممتاز ادیب، دانش ور اور ناشر نقوش لاہور کے مدیر جناب جاوید طفیل صاحب کے تاثرات۔

میں سوائے ایک 'فلپائن' کے جس پر ہسپانویوں اور ولندیزیوں کے تین سو سالہ اقتدار کے بعد انیسویں صدی کے آخر میں اس کو اپنا تسلط قائم کرنے کا موقع ملا، اس کے کوئی دوسرے استعماری عزائم سامنے نہیں آئے۔ اور کسی دوسرے ملک پر اس نے قبضہ جمانے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن اس سے ہٹ کر دنیا کے مختلف آزاد ملکوں کے معاملات میں جاوید مداخلت اور ان کے یہاں انسانی حقوق کی پامالی کی اس کی ایک طویل تاریخ ہے جس میں جنگ عظیم دوم کے بعد بیسویں صدی کے نصف آخر سے مزید تیزی اور شدت آ گئی۔ (۲) اس سلسلے میں لاؤس اور کمبوڈیا کے علاوہ ۱۹۶۰ کے دہے میں ویتنام میں اس کی مداخلت کو اس کا نقطہ عروج کیا جاسکتا ہے۔ جس میں ۱۹۶۴ سے لے کر ۱۹۷۵ تک کی بارہ سالہ خانہ جنگی اور مزاحمت میں عظیم امریکہ کے اٹھاون ہزار فوجی مارے گئے (۲) مزید جانوں کے نقصان کی تاب نہ لا کر اس کو وہاں سے راتوں رات فرار ہونے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ بعد کے زمانہ میں ایشیاء اور افریقہ کے دوسرے ملکوں میں ٹانگ اڑانے کے علاوہ اس کے سب سے بڑا کارنامہ سوویت کا خاتمہ اور اس کا زوال ہے، جس کو سازشوں کے جال میں گھیر کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے لیے اس نے مجبور کر دیا۔ دنیا کے اس دوسرے بڑے سپر پاور کے عالمی سیاست کے منظر نامے سے غائب ہو جانے کے بعد اب یک قطبی دنیا کا یہ واحد سپر پاور مخالفت اور مزاحمت کے کسی اندیشے کے بغیر پوری دنیا پر دندناتا رہا ہے۔ امریکہ کا یہ نیا چہرہ جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے وقت ہی سامنے آ گیا تھا جب کہ جرمنی اور جاپان کی شکست کے بعد جرمنی کو تقسیم کرتے ہوئے ان دونوں ملکوں میں اپنا فوجی پڑاؤ ڈال دیا۔ اسی تسلسل میں اس نے کوریا کو بھی اپنا نشانہ بنایا اور مشرقی اور مغربی جرمنی کی طرح اس ملک کو بھی شمالی اور جنوبی کوریا میں تقسیم کرتے ہوئے جنوبی کوریا کو اپنی فوجی چھاونی میں تبدیل کر لیا۔ دیوار برلن کے گر جانے اور دونوں جرمنوں کے متحد ہو جانے کے باوجود وہ اس ملک سے ابھی تک اپنی فوجوں کو

(۱) شیخ نذیر حسین و دیگر: اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ لاہور: ۱۵/۳۶۲-۳۶۳، دانش گاہ پنجاب، طبع اول ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء۔

(۲) اس جنگ میں بیس لاکھ ویتنامی بھی ہلاک ہوئے۔ اردو روزنامہ راشٹر سہارا دہلی ۱۷ اپریل ۲۰۰۳ء۔ جائزہ بعنوان: امریکہ کے سیاسی منظر نامے پر ویتنام کا بھوت سوار، عراق میں فوج کی ہلاکتوں سے عوام ناراض۔ مزید ملاحظہ ہو سہارا دہلی ۲۲ مئی ۲۰۰۴ء خبر زیر عنوان: ویتنام جیسی تاریخ عراق میں دہرائی گئی تو تباہ کن نتائج ہوں گے۔ نیز: انگریزی روزنامہ ہندو دہلی ۲۵ اگست ۲۰۰۴ء خبر بعنوان: U.S.Pays debt to Vietnam allies. (امریکہ ویتنام جنگ کے اپنے حلیفوں کا قرض چکانے میں مصروف)۔

نہیں ہٹا رہا ہے۔ اسی طرح جاپان اور کوریا میں اس کی فوجی مداخلت اس وقت تک اسی طرح موجود ہے۔ لیکن سوویت یونین کے خاتمے کے بعد امریکہ کا اصل استعماری چہرہ اب سامنے آیا ہے۔ اور جس کا تازہ شکار مسلم ممالک افغانستان اور عراق ہیں۔ جو اس کے مظالم اور چہرہ دستیوں سے اس وقت کراہ رہے ہیں۔ افغانستان کی طالبان حکومت کا تختہ امریکہ نے نام نہاد دہشت پسندی کے خاتمہ کے نام پر کیا۔ عراق پر اس نے عام تباہی کے ہتھیاروں (Weapons of mass destruction) کے خاتمہ کے نام سے حملہ کیا۔ عراق کا چپہ چپہ چھان لینے کے باوجود عراق میں تباہی کے یہ ہتھیار تو نہیں ملے۔ البتہ خود اس ملک کو تباہ و برباد کرنے میں اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ عام شہریوں، عورتوں اور بچوں کو ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتارنے کے ساتھ جیل کے قیدیوں کے ساتھ اس کے فوجیوں نے جو شرم ناک حرکتیں کی ہیں اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے ہیں، اس پر عالم اسلام نہیں پوری دنیا کی طرف سے اس کی مذمت کی جا رہی ہے۔ بغداد سے تیس کلومیٹر کے فاصلہ پر 'ابوغریب' کی جیل میں ان قیدیوں کو بجلی کے شاک تو لگائے ہی گئے، ان کو ننگا کر کے ایک دوسرے کے اوپر لٹایا گیا، ان کا جنسی استحصال کیا گیا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ بد فعلی کے لیے مجبور کیا گیا^(۱) امریکہ کا پرانا استعماری اور اب اس کا دم چھٹا اور عالمی سیاست میں اس کا حاشیہ بردار برطانیہ عراق کے خلاف اس مہم میں امریکہ کا سب سے بڑا حلیف ہے۔ عراقی قیدیوں کے ساتھ ان انسانیت سوز مظالم میں بھی وہ اس کا اسی طرح شریک ہے۔ چنانچہ بصرہ جو عراق پر حملہ کے وقت سے ہی برطانیہ کے سپرد ہے، اس کے جیل میں دیگر مظالم کے علاوہ برطانوی فوجیوں نے وہاں کے قیدیوں کے اوپر پیشاب کرنے جیسی حیوانی حرکت کا ارتکاب کیا ہے^(۲) تازہ اطلاع کے مطابق عراقی قیدیوں پر یہ کوئی اکا دکا مظالم کے واقعات نہیں ہیں بل کہ پورے عراق میں وہاں کے شہریوں کو مختلف جیلوں میں جو بند کر دیا گیا، ہر جگہ ان کے ساتھ اسی طرح کے انسانیت سوز اور شرم ناک مظالم کو روا رکھا گیا ہے^(۳) اس سے بھی آگے جمہوریت کے ان نگہبانوں کے ذریعہ خاتون قیدیوں کی عصمت دری کی گئی اور ان کی باقاعدہ ویڈیو فلم تیار کی گئی^(۴) اور اب نوبت یہ ہے کہ ان مظالم کی باقی ماندہ تصویروں کو امریکہ میڈیا کے سامنے ظاہر کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہا ہے۔

(۱، ۴) انگریزی روزنامہ 'دی ہندو' اور اردو روزنامہ 'راشترپہ سہارا' سے ان سب کے سلسلے میں ہمارے پاس تراشے محفوظ ہیں۔ طوالت کے خوف سے ان کے تفصیلی حوالے سے گریز کیا جاتا ہے۔ دونوں روزنامے دہلی ایڈیشن۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

افغانستان میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے زیرِ حراست قیدیوں کے ساتھ بھی اسی طرح کے مظالم روار کھے گئے ہیں^(۱) اور گوتنامابو کے بد نصیب قیدی بھی اس ظلم و ستم سے اچھوتے نہیں رہے ہیں۔ (۲)

برطانیہ اور فرانس جیسے پرانے استعماریوں نے اپنی اپنی نوآبادیوں میں وہاں کے عوام کے اوپر جو مظالم کیے اور جن متنوع طریقوں سے ان کا استحصال کیا، یہ سب کے سب اپنے اپنے ملکوں میں جمہوریت اور حقوق انسانی کے سب سے بڑے علم بردار تھے۔ لیکن ان کی یہ جمہوریت اور انسانیت نوازی صرف اپنے ملکی عوام کے تئیں تھی، اپنی نوآبادیوں کے عوام کے لیے ان کے پیمانے مختلف تھے۔ ان کے ساتھ ہر طرح کا ظلم و استبداد ان کے لیے روا تھا اور اس کا بدترین ریکارڈ انسانی تاریخ کا بدنامہ داغ ہے۔ جس کی ایک جھلک اوپر پیش کی گئی ہے۔ آج بھی اس وقت کے لیے استعماری امریکہ عظمیٰ کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ امریکی اور غیر امریکی انسانوں کے لیے اس کے پیمانے بھی الگ الگ ہیں۔ جان کا احترام اور انسانی عزت صرف امریکیوں کا حق ہے۔ دنیا کے غیر امریکی انسانوں کی نہ جان کی کوئی قیمت ہے، نہ ان کی عزت و آبرو اور ان کے وقار و احترام کو کوئی اعتبار حاصل ہے۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ معاصر دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ حکمرانی کی بنیاد درست نہ ہو تو بسا اوقات جمہوریت باہر کی دنیا ہی نہیں، اندرون ملک بھی اپنے تقاضے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اس کے زیرِ انتظام ملک سے باہر دوسرے خطوں اور علاقوں کے انسانوں کے اوپر ہی مظالم نہیں ہوتے اور ان کے حقوق تلف نہیں کیے جاتے، جمہوری قبائلی کوزیب تن کیا ہوا ملک اپنے اندر بھی ملکی عوام کو بے لاگ عدل و انصاف فراہم کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بعض طبقات کی نسل کشی تک ہوتی ہے اور ان کے ساتھ ان مظالم کو روکا رکھا جاتا ہے جس کی اکثر اوقات کسی قابض فوج سے بھی بہت کم توقع کی جاسکتی ہے۔ معاصر دنیا میں ہندستان کی صورت حال پر نظر ڈال کر اس حقیقت کو آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے۔

(۱) انگریزی روزنامہ 'دی ہندو' اور اردو روزنامہ 'راشتر یہ سہارا' سے ان سب کے سلسلے میں ہمارے پاس تراشے محفوظ ہیں۔ طوالت کے خوف سے ان کے تفصیلی حوالے سے گریز کیا جاتا ہے۔ دونوں روزنامے دہلی ایڈیشن۔

ہندستان کی صورت حال

امریکہ اور برطانیہ کی جمہوریتیں پرانی ہیں لیکن ایک پہلو سے ان دونوں پر ہندستانی جمہوریت کو برتری حاصل ہے کہ ان دونوں ملکوں کو ملانے کے بعد بھی یہ ملک ان سے تلگنا آبادی کا ہے۔ امریکہ کی انتیس کروڑ اور برطانیہ کی چھ کروڑ آبادی ملا کر کل پینتیس کروڑ کے قریب آبادی ہوتی ہے^(۱) جب کہ ہندستان اس کا تین گنا ایک ارب سے اوپر کی آبادی والا دنیا کا اکلوتا جمہوری ملک ہے۔ اس کا لسانی، تہذیبی، مذہبی اور نسلی اختلاف اور تنوع اس کا الگ امتیاز ہے جس کے معاملے میں یہ امریکہ کی رنگارنگی اور اس کے تنوع کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے دستور پر اپنے پیش رو برطانیہ کی چھاپ گہری ہے۔ اسی کی پیروی اس کا نظام حکومت بہ جائے صدارتی کے پارلیمانی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس دستور کی تیاری میں غیر معمولی احترام و احتیاط، رواداری، دور اندیشی اور دور بینی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ دنیا کے بہت سارے ممالک کے دستوروں کا مطالعہ کر کے ان کے قابل عمل اور لائق تقلید اجزاء کو اپنے اندر سونے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس سے اس ملک کی بے جوڑ متنوع اور رنگارنگ آبادی کے حقوق و مفادات اور ان کی جائز امنگوں اور مطالبات کو پورا کیا جاسکے۔ آزادی کے بعد اپنی نصف صدی سے اوپر کی شان دار تاریخ میں بلاشبہ یہ دستور اپنے عوام کو مطمئن اور خوش و خرم رکھنے میں بہت حد تک کامیاب رہا ہے۔ اور اس کی آبادی کی بہت بڑی اکثریت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی طرح مرکز سے کٹنے اور الگ ہونے کے بہ جائے اس سے جڑے رہنے میں اپنا فائدہ اور بھلا محسوس کرتی ہے۔ اس پہلو سے بلاشبہ اس ملک کی جمہوریت نمونے کی جمہوریت ہے اور اس کے تجربے سے موجودہ عالم عرب اور عالم اسلام سمیت دنیا کے بہت سارے خطے اور ممالک استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

فرقہ وارانہ فسادات

لیکن ہندستانی جمہوریت کی ان بہت ساری خوبیوں اور اچھائیوں کے باوجود اپنی

(۱) یہ عجیب بات ہے کہ امریکہ عظمیٰ جو ساری دنیا کو خالق کی تفہیم کرانا اپنا فریضہ باور کرتا ہے، اس کی آبادی کے متعین اعداد و شمار میڈیا میں نہیں آتے۔ اس کی آبادی پچیس سے اٹھائیس کروڑ کے درمیان گھومتی رہتی ہے۔ کہیں انتیس کروڑ بھی دیکھنے کو ملا۔ سب سے محتاط اندازہ کے لیے ہم نے اسی تعداد کو پیش نظر رکھا ہے۔

سچاس سالہ تاریخ میں اس کے بہت سارے نقصان اور خرابیاں بھی سامنے کی حقیقت ہیں جس سے ساری دنیا واقف ہے اور جس کو چھپانے کی کوشش بھی کی جائے تو اس میں کام یابی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان کے جمہوری نظام حکومت کی ناہمواری کی گفتگو آتے ہی ذہن اپنے یہاں کی مسلمان اقلیت یا صحیح تر لفظوں میں دوسری بڑی اکثریت کے معاملات و مسائل کی طرف مڑ جاتا ہے۔ چنانچہ ملک کی تقسیم کے فوراً بعد سے یہاں مسلمانوں کے خلاف فرقہ وارانہ فسادات (Communal Riots) کا جو سلسلہ شروع ہوا تو وہ آج تک رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ ملک کا کون سا خطہ یا علاقہ ہے جہاں یہ فسادات ہوئے یا ان کی لپٹ محسوس نہیں کی گئی۔ ایک عرصہ تک مسلمانوں کے کاروباری اور صنعتی شہروں کو چن چن کر نشانہ بنایا گیا۔ جس سے مسلمانوں کو معاشی طور پر تباہ و برباد کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں ممبئی، احمد آباد، سورت، بنارس، ممبئی، فیروز آباد، علی گڑھ وغیرہ بے شمار شہر ہیں جن کو لمبے عرصے تک باری باری فسادات کی زد میں رکھا گیا۔ ۱۹۷۰ کی دہائی میں راولپنڈی، جمشید پور اور ٹانگانگر وغیرہ کے جو بھیانک فسادات ہوئے تو ایسا لگتا تھا کہ اس ملک سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ دسمبر ۱۹۹۲ میں باری مسجد کی شہادت کے بعد ایک بار پھر اسی طرح کا سلسلہ وار فسادات کا دور شروع ہو گیا جس کی زد میں شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پورا ملک آئے بغیر نہیں رہا۔ کچھ عرصہ بعد اس پہلو سے ملک میں قدرے سکون کی فضا محسوس کی جانے لگی اس کے بعد گجرات کے فساد نے اس کے سارے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔ جس میں مسلمانوں کو زندہ جلانے، ان کی املاک کو تباہ کرنے سے لے کر عورتوں اور بچوں پر مظالم کی وہ داستان رقم کی گئی جس کی آج کی غیر جمہوری معاصر دنیا میں بھی مثال ملنی مشکل ہے۔ ابھی تک ان مظالم کا ایک حصہ ہی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ منظر عام پر آسکا ہے۔ ملک کی عدلیہ نے اس سلسلے میں جو اپنی ذمہ داری نبھانی شروع کی ہے تو اس کے نتیجے میں ثبوتوں کی تلاش میں اس کی نئی تفصیلات اور نئی جزئیات کا تاننا لگا ہوا ہے۔ آزادی کے بعد سے اب تک اس ملک کے فرقہ وارانہ فسادات میں مسلمانوں کی لاکھوں جانیں جا چکی ہیں اور ان کی املاک کو غیر معمولی نقصان پہنچا ہے۔ اور یہ سب کچھ بہر حال اس ملک کے جمہوری نظام اور اس کے مثالی دستور کے

باجود ہوا ہے۔ تعلیم اور ملازمت وغیرہ میں ان کے ساتھ جو بے انصافی کی جاتی ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ اسی طرح مختلف معاملات و مسائل میں قدم قدم پر ان کے ساتھ جس امتیاز اور دوہرے رویے کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، اس کے درد اور اس کی کسک کو وہ بس محسوس ہی کر سکتے ہیں۔ ملک کے جمہوری نظام میں ہر وقت وہ اس کے لیے فریاد بھی نہیں کر سکتے اور اگر کریں بھی تو تجربے سے اس سے بہت زیادہ فائدے کی امید نہیں کی جاتی ہے۔

دیگر طبقات پر مظالم

لیکن ایسا نہیں ہے کہ آزاد ہندوستان میں اس کے جمہوری نظام میں صرف مسلمانوں کے ساتھ زیادتیاں ہوں، غیر مسلم اکثریتی کے مختلف طبقات کو بھی مختلف حالات اور مختلف اسباب کے تحت اسی طرح ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور آج تک ان کے ساتھ ان مظالم اور زیادتیوں کا سلسلہ اسی طرح دراز ہے۔ ہندو سماج کے دلت اور پس ماندہ کہے جانے والے طبقات کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو تامل ناڈ سے لے کر راجستھان تک آج سماجی نابرابری کی تکلیف جھیلنے کے لیے مجبور ہے۔ وہ اونچی ہندو برادری کے تالاب میں نہا سکتی، نہ شادی کے موقع پر اپنے دولہے کو گھوڑے پر بٹھا سکتی ہے، کتاب کے پہلے باب میں اس کے تازہ اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ملک میں انتخابات کے موقع پر یہ لوگ آزادانہ اپنے ووٹ کے حق کے استعمال سے بھی محروم رہتے ہیں (۱) بہار میں وہاں کے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی مستقل گھوڑ سوار فوج 'ان پرسینا' کے ذریعے پس ماندہ ہندو طبقات کو، جو آئے دن موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، وہ بھی اسی جمہوری ہندوستان کا ایک حصہ ہے۔ اس سلسلے میں اس کے 'جہان آباد' اور اس کے آس پاس کے اضلاع اور علاقوں کو وہ شہرت ملی ہے کہ وہاں کے حالات کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے

(۱) ملک کی تیرہویں لوک سبھا کے انتخاب کے موقع پر جس وقت کہ یہ سٹریٹ لکھی گئی تھیں، اس سے متعلق اخبارات میں اس کی خبریں شائع ہوئی تھیں۔ ملک میں جمہوریت کی پختگی کے باوجود اس طرح کے واقعات کا اعادہ ہوتا رہتا ہے۔ جسے افسوس ناک ہی کہا جاسکتا ہے۔

ہیرون ہند کے ادارے اور ایجنسیاں اپنے الگ وفود بھیجتی ہیں۔ بدھوں اور جینیوں کا بھی اس جمہوری ملک میں حال کچھ بہت زیادہ اچھا نہیں ہے۔ ملک کی عیسائی اقلیت کی اپنی الگ آفت ہے۔ ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے اڑیسہ میں معروف عیسائی مبلغ اسٹینس گراہم (Staines) (Graham) اور اس کے دو بیٹوں^(۱) کو ان کی کار کے اندر انتہائی بے رحمی سے زندہ جلادیا گیا۔ ملک کے دوسرے خطوں اور علاقوں میں بھی عیسائی نرسوں اور عیسائی مبلغین کے ساتھ زیادتیوں کے واقعات آئے دن کی بات ہیں۔ جو الکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی خبروں کا ایک طرح سے حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ ۱۹۸۳ میں اندرا گاندھی کے قتل کے بعد مرکزی حکومت کے عین ناک کے نیچے تین ہزار سکھوں کو منصوبہ بند طریقے پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور ان کی بیواؤں اور بچے آج تک انصاف کے لیے ترس رہے ہیں اور اس کے لیے گہار لگا رہے ہیں۔ اس موقع پر شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پورے ملک میں اسی طرح سکھوں کو بے دردانہ اور بے رحمانہ تہ تیغ کر دیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ اس کے صحیح اعداد و شمار بھی نہیں ہیں۔ اور ان کے لیے کوئی فریاد کرنے والے ہی نہیں ہیں تو اس فریاد کے سننے اور اس کی داد رسی کی کس سے امید کی جاسکتی ہے۔ جمہوری ہندوستان کے دیگر مظلوم اور مقہور طبقات کے رنج و الم کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا اور اس کے سلسلے میں رائے بنائی جاسکتی ہے۔

معاصر دنیا کی یہ تفصیل صرف اس مقصد سے پیش کی گئی ہے کہ اگر فرد صالح نہ ہو اور وہ خوف خدا سے معمور اور آخرت کی جواب دہی سے سرشار نہ ہو تو بہترین سے بہترین دستور اور بہتر سے بہتر طرز حکمرانی کے باوجود دنیا حق و انصاف سے شاد کام نہیں ہو سکتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جمہوری طرز حکومت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اور جمہوریت و بادشاہت اور آمریت

(۱) یہ دونوں بیٹے فلپ (Philip) دس سالہ اور تریموٹی (Trimothy) آٹھ سالہ۔ اپنے باپ اسٹینس گراہم سمیت ان تینوں ۲۳ جنوری ۱۹۹۹ کو زندہ جلایا گیا۔ بہ حوالہ انگریزی روزنامہ دی ہندو ۱۶ جولائی ۲۰۰۳ء اس کے باوجود اسٹینس گراہم کی بیوی گلڈیس اسٹینس (Gladys Staines) نے اپنی ایشر، Esther کے ساتھ ہندوستان میں رہ کر عیسائیت کی تبلیغ اور اپنی خدمت خلق کے کام کو جاری رکھنے کا عزم کر رکھا ہے۔ دی ہندو، حوالہ بالا۔

میں کوئی فرق نہیں ہے، یقیناً فرق ہے اور بہت بڑا فرق ہے، لیکن اس کے باوجود عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی بھلائی اور بہتری بہت کچھ اس سے وابستہ ہے کہ ان کے اوپر کے حکمران کس سوچ اور کس فکر کے حامل ہیں۔ وہ صرف اسی دنیا کو اپنا محط نظر قرار دیتے ہیں یا اس کے بہ جائے بے آمیز بندگی رب کے ذریعہ آخرت کی اپنی کامیابی کو اپنی سب سے بڑی دولت مانتے ہیں۔ جس کا راستہ ہند گان خدا کی بے لوث خدمت اور ان کے ہمہ جہتی حقوق کی اداے گی کی شاہ راہ سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے دنیا کی تاریخ سے کچھ مثالوں کا پیش کرنا ضروری ہے جس سے واضح ہو سکے کہ حکمران خدا ترس اور فکر آخرت سے سرشار ہو تو طرز حکومت کے اختلاف کے باوجود دنیا امن و سکون کا گہوارہ بنتی ہے۔ یہ حکمران جمہوری اور شورائی طریقے پر عوام کا منتخب کردہ ہوتا ہے تب تو اس کا وجود ان کے لیے باعث رحمت ہوتا ہی ہے، اس کیفیت کے ساتھ مقتدر بادشاہ اور بادشاہ کا با اختیار وزیر ہو کر بھی وہ اپنی رعایا کے لیے اسی طرح باعث رحمت اور موجب طماعت ہوتا ہے۔

انسانی تاریخ میں جمہوریت کا عہد زریں

دنیا میں جب کبھی جمہوریت کی ایمان دارانہ تاریخ لکھی جائے گی نگاہیں اللہ کے آخری نبی محمد عربی ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کے مبارک عہد پر ٹک جائیں گی۔ آپ ﷺ کے بعد اس کے تیس سالہ خلافت علی منہاج النبوۃ کے زریں عہد کو ایمان دار اور جواب دہ حکومت و سیاست کی معراج کہا جاسکتا ہے۔ اس تیس سالہ عہد خلافت میں دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مبارک دور کو مختلف پہلوؤں سے امتیاز کا درجہ حاصل ہے۔ اور اس کو ایک طرح سے پوری خلافت راشدہ کا نمائندہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ حکومت و سیاست اور عامۃ الناس کی خدمت کی جو اعلیٰ ترین روایت حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے ذریعہ قائم کی گئی ہے اس کے کچھ نمونے اپنے موقع پر گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں، اس موقع پر صرف اس کی یاد دہانی کے لیے ایک دو مثالیں مزید درج کی جاتی ہیں۔ سیاست میں اسلام کا تجربہ یورپ کے

تجربے سے مختلف ہے۔ وہاں سیاست پہلے ہوئی اور اصول بعد میں وضع کیے گئے، اسلام میں اصول پہلے آئے۔ سیاست کی تشکیل اس کے بعد اس کی روشنی میں ہوئی۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن اور اس کے رسول ﷺ کی علمی اور رہنمائی جس کا دوسرا نام سنت ہے، انہی کی روشنی میں خلافت راشدہ کی حکومت قائم ہوئی جس کی سب سے سنہری کڑی حضرت عمر فاروق اعظم کا دس سالہ شاہ کار دور حکومت ہے، جس کو سیاست کی دنیا کی آخری معراج کہا جاسکتا ہے۔ یورپ نے اپنی تاریخ کے مخصوص پس منظر میں جو بے خدا سیاست کا تجربہ کیا تو اسکے رگ و پے میں اس کی کم زوری اور بیماری سرایت کر گئی۔ معاصر دنیا کی پوری سیاست پر یورپ کا عکس ہے جس میں آج کے نئے یورپ کا نمائندہ امریکہ عظمیٰ بھی شامل ہے۔ اس سیاست کا مزاج اور اس کے عناصر ترکیبی اسلام کی سیاست سے مختلف ہیں۔ یورپ کی گزشتہ پانچ سو سال کی سیاست کی تاریخ سے اس پر جو بیٹی ہے اس کو اس نے سیاست کے اصول و کلیات کا درجہ دے لیا ہے۔ اور آج دنیا کا بہت بڑا حصہ انہی اصولوں کا قائل اور ان پر کاربند ہے۔ انہی میں سے ایک ہے کہ:

"Power corrupts and absolute Power corrupts absolutely."

’اقتدار آدمی کو بے ایمان اور ظالم بناتا ہے اور یہ اقتدار جتنے بڑے پیمانے پر آدمی کو حاصل ہوتا ہے اسی قدر اس کی بے ایمانی اور ظلم میں اضافہ ہوتا ہے۔‘

اسلام اور قرآن کی سیاست کی تاریخ پر معاصر دنیا کی سیاست کا یہ فارمولہ فٹ نہیں ہوتا۔ زمانہ گواہ ہے کہ اپنے دس سالہ عہد خلافت میں حضرت عمر فاروق اعظم کو جو بے مثال اور بے جوڑ اقتدار اور اختیار حاصل ہوا، وہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی دوسرے حکمران کے حصے میں نہیں آیا۔ لیکن اس اقتدار نے ان کو کرپٹ کرنے کے بجائے ان کے اندر ذمہ داری اور جواب دہی کا غیر معمولی احساس پیدا کیا۔ اپنی رعایا کی بے لوث خدمت کا انھوں نے بے میل ریکارڈ قائم کیا اور یہ حیثیت خلیفہ ان کی بہترین کارکردگی کی آج تک مثال دی جاتی ہے، اس کے باوجود اس کے سلسلے میں ہر وقت وہ اپنی کم زوری اور غلطی کے احساس سے دبے جاتے تھے۔

چنانچہ اکثر و بیشتر آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ:

رحم اللہ امرأ اهدى الی عیوبی۔ (۱)

”اللہ اس شخص کا بھلا کرے جو مجھ کو میری کم زوریوں سے آگاہ کرے۔“

یہاں تک کہ اس سلسلے میں انھوں نے نبی ﷺ کے دو جلیل القدر اصحاب حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت حذیفہؓ کی خاص طور پر خدمات حاصل کر رکھی تھیں کہ وہ ان کی کمیوں اور کم زوریوں سے برابر ان کو آگاہ کرتے رہیں۔ (۲) ذاتی زندگی کا یہ حال تھا کہ ان کا کپڑا چمڑے کے پیوندوں سے بھرا ہوتا تھا۔ اس کے سلسلے میں ارشاد بھی فرماتے کہ:

من لم یستحی من الخلال خفت مؤونة و قل کبره۔ (۳)

”جس کو کپڑوں میں پیوند ہونے سے شرم نہ آئے زندگی میں اس کا بوجھ ہلکا ہوگا اور اس کا غرور اور گھمنڈ کم ہوگا۔“

اسی طرح اپنی عبقریت اور ذہانت کے سبب کسی کے بس کا نہ تھا کہ ان کو دھوکہ دے سکے لیکن ساتھ ہی آج کی بے خدا سیاست کے برعکس ان کے حق میں ناقابل تصور تھا کہ وہ کسی کو دھوکہ دے سکیں۔ مشہور صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا ان کے سلسلے میں یہی اعتراف ہے کہ:

کان واللہ افضل من ان یخدع، واعقل من ان یُخدع۔ (۴)

”خدا کی قسم وہ اتنے اونچے تھے کہ کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتے تھے، اور اتنے سمجھ دار تھے کہ کوئی انھیں دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔“

اصول پسندی کا یہ عالم تھا کہ ان کا قاتل ابو لؤلؤ فیروز نصرانی صاف لفظوں میں ان کو قتل

(۱) امام غزالی: احیاء علوم الدین: ۳/۴، طبع قدیم، مطبعہ عامرہ شریف، مصر ۱۳۲۶ھ، بہامشہ ’معارف المعارف’ للسمر وردی۔

(۲) احیاء علوم الدین، حوالہ سابق۔

(۳) الجاحظ ۲۵۵ھ: کتاب الخلاء ۱۳، المطبعہ الخیریہ، مصر ۲۵۵ھ، طبعہ اولیٰ۔

(۴) الجاحظ: البیان والتبيين ۱۰۱/۱، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر طبعہ ثالثہ ۱۹۳۷ء ۱۳۶۶ھ، مطبعہ الاستقامہ، القاہرہ، تحقیق و شرح: حسن السندونی۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

کی دھمکی دیتا ہے، خلیفہ دوم اس کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اپنے قریب لوگوں سے اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں لیکن چوں کہ اس کے حق میں ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہوتا اس لیے اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے گریز کرتے ہیں (۱) احتیاط کی شدت میں انھوں نے اس کو مدینہ سے باہر نکالنے کا بھی فیصلہ نہیں کیا، حالاں کہ ذاتی طور پر وہ غیر مسلموں کے مدینہ میں داخلہ کے خلاف تھے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی اس کے سلسلے میں انھوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

(۱) ابولؤلؤ فیروز نهرانی جو کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا، انھی کی تحریک سے وہ کوفہ سے مدینہ آیا تھا۔ مدینہ میں یومیہ دو درہم کا جو ٹیکس وہ ادا کرتا تھا وہ اس کو زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ واپس مغیرہ بن شعبہ کے پاس جانا چاہتا تھا۔ اسی سلسلے میں وہ بات کرنے پر امیر المومنین کے پاس آیا تھا۔ اس پر امیر المومنین فاروق اعظم نے جو اس سے اس کی ہنرمندی کی بابت معلوم کیا تو اس نے اپنی بڑھی گیری، ہنگ سازی اور لوہاری کا تذکرہ کیا۔ جس پر امیر المومنین کا کہنا تھا کہ تمہارے ان متنوع ہنرمندیوں کے لحاظ سے روزینہ کا یہ ٹیکس تمہارے اوپر زیادہ نہیں ہے۔ اسی موقع پر آپ نے اس سے اس بات کا ذکر کیا کہ سنا ہے کہ تم اگر چاہو تو ہوا سے چلنے والی چکی بھی بنا سکتے ہو۔ اس کا جواب اس نے اثبات میں دیا۔ اس پر امیر المومنین نے کہا کہ تو ایک ایسی ہی چکی میرے لیے بھی بنا دو۔ اس کے بعد ہی کا اس کا جملہ ہے جس سے وہ حضرت عمر فاروق اعظم کو قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ اس نے کہا: اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لیے ایسی چکی بنا کر دوں گا جس کا لوگ پورب سے پتھیم تک چر چا کریں گے: لن سلمات لاعملن لک معا یتحدث بها من بالمشرق والمغرب۔ پھر وہ چلا گیا۔ اس پر حضرت عمر کا کہنا تھا کہ اس غلام نے ابھی جو بات کہی ہے اس سے وہ مجھ کو جان سے مارنے کی دھمکی دے رہا ہے: لقد توعدنی العبد أنفا۔ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری م ۵۳۱۰: تاریخ الرسل والملوک المعروف بہ تاریخ الطبری: ۱۹۱/۴، طبع جدید، دار المعارف، قاہرہ طبعہ رابعہ۔ تخفیف: محمد ابو الفضل ابراہیم نیز ملاحظہ ہو: ابو الحسن علی بن ابی آلآم الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری م ۶۶۳: الکامل فی التاریخ: ۲۶/۳، دار الکتب العربی، بیروت۔ طبعہ سادسہ ۱۹۸۶ء ۵۱۴۰۶۔ مراجعت و تعلیق: نخبة من العلماء۔ مزید ملاحظہ ہو: ابو الفداء الحافظ ابن کثیر الدمشقی م ۷۴۳ھ: البدایہ والنہایہ جلد ۳: ۱۳۱/۷-۱۳۲ محولہ بالا۔ جہاں اوپر کے دونوں مراجع کے برعکس جہاں حضرت عمرؓ کے اس قاتل کو نهرانی لکھا گیا ہے۔ یہاں اس کے بچے کو اس کو بجوی الاصل، کہا گیا ہے۔ اسی طرح اس موقع پر یہ اضافہ ہے کہ ابولؤلؤ کا یومیہ دو درہم کا ٹیکس خود اس کے مالک حضرت مغیرہ بن شعبہ کا متعین کردہ تھا۔ بعد میں اس کی اوپر کی متنوع ہنرمندیوں کے پیش نظر انھی کی خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظم سے تجویز تھی کہ اس کے یومیہ ٹیکس میں اضافہ کر دیا جائے۔ البدایہ والنہایہ: حوالہ بالا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جن کو انھوں نے قاتل کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا تھا۔ واپس آنے پر ان کے والد حضرت عباسؓ جن کے پاس اچھے زمانے میں عجمی غلاموں کی کثرت تھی، اس کے حوالہ سے ان سے فرمایا: قد كنت انت و ابوک تحبان ان تکثر العلوج بالمدينة^(۱) تم اور تمھارے باپ دونوں کو بہت پسند تھا کہ مدینہ میں عجمی غیر مسلموں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو جائے گا۔ اس کے باوجود انھوں نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور جام شہادت نوش کرنے کو ترجیح دی^(۲) بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ زخمی ہو جانے کے بعد جب ان کو زندگی کی امید باقی نہیں رہی تو اپنی آخری آرام گاہ کے لیے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ اور اپنے پیش رو حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ حجرہ عائشہؓ میں دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عائشہؓ کے اس کمرے میں تین ہی قبروں کی گنجائش تھی۔ اور سب کو معلوم تھا کہ یہ تیسری جگہ انھوں نے اپنے لیے منتخب کر رکھی تھی۔ اس پس منظر میں حضرت فاروق اعظمؓ ان کی باضابطہ اجازت کے بعد ہی وہاں دفن کیے جانے کے لیے راضی ہو سکتے تھے۔ اس مقصد سے انھوں نے حضرت عائشہؓ سے رجوع کیا۔ اور اس کی اجازت کے لیے اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ان کے پاس بھیجا۔ لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ اس اجازت طلبی میں ان کے نام کے ساتھ امیر المومنینؓ کا لقب استعمال نہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ بھی چون کہ زخمی ہو جانے کے بعد وہ کاروبار خلافت کو دیکھ نہیں سکتے تھے، اس لیے اپنے نام کے ساتھ امیر المومنینؓ، لگائے جانے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ابھی اس واقعہ کا عروج (Climax) باقی ہے۔ اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو آپؐ نے

(۱) صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب فضائل الصحابة، باب قصة البقیة والاتفاق علی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ و فیہ تقتل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ طبع جدید: المكتبة السلفية: القاهرة۔ علوج جمع علیج: الرجل من کفار العجم۔ عجمی کافر بہ حوالہ: البداية والنهاية جلد ۴: ۱۳۲/۷، دار الریان للتراث، القاهرة طبعہ اولی ۱۹۸۸ء، ۱۳۰۸ھ۔ محقق ایڈیشن: دکتور احمد ابو ملحم و دکتور علی نجیب عطوری وغیرہما۔

(۲) حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی بد نصیب اولاد کو فیروز سے اوپر کی گفتگو۔ منگل کی شام کو ہوئی۔ اور ذی الحجہ کے ختم ہونے میں چار دن رہ گئے تھے کہ بدھ کی صبح میں اس نے ان کو زخمی کیا۔ اس کے تین دن بعد ۲۳ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور اتوار کے دن یکم محرم ۱۳۲۳ھ کو ان کی تدفین عمل میں آئی۔ البداية والنهاية جلد ۴: ۱۳۲/۷، مولہ بالا۔

مزید تاکید کی کہ انتقال کے بعد دفن کے معاملے میں حضرت عائشہؓ سے دوبارہ استئذان کر لیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ زندگی میں ان کی رعایت اور لحاظ سے انھوں نے اس کی اجازت دے دی ہو۔ اور انتقال کے بعد اس معاملے میں ان کی رائے تبدیل ہو گئی ہو^(۱) اسلام کی تاریخ میں حکومت اور سیاست کی پاکیزگی اور شفافیت کی ایک جھلک ہے۔ اور اسلام کی چودہ سو سال کی پھیلی ہوئی تاریخ میں اس کے نمونے جا بجا دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ سے یہ منتخب جمہوریت کی مثال تھی، قرآن کی بیان کردہ بادشاہت اور وزارت کی تاریخ سے بھی اسلام کی نجات دہندہ تحریک کی صالح حکمرانی کی یہی تصویر سامنے آتی ہے۔

بادشاہت اور وزارت کے چند نمونے

اس کے سلسلے میں حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی تاریخ کے دو جلیل القدر پیغمبر اور ساتھ ہی بڑے جاہ و جلال کے دو بادشاہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے صاحب زادے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان سے پیشتر حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال ہمارے سامنے آتی ہے جن کو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبوت اور وزارت دونوں مناصب سے ایک ساتھ سرفراز کیا۔ ان مثالوں کے سلسلے میں ایک سوال ہو سکتا ہے کہ اسلام کی صالح حکمرانی کی بحث میں پیغمبر اسلام ﷺ سے پہلے کے ان نبیوں اور بادشاہوں کے کردار سے کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اسی سوال میں اس کا جواب مضمر ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ صرف خاتم الانبیاء ہیں۔ وہ مذہب اسلام کے بانی نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بل کہ وہ اس کے خاتم اور مکمل ہیں۔ اسلام پہلے انسان اور پہلے پیغمبر کے وقت سے ہی اللہ کا ایک ہی معتبر اور پسندیدہ دین تھا۔ مختلف ادوار میں مختلف انبیاء کے ذریعہ اس کی تجدید اور درجہ بہ درجہ اس کی تکمیل ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اللہ کے آخری رسول محمد عربی ﷺ کے ذریعہ اس کو کمال اور پختگی کے آخری مرتبہ پر پہنچا دیا گیا۔ اس کے لحاظ سے پچھلی تمام شریعتیں بھی بہ حیثیت مجموعی اسلامی شریعت کا ایک مأخذ اور منبع ہیں۔ اصول فقہ کا یہ معروف مسئلہ ہے۔ جس کا حوالہ اسی طرح دیگر مأخذ میں بھی ہے:

(۱) صحیح بخاری، حوالہ سابق: ۲۱، ۲۰، ۲۳۔

شرع من قبلنا شرع لنا۔ (۱)

”ہم سے پہلے امتوں کی شریعت (جو منسوخ نہ ہو) ہماری شریعت کا حصہ ہے۔“

اسی طرح آپ ﷺ سے پہلے کے تمام انبیاء بھی آپ ﷺ کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں اور کتاب اللہ میں صاف طور پر آپ ﷺ کو ان کے طور طریقوں کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدْهُمْ أَقْتِدْهُ (الانعام: ۹۰)

”یہ وہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ نے راہ یابی سے سرفراز کیا ہے تو اے نبی! آپ ان کو ملنے والی رہ نمائی سے روشنی حاصل کیجیے۔“

سیرت اور تاریخ میں اس کی جا بجا مثالیں موجود ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے (۲) اس لحاظ سے زیر نظر گفتگو میں حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے نمونے سے پوری طرح استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کی صالح حکمرانی کی یہ سنہری کڑیاں ہیں اور ان کڑیوں کو شامل کر کے ہی اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا قیمتی ہار تیار ہوتا اور انسانیت کے گلے کی زینت بنتا ہے۔

حضرت داؤد و حضرت سلیمان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی تاریخ کے ان دو پیغمبروں حکومت اور بادشاہت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو امتیاز عطا کیا گیا تھا ان سے پہلے اور ان کے بعد پوری انسانی تاریخ میں اس کی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی ایک چوک کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے کے ساتھ اس کے لیے دعا بھی کی تھی جو بعد کی تفصیل کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری طرح قبول کر لی گئی۔ ان کی دعا تھی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (ص: ۳۵)

(۱) علامہ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ: فتاویٰ ابن تیمیہ: ۸۵/۱۳، طبع جدید، سعودی عرب۔

(۲) اس کی بعض مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام، مطبوعہ ادارہ تحقیق و تصنیف

”سلمان نے دعا کی اے میرے رب مجھ کو بخش دے اور (دنیا میں) مجھ کو وہ اقتدار عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو نصیب نہ ہو۔ بے شک تو سب سے بڑا عطا کرنے والا ہے۔“

آگے ان کی اس دعا کی قبولیت کی تفصیل ہے۔ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا جو ان کی مرضی کے مطابق ان کے تحت شاہی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑائے لیے پھرتی تھیں۔ بڑے بڑے سرکش جنات ان کے ماتحت تھے۔ جو ان کی ضرورت کے مطابق بڑے بڑے قلعے اور محلات تعمیر کرتے تھے اور سمندروں میں غوطے لگا کر قیمتی ہیرے جواہرات برآمد کرتے تھے۔ ان میں جو ذرا ان کی حکم عدولی کرتے ان کو وہ بیڑیوں میں جکڑوا دیتے، یہاں تک کہ وہ ان کے مطیع فرمان ہو جاتے (۱) دوسرے موقع پر اس کی مزید وضاحت ہے کہ ہوائیں جو ان کے تابع فرمان تھیں تو اس کی وجہ سے وہ ایک دن کے اندر اس کے پہلے پہر میں ایک مہینہ کا اور دوسرے پہر میں ایک مہینہ کا فاصلہ طے کر لیتے تھے (۲) دوسری جگہ اس کی صراحت ہے کہ ان کا یہ آنا اور جانا ان کے پایہ تخت شام سے ہوتا تھا (۳) جس کی تفسیروں میں وضاحت ہے کہ وہ شام سے یمن اور یمن سے شام کا سفر ایک دن کے اندر کر لیتے تھے (۴) شام سے یمن کا فاصلہ ڈیڑھ ہزار میل ہے۔ جو آنے جانے کا ملا کر تین ہزار میل بنتا ہے (۵) جسے آج کی معروف پیکش میں قریب چار ہزار کلومیٹر کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ان کے ماتحت جنات سمندروں میں غوطہ خوری کرنے کے علاوہ ان کی ضرورت کے کام بھی انجام دیتے تھے (۶) جس کی کچھ تفصیل اوپر آئی ہے۔ مزید تفصیل دوسری جگہ ہے جس کے مطابق یہ لوگ ان کے لیے بلند و بالا عمارتوں کے

(۱) ص: ۳۶-۳۸

(۲) ص: ۱۲

(۳) انبیاء: ۸۱۔ اس موقع پر اس کے لیے بابرکت سرزمین اِلٰی الْاَرْضِ الَّتِي بَرَخْنَا فِيْهَا، کا تذکرہ ہے جس سے کسی اختلاف کے بغیر شام کی سرزمین مراد ہے۔

(۴) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی م ۱۲۳۰ھ: موضح القرآن / ۵۴۳، طبع قدیم تاج کھنٹی لاہور، کراچی۔

(۵) ترجمہ قرآن مولانا محمد جونا گڑھی مع تفسیری حواشی مولانا صلاح الدین یوسف / ۱۰۵۳۔ نظر ثانی ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس اور ڈاکٹر اختر جمال لقمان۔ شائع کردہ سعودی عرب: شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس۔ ہدیہ شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود۔

(۶) انبیاء: ۸۲۔

علاوہ ان کے لیے بڑے بڑے اسٹیپو، لگتیں اور دیغیں تیار کرتے تھے۔ اس مقصد سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تانبے کو نرم کر دیا تھا۔ جو اپنے آپ اس کے چشموں سے سیال صورت میں برآمد ہوتا تھا^(۱) دوسرے موقع پر حضرت سلیمانؑ کے اس اقتدار اور اختیار کی مزید تفصیل ہے۔ اس کے مطابق انسانوں اور جنوں کے علاوہ ان کی پرندوں کی بھی فوج تھی۔ اسی طرح وہ پرندوں کی بولیوں کے تو ماہر تھے ہی۔ چینیٹیوں کی بولی بھی سمجھتے تھے۔ ہر پرندہ ان کا تابع تھا جو ان کی سراغ رسانی کا کام کرتا تھا۔ اور ان کا ایک جنات اس کی صلاحیت رکھتا تھا کہ وہ پندرہ سو کلومیٹر دور سے یمن سے ملکہ سبا کے تخت کو پلک جھپکتے میں ان کے پاس لا کر رکھ دیے^(۲) لیکن اس بے مثالی اور غیر معمولی اقتدار اور اختیار کے باوجود بہ جائے اس کے کہ ان کے اندر کسی قسم کا عجب اور غرور پیدا ہوا ان کا سر ہر وقت اللہ کے حضور جھکا ہوتا تھا۔ اور اس کی جناب میں ہر آن اپنی خطاؤں پر وہ شرم سار ہوتے اور اللہ کی بندگی اور اس کی شکر گزاری کا حق ادا کرنے کے آرزو مند اور اپنی مغفرت اور بخشش کے طلب گار ہوتے تھے۔ جیسا کہ ان واقعات کے ذیل میں اس کا بار بار تذکرہ ہے^(۳)

ان کے والد گرامی حضرت داؤد علیہ السلام کا حال بھی اس معاملے میں ان سے مختلف نہیں تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ پہاڑ کی وادی میں بیٹھ کر وہ اپنے رب کی حمد و تسبیح میں مشغول ہوتے اور زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑوں کی زبان کھل جاتی اور وہ ان کے ہم زبان ہو جاتے اسی طرح آس پاس کے پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کی لے سے لے ملا کر رب کائنات کی حمد و ثناء میں شامل ہو جاتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر ان کو زرہ سازی کا ہنر سکھایا گیا تھا جس میں ان کو غیر معمولی امتیاز حاصل تھا^(۴) دوسرے موقع پر اس کی تفصیل ہے کہ اس مقصد سے لوہا ان کے ہاتھ میں آتے ہی نرم پڑ جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ بڑی تیز رفتاری سے چھوٹے چھوٹے حلقوں کی مضبوط اور کشادہ زرہیں تیار کرتے تھے۔ اور پہاڑ اور چڑیاں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حمد و تسبیح میں ان کی ہم زبان ہوتی تھیں تو صبح شام وہ اس پاکیزہ عمل میں ان کا ساتھ

(۱) سبا: ۱۲-۱۳۔

(۲) نمل: ۴۰۔

(۳) ص: ۳۵۔ نیز نمل: ۱۵-۱۶-۱۹۔

(۴) انبیاء: ۷۹-۸۰۔

دیتی تھیں۔ اسی طرح چڑیاں بڑی تعداد میں اس مقصد سے ان کے گرد جمع رہتی تھیں (۱) جب ان کی پرسوز حمد و تسبیح سے پہاڑ اور جانور ان کے ہم زبانی ہو جاتے تھے تو ان کی بندگی اور تواضع کے بارے میں مزید کہنے کی حاجت نہیں ہے۔ اسی موقع پر قرآن نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ حضرت داؤدؑ ہی کیا ان کا پورا خاندان اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت اور شکر گزاری میں ڈوبا ہوا تھا (۲) صحیح احادیث میں آپؐ کی بلا ناغہ تہجد گزاری اور ایک دن کے ناغہ سے لگا تار نفل روزے رکھنے کی صراحت ہے۔ اسلام میں دین داری کے معاملے میں غیر ضروری سختی کی ممانعت ہے۔ اسی کے تقاضے سے نوافل میں غیر معمولی مشقت اور لگا تار نفل روزوں کے رکھنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں مشہور صحابی رسول حضرت عمرو بن العاصؓ کی شہرت تھی جو رات رات بھر نفل نمازیں پڑھتے اور لگا تار اور مسلسل نفل روزے رکھتے تھے۔ آپؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس کی وجہ بیان فرمائی کہ:

فانک اذا فعلت ذلک هجمت عینک و نفیحت
نفسک، و ان نفسک علیک حقاً و لاهلک حقاً،
فصم و افطر، و قم و نم۔ (۳)

”اس لیے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری آنکھ دھنس جائے گی اور تم کم زور ہو جاؤ گے۔ یاد رکھو کہ تمہاری جان کا تمہارے اوپر حق ہے اور تمہارے بال بچوں کا تمہارے اوپر حق ہے۔ تو تم روزہ بھی رکھو اور بغیر روزے کے بھی رہو۔ اور رات میں نفلیں بھی پڑھو اور نیند کا بھی مزہ لو۔“

دوسرے موقع پر آپؐ نے اس معاملے میں انھی حضرات داؤد علیہ السلام کے نقش قدم کی پیروی کی تلقین کی جو رات کے ایک تہائی حصے میں نوافل پڑھتے اور ایک دن کے ناغہ سے نفل روزے رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے آپؐ کی نصیحت کے الفاظ تھے:

(۱) سہ: ۱۰-۱۱، نیز: ص: ۱۸-۱۹۔

(۲) سہ: ۱۳۔

(۳) صحیح بخاری جلد ۱۔ کتاب التہجد، باب بلا ترجمہ تحت باب ما یکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ ص ۳۵۸، مکتبہ سلفیہ، قاہرہ۔

احب الصلاة الى الله صلاة داؤد عليه السلام، و احب الصيام الى الله صيام داؤد، و كان ينام نصف الليل و يقوم ثلثه و ينام سدسه، و يصوم يوما و يفطر يوما۔ (۱)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے، اسی طرح اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزہ حضرت داؤد کا روزہ ہے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ آدھی رات سوتے تھے اس کے بعد تہائی رات نقلیں پڑھتے تھے اور پھر رات کا چھٹا حصہ سو رہتے۔ اسی طرح وہ ایک دن نقلی روزہ رہتے اور اگلے دن بغیر روزہ کے رہتے تھے۔“

یہ اس کے باوجود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑے مضبوط و مستحکم اقتدار سے سرفراز کر رکھا تھا۔ اور وہ اس اقتدار کو چلانے اور اس کا حق ادا کرنے کے لیے درکار اوصاف و خصوصیات سے مالا مال تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کا دوا فر حصہ ان کو عطا کر رکھا تھا۔ قرآن نے اس پورے مضمون کو اپنے ایک جملے میں سمیٹ دیا ہے:

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَ آتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَ فَضَّلَ الْخِطَابَ ۝ (ص: ۲۰)

”اور ہم نے داؤد کو مضبوط اقتدار سے نوازا تھا۔ اور ہم نے اس کو حکمت و دانائی سے سرفراز کیا تھا اور اس کو دو ٹوک بات کہنے کی صلاحیت عطا کی تھی۔“

حضرت یوسف علیہ السلام

تیسری مثال سیدنا ابراہیم کے پوتے اور حضرت یعقوب کے صاحب زادے حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جن کی داستان حیات قرآن کے صفحات میں محفوظ ہے۔ اس کے لیے اس کی ایک پوری سورہ وقف ہے جو انھی کے نام نامی سے منسوب ہے۔ یہ سورہ بتاتی ہے کہ وہ بادشاہ مصر کے بڑے بااقتدار اور معتمد وزیر تھے۔ وہ اس کی کابینہ کے انتہائی طاقت ور وزیر خزانہ

(۱) صحیح بخاری حوالہ سابق، باب من نام عند السحر، نیز صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الصیام، باب النہی

عن صوم الدهر لمن ضرر به او فوت به حقا او لم يفطر العیدین والتشريق و بیان تفضیل صوم يوم

و افطار يوم، عامره، مصر۔

تھے۔ اور پورا مصر ایک طرح سے ان کی مٹھی میں تھا اور اس کا چپہ چپہ ان کو اپنے سر پر بٹھانے کے لیے تیار تھا^(۱) بعد کے زمانہ میں مصر کے سات سالہ تاریخی قحط میں^(۲) ان کے مثالی بحرانی انتظام (Crisis Manegement) نے مزید ملک میں ان کی دھاک بٹھادی تھی جس کے بعد ان کے سامنے اس سرزمین میں کسی کی پر مارنے کی مجال نہ تھی^(۳) لیکن اپنے اس غیر معمولی اختیار و اقتدار کے باوجود وہ رحم و دایاں رکھتا نظر آتے ہیں۔ ان کے سوتیلے بھائیوں نے ان کو اپنی راہ سے ہٹانے کی خاطر بچپن میں کنوئیں میں ڈال کر ان کو مارنے کی اپنی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ بعد میں ان کے بھائی بن یامین کے ساتھ بھی ان کا سلوک کچھ بہت زیادہ اچھا نہیں رہا۔ لیکن مصر کی سرزمین میں پورے طور پر با اقتدار اور با اختیار ہونے کے باوجود وہ اپنے ظالم بھائیوں سے کوئی بدلہ نہیں لیتے بل کہ آگے بڑھ کر نہ صرف یہ کہ ان کو معاف کرنے کا اعلان کرتے ہیں بل کہ ان کی غلطی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا بھی کرتے ہیں:

قَالَ لَا تَعْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَ هُوَ أَرْحَمُ
الرَّحِيمِينَ ۝

(یوسف: ۹۲)

”یوسف نے کہا آج کے دن تمہاری کوئی دھڑکڑ نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے گا اور وہ سب میں بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

جس سے ان کے رجوع الی اللہ اور ان کی خشیت و انابت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سے اوپر ان کا یہ فرمانا بھی ان کی اسی خصوصیت اور کیفیت کا آئینہ دار ہے:

... إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝

(یوسف: ۹۰)

”... بلاشبہ جو کوئی تقویٰ کی راہ اپنائے گا اور صبر کا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ ایسے خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔“

(۱) یوسف: ۵۳-۵۶۔

(۲) عزیز مصر کے خواب اور حضرت یوسف کی تعبیر سے قرآن سے اس مدت کا واضح اشارہ ہے۔ یوسف:

۳۳۔ اور ۳۸۔

(۳) یوسف: ۵۶، میں اس کی صراحت ہے۔

ایک ضروری وضاحت

ظاہر ہے اس گفتگو کا یہ منشا بالکل نہیں ہے کہ اسلام کی نظر میں جمہوری خلافت اور موروثی بادشاہت میں کوئی فرق نہیں ہے اور ان دونوں کو وہ ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ اسلام کی واضح ترجیح جمہوری خلافت کی ہے جسے آج کے لفظوں میں عوامی جمہوریت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ قرآن میں اللہ کے آخری نبی ﷺ کو اپنے اصحاب سے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے:

...وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ

اللَّهُ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ (آل عمران: ۱۵۹)

”...اور (اے نبی!) آپ اپنے ساتھیوں سے اہم معاملات میں مشورہ کیجیے۔ (اس کے بعد) آپ جس رائے پر عمل درآمد کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ بلاشبہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کو عزیز رکھتا ہے۔“

دوسرے موقع پر اس کو مسلمانوں کی اجتماعیت کا معروف دستور قرار دیا گیا ہے:

...وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۝ (شوری: ۳۸)

”...اور مسلمانوں کے معاملات ان کی باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔“

کتاب اللہ کی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے اس حکم سے متعلق آخری آیت کریمہ کی مناسبت سے اس سورہ کا نام ہی ’شوری‘ رکھا گیا ہے (۱) حکومت اور سیاست میں منتخب جمہوریت کے حق میں دوسری دلیل خلافت راشدہ کا طرز عمل ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ حکومت مکمل شورایت کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ حدیث کی صراحت سے آپ ﷺ نے قیامت تک کے لیے اپنے امتیوں کو اس کے طور طریقوں کی پیروی کا حکم دیا ہے:

فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين

تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ۔ (۲)

(۱) شوری: ۳۸۔

(۲) سنن ابوداؤد ج ۲۔ کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، مجیدی کان پور۔ جامع الترمذی جلد ۲۔

ابواب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب الاخذ بالسنۃ و اجتناب... فی مسندہ۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

”تو اے لوگو! تم میرے طریقے اور راہ یاب خلفائے راشدین کے طریقے کی پیروی اختیار کرو۔ اس پر مضبوطی سے جبرہو اور اس کو اپنے دانتوں سے پکڑے رہو۔“

اس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کے دیگر طور طریقوں کے ساتھ اس کے تیس سالہ مبارک عہد میں خلیفہ کے انتخاب میں بھرپور اور مکمل جمہوریت اور شورایت کا جو راستہ اختیار کیا گیا، اس سلسلے میں قیامت تک کے لیے یہی طریقہ مشعل راہ ہے جس کی پوری دل کی آمادگی سے اس کو پیروی کرنی چاہیے۔ اور دنیا کے جس خطے میں اس اقتدار اور اقتدار کی دولت ملے شورا کی خلافت کے اسی طریقے کو رواج دینا چاہیے۔

اس کے ساتھ اوپر کی بادشاہت اور وزارت کی بحث صرف اس مقصد سے ہے کہ حالات کی تبدیلی سے کسی دور میں اگر زمانہ کا عرف تبدیل ہو جائے اور خلافت اور جمہوریت کے بہ جائے بادشاہت اور بہز و رتوت تسلط کا دور شروع ہو جائے تو قرآن کی اوپر کی مثالوں سے اسلام کی نجات دہندہ تحریک دنیا کے لیے اس کا اطمینان فراہم کرتی ہے کہ اس کے طریقہ کا پیروکار بادشاہ اور سلطان بے مہار اور بے لگام نہیں ہوگا۔ بل کہ حضرت داؤد و سلیمان اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اسوے اور نمونے کی پیروی کرتے ہوئے اس صورت میں اسلام کے زیر سایہ چلنے والی حکومت اور سیاست دنیائے انسانیت کے لیے رحمت کا باعث ہوگی۔ اور اس کے سائے تلے آج کی جمہوریت سے بڑھ کر اس کو سکون اور اطمینان حاصل ہوگا۔ وگرنہ معاصر دنیا کی تاریخ چلا چلا کر کہہ رہی ہے کہ حکمران کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس پختہ نہ ہو تو منتخب جمہوریت کے سائے تلے بھی انسانیت سسکتی اور کراہتی اور ظلم و ستم کی چکی میں پسے کے لیے مجبور ہوتی ہے۔ جس کو دیکھ کر عصر حاضر کے سب سے بڑے رمز شناس^(۱) کی اس حقیقت پسندی کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں رہتا ہے کہ:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(۱) علامۃ العصر محمد اقبالؒ جن کے وژن اور عالمی منظر نامے پر جن کی پکڑ کی پری اسلامی تاریخ میں دوسری نظیر دکھائی نہیں

دیتی۔ اللّٰهُم اغفر لہ و اعلیٰ درجۃ فی الجنۃ۔

حرف آخر

عزیز قارئین!

مطالعہ کے لیے سفر سے شاید اب آپ تھک رہے ہوں گے۔ ہم بھی اب آپ کو مزید تھکانا نہیں چاہتے۔ صرف ایک آخری گزارش ہے کہ پچھلے صفحات میں 'اسلام کی نجات دہندہ تحریک' کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے، امید ہے اس کی روشنی میں آپ دل سے اللہ کے اس آخری دین کو انسانیت کا نجات دہندہ تسلیم کریں گے۔ عقائد سے لے کر معاملات تک مختلف عنوانات کے تحت اسلام کی جو تفہیم کرائی گئی ہے اور اس کی تعلیمات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اس سے اس حقیقت کو آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے آج دنیا جن مسائل سے دو چار ہے اور ایمان اور عقیدے کی پریشانی سے لے کر سماج اور سیاست کے اس کے جو بھی مسائل ہیں وہ صحیح اور متوازن طور پر صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس آخری تکمیلی دین کے ذریعہ ہی حل کیے جاسکتے ہیں جس کو بمعنی اور پرکشش بنانے کے لیے ہم نے 'اسلام کی نجات دہندہ تحریک' کا نیا نام دیا ہے۔ اس تفصیل سے ان شاء اللہ آپ کو یہ تسلیم کرنے میں تردد نہیں ہوگا کہ آج عالمی نظام (World Order) بننے کی اگر کسی مجموعہ فکر و عمل میں صلاحیت ہے تو وہ صرف یہی اللہ کا آخری دین اسلام اور اس کی نجات دہندہ تحریک ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ صرف کھوکھلے نعرے ہیں جن کے پیچھے کسی حقیقت کا وجود نہیں ہے۔ البتہ اس گفتگو کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کا یہ پیغام صرف اسلام سے باہر کی دنیا کے لیے ہے۔ مسلمانوں کے تمام معاملات بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں اور ان کے یہاں کسی اصلاح اور تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں کا دین بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور اس کے اندر کسی تبدیلی اور ترمیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن خود مسلمان اجتماعیت کے اندر بہت سی کیاں اور کم زوریاں ہیں اور ان کا کھلا اعتراف کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب بالکل صاف ہے کہ اس امت کو اپنی ان کمیوں کو جلد سے جلد اپنے سے دور کرنا چاہیے۔ اور اس کے عمل کو اس کے دین سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسلام کی نجات دہندہ تحریک کے اس آئینے میں امت مسلمہ اپنی تصویر کو درست کر سکے اور باقی انسانیت ہر طرح کے تحفظ اور تردد سے اوپر اٹھ کر اس کی حقانیت کو تسلیم کر کے اپنی دنیا و آخرت کی کامیابی کا سامان کر سکے۔

وَمَنْ تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝

(فاطر: ۱۸)

”اور جو کوئی (شرک و کفر سے) پاکیزگی کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کی اس پاکیزگی کا فائدہ اسی کو حاصل ہوگا اور (سب کو) پلٹ کر اللہ کے پاس حاضر ہونا ہے۔“

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوة
والسلام على رسولہ الامين و على آله و صحبه اجمعين
الى يوم الدين صلاة و سلاما دائما كثيرا كثيرا كما يحبه
تعالى و يرضاه۔

کتابیات

(عربی)

— القرآن الکریم

— طبری، ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م ۲۱۰ھ) جامع البیان عن تاویل آی القرآن، المعروف بتفسیر الطبری، مکتبة مصطفى البابی الحلبي وأولاده، مصر طبعة ثالثة ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء دار المعارف مصر بتحقیق بتحقیق محمود محمود شاکر/ دار الفكر بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء۔

— زمخشری، ابو القاسم جار الله محمود بن عمر الزمخشری م ۵۳۸ھ الکشاف عن حقائق التنزیل مصطفى البابی الحلبي وأولاده، مصر، ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء تحقیق روایات محمد صادق القمحاوی۔

— رازی، فخر الدین محمد بن عمر الرازی (م ۶۰۴ھ) مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر مطبوعة عامرة شرفية، مصر، ۱۳۰۸ھ۔

— ابن کثیر، عماد الدین ابو القداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم المعروف بتفسیر ابن کثیر، مکتبة تجارية کبریٰ مصر، ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۷ء۔

— جلال الدین، جلال الدین محمد بن احمد المحلی (م ۸۶۳ھ) اور جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی (م ۹۱۱ھ)، تفسیر الجلالین، دار المعرفة، بیروت ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء طبعه اولی۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

—الوسی، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ادارة الطباعة المنيرية، مصر۔

—جصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی (م ۸۳۷) احکام القرآن، المطبعة البهية مصر ۱۳۳۷ ہاہتمام عبد الرحمن محمد۔

—ہانی بٹی، قاضی محمد ثناء اللہ حنفی ہانی بٹی (م ۱۳۲۵) التفسیر المظہری، ندوة المصنفین دہلی۔ ۱۳۸۷/۱۹۶۷ء طبع ثانی۔

—بخاری محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶) الجامع الصحیح، اصح المطابع دہلی۔

—بخاری محمد بن اسماعیل الادب المفرد مع فضل اللہ الصمد، طبع قاہرہ، ۱۳۷۸ھ۔

—مسلم ابو الحسین مسلم بن حجاج التیشیری النیسابوری (م ۲۶۱) صحیح مسلم، مطبعہ عامرہ مصر۔

—ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی (م ۲۷۵) سنن ابی داؤد، مطبع مجیدی، کان پور ۱۳۳۵ھ۔

—ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م ۲۷۷) جامع الترمذی کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

—ترمذی، شمائل ترمذی، ملحقاً بآخر جامع الترمذی

—نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی النسائی (م ۳۰۳) سنن النسائی مطبع مجتہائی دہلی، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند۔

—ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید الربعی القزوینی (م ۲۷۳) سنن ابن ماجہ مع شرحه مفتاح الحاجة۔

—مالک، مالک بن انس الموطا، مکتبہ تجاریہ کبریٰ مصر بلون سنہ۔

—محمد، محمد بن حسن الشیبانی موطا امام محمد، خورشید بک ڈھو لکھنؤ

۱۹۸۲ مع التعليق الممجد علی موطا محمد للعلامة عبد الحی اللکنوی۔

— احمد، ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل (۲۴۱ م) مسند احمد بن حنبل۔
مطبعة میمنہ مصر ۱۳۱۳ھ۔

— دارمی، سنن الدارمی، دار الكتاب العربی بیروت، طبعہ اولی، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء
محقق ایڈیشن۔

— حمیدی، مسند الحمیدی، المجلس العلمی دابھیل (الہند) طبعہ اولی۔ ۱۳۸۲ھ /
۱۹۶۳ء تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی۔

— خطیب تبریزی مشکوٰۃ المصابیح۔

— نووی ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الدمشقی (۶۷۲ م) شرح مسلم دار الریان
للتراث، قاہرہ۔

— گنگوہی فخر الحسن گنگوہی، التعليق المحمود علی هامش سنن ابی داؤد، مطبع
مجیدی کان پور۔

— ابن تیمیہ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ (۷۲۸ م) فتاویٰ ابن تیمیہ، طبع جدید
سعودیہ ترتیب: عبد الرحمن بن قاسم وابنہ محمد۔

— سرخسی شرح السیر الکبیر دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن طبعہ اولی
۱۳۳۵ھ۔

— مرغینانی برہان الدین أبو الحسن علی بن أبی بکر المرغینانی (۵۹۳ م) ہدایہ،
کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء عکس مطبع مصطفائی دہلی
۱۳۰۲ھ، طبعہ خامسہ۔

— قرطبی ابوالولید محمد بن رشد القرطبی (۵۹۵ م) ہدایہ المجتہد و نہایہ المقتصد،
دار المعرفۃ بیروت، طبعہ سادسہ، ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء۔

— کنز الدقائق، مثل مطبع مجتہائی دہلی۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

— ابن نجیم زین الدین الشہیر: ابن نجیم المصری (۹۷۰ م) الاشیاء والنظائر ادارۃ

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

النشر والاشاعة، دار العلوم دیوبند، طبع دوم ۱۴۰۶ھ، مع شرحه للعلامة الحموی۔

—نانوتوی محمد حسن صدیقی نانوتوی، ملففط المستخلص فی هامش کنز الدقائق کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

—ابن قدامة ابو محمد عبد الله بن محمد المعروف بابن قدامة المقدسی (م ۵۲۰ھ) المغنی مكتبة الجمهورية العربية مصر تحقيق و تعليق: محمد سالم محسن اور شعبان محمد اسماعیل۔

—قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۳ھ) کتاب الخراج، المطبعة السلفية و مکتبتها، قاصرہ ۱۳۵۲ھ، طبعہ ثانیہ۔

—ابو یوسف کتاب الآثار احياء المعارف النعمانية، حیدر آباد دکن (الہند) طبعہ اولی، ۱۳۵۵ھ، مطبعة الاستقامة تصحيح و تعليق: ابو الوفاء

—امام محمد بن حسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ) کتاب الآثار، شیخ الہی بنخش محمد جلال الدین تاجران کتب لاہور، ۱۹۱۱ء طبع قدیم۔

—شامی محمد امین الشہیر بابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) رد المختار علی الدر المختار، در سعادت، المطبعة العثمانية مصر۔

—قدوری ابو الحسن القدوری م ۴۲۸ھ: مختصر القدوری مع حاشیہ التنقیح الضروري، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، عکس مجتائی دہلی ۱۳۳۳ھ۔

—حلبی شیخ ابراہیم الحلبي (م ۹۵۶ھ) غنية المنملى فى شرح منية المصلى طبع قدیم وزیر خانہ علی بک، مطبعة سندھ محرم ۱۲۹۵ھ۔

—ابن قیم الجوزية (م ۷۵۱ھ) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۵ھ۔

—طبری ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (م) تاریخ الرسل والملوک المعروف بتاریخ الطبری، دار المعارف مصر، طبعہ رابعہ تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

- ابن سعد ابن سعد (م ۲۴۳ھ) الطبقات الكبرى دار صادر بیروت، ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۷ء۔
- ابن کثیر اسماعیل بن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ) البداية والنهاية، دار الريان للتراث، قاهرة، طبعہ اولیٰ ۱۳۰۸ھ / ۱۹۸۸ء، تحقیق: و احمد ابو ملحم و د، علی بن حبيب عطوری وغیرہما۔
- ابن الاثیر الجزری (م ۶۲۳ھ) الكامل فی التاریخ، دار الكتاب العربی بیروت، طبعہ سادسہ، ۱۳۰۶ھ / ۱۹۸۶ء، جدید محقق ایڈیشن۔
- ابن جوزی جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) سيرة عمر بن الخطاب، أول حاکم ديمقراطی فی الاسلام، الدار القومية مصر، بدون سنہ۔
- ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) تهذيب التهذيب، دائرة المعارف النظامية حيدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ۔
- غزالی ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ) إحياء علوم الدين، مطبعہ عامرہ شریفہ مصر ۱۳۲۶ھ۔
- ابن تیمیہ الاستقامة، جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة سعودی عرب، طبعہ اولیٰ ۱۳۰۳ھ / ۱۹۸۳ء، تحقیق: محمد رشاد سالم۔
- شاطبی ابو اسحاق الشاطبی (م ۷۹۰ھ) الموافقات فی اصول الشريعة مكتبة تجارية كبرى مصر، طبعہ ثانیہ ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء۔
- شاطبی الاعتصام، مطبعة المنار مصر، ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء۔
- نووی محی الدین یحییٰ بن شرف النووی (م ۷۷۲ھ) الاذکار المنتخبة من كلام سيد الابرار ^{عليه السلام}، دار العلوم الحديثة بیروت، مكتبة المتینی و علیہ شرح العلامة ابن علان، ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء۔
- ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) نقد العلم والعلماء المعروف به تلبیس ابلیس مطبعة السعادة مصر، طبعہ اولیٰ، ۱۳۳۰ھ، زیر اهتمام محمد امین خانجی، و محمد منیر الدمشقی۔

اسلام ایک نجات دہندہ تحریک

— شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم الدہلوی () ازالۃ الخفاء عن خلافة الخلفاء
قدیمی کتب خانہ، آرام بانم کراچی۔ مع اردو ترجمہ از مولانا اشفاق احمد
دیوبندی۔

— ابن منظور الفریقی (م ۵۷۱) لسان العرب، دار صادر بیروت۔

— ونسک المعجم المفہرس للفاظ الحدیث النبوی الشریف۔ مکتبہ بریل لیدن،
۱۹۳۸ء۔

— الجاحظ (م ۲۵۵) کتاب البخل، المطبعة الخيرية مصر، طبعہ اولی ۱۳۲۵ھ۔

— الجاحظ البیان والتبيين، المطبعة التجارية الكبرى، مصر، طبعہ ثالثہ۔ مطبعة
الاستقامة قاهرة ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۷ء۔ تحقیق و شرح: حسن السندوی

(اردو کتابیں)

- شیخ نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) سیرت النبی طبع سیزدہم، ۱۹۷۹ء/۱۳۹۹ھ۔
- سید سلیمان ندوی حیات امام مالک مکتبۃ الشرق آرام باغ کراچی ۱۳۷۱ھ
- مولانا عبدالشکور فاروقی علم الفقہ، مکتبۃ فاروقیہ، لکھنؤ، بدون سنہ
- مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ہندستان کا صنعتی زوال اور اس کے اسباب، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
- شیخ نذیر حسین (مرتب) اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ (لاہور)
- علامہ اقبال کلیات اقبال (صدی ایڈیشن) ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۷۷ء
- محمد نجات اللہ صدیقی اسلام کا نظریہ ملکیت، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی بار اول ۱۹۷۸ء
- مولانا سید جلال الدین عری صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ
- سلطان احمد صلاحی اسلام کا تصور مساوات، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
- سلطان احمد صلاحی بچوں کی مزدوری اور اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
- سلطان احمد صلاحی پردیس کی زندگی اور اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
- سلطان احمد صلاحی مذہب کا اسلامی تصور، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

- سلطان احمد اصلاحی
مشرکہ خاندانی نظام اور اسلام، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ، بار دوم
۱۳۱۲ھ / ۱۹۹۲ء

- سلطان احمد اصلاحی
وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

مقالات

- ابو الخیر مودودی
ہندستان کی معاشی حالت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر، ماہ نامہ معارف
اعظم گڑھ، جولائی، اگست ۱۹۲۷ء مکرر اشاعت سہ ماہی المعارف لاہور،
جنوری - مارچ، اپریل - جون ۱۹۹۸ء

- سلطان احمد اصلاحی
شہرت پسندی کا رجحان اور اسلام، سہ ماہی تحقیقات اسلامی جنوری - مارچ،
اپریل، جون ۱۹۹۷ء

Handwritten signature or text in Urdu script.

Handwritten text and a date stamp: 2068.

www.KitaboSunnat.com



s.90.00

PN :1180